سرمہاراجہ بہادر کی طرف سے شرفِ قبولیت

نمبر ۲۷۰

نیم سرکاری نشان

۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء م ۲۲ آبان ۱۳۴۵ف

بخدمت شریف جناب عزیز فانی صاحب ایڈیٹر "سالار" بمبئی

(معرفت الہ آلہ دین بلڈنگز۔ سکندر آباد)

"مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب زاد لطفکم!"

آپ کا معروضہ جو آپ نے اپنی کتاب "حیات عثمانی" کے انتساب کی اجازت کے لئے سرکار دام اقبالہٗ کی خدمت میں گزرانا تھا۔ وہ سرکار دام اقبالہٗ کے ملاحظہ میں پیش ہو چکا جس پر مجھ کو سرکار عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی نے آپ کو ذریعہ تحریر اطلاع دینے کے لئے حکم فرمایا ہے کہ سرکار دام اقبالہٗ آپ کی درخواست انتساب کو بخوشی منظور فرماتے ہیں اور آپکی اس کتاب کا اپنے اسم گرامی سے معنون ہونا باعث فخر خیال فرماتے ہیں۔ لہذا آپ کو اس کے انتساب کی بمسرت اجازت دیجاتی ہے۔

منجانب پرائیویٹ سکرٹری علاقہ مہاراجہ بہادر

۷۸۶

فہرست تصاویر

فہرست مضامین حیات عثمانی

حصہ اول

اعلحضرت نواب میر عثمان علیخان خلداللہ ملکہ و سلطنہ آصف سابع

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ٥

عرضِ حال

کے
کے علمی فیوض و برکات کے سلسلہ مین علم التاریخ بھی ایک عظیم الشان برکت ہے اور اگر صرف فن تاریخ متعلق مسلمانوں کی مساعی جمیلہ پر بحث کی جاوے تو ایک مبسوط تالیف کی ضرورت ہوگی۔ ابتدائے اسلام کے ساتھ ہی اس نہایت ضروری اور اہم فن کی بنیاد مسلمانوں نے رکھدی تھی۔ پھر اسلام کی اشاعت اور اسکی سیاسی ترقیات کیساتھ ساتھ یہ فن بھی ترقی کرتا چلا گیا یہانتک کہ مورخین اسلام نے جو خدمت تاریخ کی کی ہے اور جس درجہ کمال تک اسکو پہونچایا ہے۔

علوم اور ایجاد کا یہ عہد بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا

آج نقد و نظر (ریویو نویسی) کے فن پر ناز کیا جاتا ہے اور ریویو نگاری کو ایک مستقل فن قرار دیا گیا ہے لیکن ایک محقق جانتا ہے کہ مسلمانوں نے اسماء الرجال کے رنگ مین اسی علم کی بنیاد تاریخ نگاری کے سلسلہ مین رکھدی تھی۔ جو بھی شاندار قصر اس سلسلہ مین تعمیر ہوا اسکی بنیاد وہی پیشرو ہے۔ تاریخ کے مختلف شعبوں پر بصیرت افزا اسلامی تالیفات دنیا کے کتب خانوں مین عہد حاضر کے مورخین اور محققین کو حیرت زدہ کر رہی ہیں۔ ابن خلدون کے مقدمہ کو عہد حاضرہ کا مورخ جب پڑھتا ہے تو اسے حیرت ہوتی ہے کہ یہ شخص فن تاریخ کی گہرائیوں اسکے فلسفہ اور مختلف شعبوں پر کتنی وسیع نظر رکھتا ہے۔ [illegible] مورخ اتنی صدیاں گذر جانے اور علمی ترقیات کے باوجود بھی پیدا نہیں ہو سکا۔ مگر آہ! جب مسلمان اپنی کمزوریوں کے باعث اوج واقبال کے بلند مقام سے گرنے لگے اور انکی سلطنتوں اور حکومتوں مین ضعف شروع ہوا اسکے ساتھ ہی انکے علمی کمالات مین بھی زوال آنے لگا اسلئے کہ

علمی سرپرستی کی صف خالی ہوگئی

میں یورپ اور امریکہ کی علمی سرپرستیوں کو دیکھتا ہوں تو اسکے مقابلہ میں اسلامی علم نوازیوں کی شان کا مقام بہت بلند نظر آتا ہے اس جگہ میں اسکا مقابلہ کرنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ اس کتاب کا موضوع نہیں۔ یہ ابتدائی جملے میں نے محض ایک حقیقت کے اظہار کیلئے بطور تمہید لکھے ہیں۔ اور میرا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ اسلام نے فن تاریخ کو پیدا کر کے درجہ کمال تک پہونچایا اور جبتک اسلامی سلطنتیں اپنی شان کو قائم رکھ سکیں اس فن کی قدر و منزلت بھی ہوتی رہی۔

اسلامی عہد کے ہندوستان ہی کی تاریخ کو دیکھو کہ کیسی مفصل اور مکمل ہے۔ ہر عہد کے کارنامے نہایت عمدگی اور کامل تحقیق کیساتھ تاریخ مین موجود ہیں اور ہر عہد کی خصوصیتیں کا ایک تصریحی بیان ہم کو ملتا ہے لیکن اب یہ حالت ہے کہ یہ فن دوسرے کمالات کی طرح ہمارے ہاتھ سے نکلکر

بیرونی اقوام کی ملکیت ہوگیا ہے

اور اس علمی یتیم پر جسقدر ماتم کیا جائے وہ کم ہے۔ عہد حاضرہ کے مسلمان مورخ (علامہ شبلی) نے دولت آصفیہ کی سرپرستی مین اسلامی تاریخ کے فن کو زندہ کرنے کی کوشش کی اور انکی مساعی جمیلہ آنیوالی نسلوں سے خراج تحسین حاصل کرتی رہیں گی۔ لیکن وہ آصفی کنگڈم جس نے ہندوستان مین اسلامی حکومت کے نشان عظمت کو قائم رکھا اور جسکے عظیم الشان کارنامے عہد گزشتہ کی یاد دلاتے ہیں اسوقت تک اپنی کوئی مبسوط تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ اسکی وجہ وہی ہے جس کا مینے اوپر ذکر کیا ہے کہ اب

فن تاریخ و سوانح نگاری اغیار کی ملکیت ہے،

مینے جب یورپ اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی تو مجھے ہندوستان کی اس عظیم الشان اسلامی سلطنت اور اسکے بادشاہ کے متعلق دونوں جگہ لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا پایا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ سلطان دکن کی تصویر کو ایک خیالی رنگ دیا گیا ہے نہ صرف یہ بلکہ جو کتابیں دولت آصفیہ پر لکھی گئی ہیں ان مین جو چیز نمایاں نظر آتی ہے وہ کمپنی کے کارکنوں کے کارناموں کی ستایش ہے۔ دولت آصفیہ کے حکمرانوں نے جو عظیم الشان قربانیاں کی ہیں اور اونہوں نے معاہدات کی رعایت اور تعلقات مودت کی استواری میں جس ممتاز طریق عمل کو دکھایا ہے وہ نظر نہیں آتا۔ میں ناسپاسی اور اخفائے حق کے جرم سے خدا تعالی کی پناہ چاہتا ہون اس طریق عمل میں بعض استثنائی صورتیں بھی ہیں اور بعض منصف مزاج یوروپین مورخین نے دولت آصفیہ کی خدمات کا اعتراف کیا ہے

اور نہایت شرح صدر سے اس کے احسانات کی داد دی ہے۔ گر وہ بہت ہی کم ہیں۔ بہرحال ان حالات میں سے گذرتے ہوئے میں نے عزم کیا کہ اگر فرصت اور موقعہ میسر ہوا تو میں

سلطانِ دکن کی ایک قلمی تصویر پیش کرونگا

میں ایک عرصہ دراز سے دیکھتا تھا کہ ہندوستان میں قوموں اور ملتوں کی خانہ جنگیوں نے کچھ اور ہی صورت پیدا کر رکھی ہے کہ بلا وجہ بھی ایک دوسرے پر حملے کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ شمالی ہندوستان اور بمبئی پریسیڈنسی کی مرہٹہ آبادی میں دولت آصفیہ کے خلاف جذبہ پیدا کرنے کیلئے اخبار نویسوں کی ایک جماعت انتہائی کوشش کر رہی ہے مخالفت کے اس طوفان کی تاریخ بھی دلچسپ ہے۔ میں نے نہ صرف اس عقیدت کیوجہ سے جو ایک مسلمان کو طبعاً ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی ریاست اور ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی یادگار سے ہو سکتی ہے بلکہ ایک حقیقت نفس الامری کے طور پر بحیثیت ایک اخبار نویس اس مذموم طریق صحافت کو ہمیشہ ناپسند کیا اور میں نے ہمیشہ اسکے دفاع کی کوشش کی مگر تنہا کوشش اس میدان میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اسلئے میں نے سنہ ۱۹۲۳ء میں ایک واسطہ سے یہاں کے صیغہ سیاسیات کو توجہ دلائی کہ وہ

ایک پبلسٹی بیورو قائم کریں

نواب سر نظامت جنگ بہادر نے اس خصوص میں پوری دلچسپی لی مگر یہ تجویز ان کے عہد وزارت سیاسیہ میں بروئے کار نہ آسکی۔ میں جس چیز کو صحیح سمجھتا تھا اسکے لئے میں نے اپنی کوششوں کو جاری رکھا۔ اس مقصد سے میں نے بمبئی سے اخبار سالار جاری کیا اور اسکے ذریعہ دولت آصفیہ کی خدمت کو اپنا ایک ضروری فرض سمجھا۔

میں نہایت فخر و ناز سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ سالار نے کسی مادی غرض کے مدنظر اس خدمت کو اختیار نہیں کیا تھا اور حیدر آباد کی حکومت کا کوئی وزیر یا کوئی محکمہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے سالار کیساتھ

مادّی سلوک کیا

بحالیکہ شمالی ہندوستان کے ایک چوٹی کے اخبار نویس نے جو دولت آصفیہ کیخلاف خطا اور

بے بنیاد پراپگنڈہ کرنے اور شمالی ہندوستان کے ایسے جراید کا مشیر اعظم ہے اور ہند و صحافت کا ممتاز رکن ہے بارہا یہ لکھکر اسکی آواز کو بے اثر کرنا چاہا کہ

سالار حیدرآباد کے روپیہ سے چلایا جاتا ہے

اور یہ امر ایسا ہی بے بنیاد تھا اور ہے جیسے دوسرے الزامات جو دولت آصفیہ کے خلاف لگائے جاتے تھے ہیں اس موقعہ پر اس امر کو چھپانا نہیں چاہتا کہ سر یمین السلطنتہ مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت بالقابہ نے وزیر اعظم کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی علم نوازی کی شان اور دولت آصفیہ کے ساتھ اپنی فطرتی اور روایتی وفاداری کی جذبہ سے سالار کی اعانت میں خوشی محسوس کی اور یہ صرف سالار ہی سے مخصوص ہیں۔ انکی علم دوستی کی شان اتنی بلند ہے کہ جب ایڈیٹر سالار کے بیٹے شیخ محمود احمد عرفانی نے مصر سے اسلامی دنیا جاری کیا (جسکو دولت آصفیہ کے جلیل المرتبت ولیعہد بہادر اور آپکے برادر عزیز و گرامی قدر شاہزادہ معظم جاہ بہادر کے ورود مصر پر خاص نمبر شایع کرنے کی عزت حاصل ہوئی اور انہوں نے رابطہ شرقیہ کے وفد کو پیش کیا) اسوقت بھی حیدرآباد کے اس دستور اعظم نے سمندروں کو چیرتے ہوئے

اپنی علم نوازی کا مظاہرہ کیا

اور اسلامی دنیا کو (جو ایک خالص اسلامی اخبار تھا) گرانقدر عطیہ دیکر اپنی بے ریا علم دوستی کا ثبوت دیا۔ یہ تذکرہ ضمناً آگیا اور میں سر یمین السلطنتہ سے معذرت خواہ ہوں کہ میں انکی اس بے ریا علم دوستی کا اظہار کرنے پر مجبور تھا

غرض

میں سفر یورپ و بلاد اسلامیہ کے بعد یہ خواہش رکھتا تھا کہ دولت آصفیہ کے اس عظیم المرتبت سلطان اعلیحضرت میر عثمان علیخان بالقابہ کی ایک مختصر لائف شایع کروں جو بجائے خود ہر قسم کی غلط فہمیوں کو دور کرنیکا ذریعہ ہو چنانچہ

حیات عثمانی اسی عزم کا نتیجہ ہے

میں جس رنگ میں اور جس تفصیل کیساتھ اسکو لکھنا چاہتا تھا مجھے اعتراف ہے کہ میں اس میں کامیاب نہیں ہو سکا اسکا باعث بیان کرتے ہوئے مجھے افسوس ہوتا ہے۔ اس تالیف کیلئے مواد فراہم کرنے کیلئے میں نے اپنی کوشش کا آغاز کیا مگر میں نے یہاں اہل علمی تعاون کیلئے کسیکو آمادہ نہ پایا میں اسکے اسباب اور تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ صرف دو بزرگوں نے میری حوصلہ افزائی کی۔ انمیں سب سے زیادہ جس بزرگ نے میری ہمت بندھائی وہ

نواب ذوالقدر جنگ بہادر ہیں

مجھے انکی خدمت میں نیاز حاصل تھا اور نہ کسی قسم کا تعارف تھا نہ میں کوئی تعارفی چھٹی لیکر انکے پاس پہونچا میں ان سے ایک مسلمان کی حیثیت سے ملنے گیا اور بغیر کسی تمہید کے میں نے اپنا مطلب بیان کیا اور اونہوں نے مجھے فراہمی مواد کیلئے ہر ممکن مدد دینے کا بلا تامل وعدہ کرلیا۔ چونکہ انہوں نے اس کام کی اہمیت کا اندازہ فوراً کرلیا۔ اور ہر وقت (جو انکی فرصت کے اوقات میں سے ہو) اس کیلئے امداد گی ظاہر کی وہ خود مصنف ہیں اور تالیف و تصنیف کی مشکلات اور ضروریات سے آگاہ ہیں اور اس تالیف کی ضرورت کا صحیح احساس انہیں پیدا ہو چکا تھا اونہوں نے ایسے

اپنے ملک و مالک کی خدمت یقین کیا

اور اسے ہر جائز حوصلہ افزائی کے قابل سمجھا۔ میں انکی اس ہمت افزائی کا از بس ممنون ہوں۔ پھر اس خصوص میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کا میں شکر گزار ہوں میں نے ان سے خط و کتابت کی اونہوں نے مفید مشورے دئے اور ہر ممکن مدد کیلئے آمادگی کا بانشراح خاطر اظہار کیا۔ ڈاکٹر صاحب بھی ایک واجب الاحترام مصنف ہیں اور اونہوں نے حیدرآباد میں ذوق تالیف و تصنیف پیدا کر دیا ہے انکے علمی کارناموں کا تذکرہ میں کسی دوسرے موقعہ پر کرونگا۔ انکی اعانت کے محرکات میں بھی وہی جذبہ کارفرما نظر آیا جو نواب ذوالقدر جنگ بہادر میں ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ برکات عثمانی میں ان سے مدد ملیگی (انشاءاللہ العزیز) حیدرآباد سے باہر میں نے اپنے کرم دوست خواجہ حسن نظامی صاحب کو (جن سے تیس گزشتہ تیس سال سے مراسم ہیں) بہت بڑا امید پایا۔ اونہوں نے سیرۃ عثمانی کے لئے اپنے اخبارات سے مواد مہیا کرنے میں بڑی مدد دی اس سلسلہ سپاس گزاری میں میں یہاں کے معزز صحافی ایڈیٹر رہبر دکن کا بھی ممنون ہوں کہ اونہوں نے میرا ایک مضمون رہبر دکن کے قابل تیر لیئے نمبر میں اظہار مسرت کیا۔ یہاں کے دوسرے اخبار صبح دکن اور نظام گزٹ کے سالناموں سے بھی میں نے استفادہ کیا۔

اور مولانا ہوش بلگرامی کے مضامین بھی جو انہوں نے سیرۃ شاہانہ پر لکھے ہیں مجھے بیش قیمت ملے اسطرح ایک لمبی تلاش و جستجو، کوشش و کاوش کے بعد یہ مجموعہ مرتب ہو گیا اور میں نے پسند کیا کہ اسے

حضرت آصفجاہ ہفتم کی سلور جوبلی پر بطور ارمغان پیش کروں

اسی لئے میں نے اس کا نام

ارمغانِ عرفانی موسوم بہ حیات عثمانی تجویز کیا

تاریخ حیات عثمانی دو حصہ میں شایع ہوگی یہ پہلی جلد ہے جسکے تین حصے ہیں حصہ اول میں دولت آصفیہ کی ایک اجمالی تاریخ ہے جسمیں میں نے اس چیز کو نمایاں کرنا چاہا ہے جسکو یورپ کے بعض مصنفین نے چھپایا ہے دوسرے حصہ میں آصف جاہ ہفتم کے سوانح حیات ہیں اور تیسرے حصہ میں سیرۃ و شمایل کا مختصر بیان ہے۔ اسباب کی قلت نے مجھے اس قابل نہ ہونے دیا کہ جس رنگ اور شان سے میں چاہتا تھا یہ کتاب شایع ہوتی اسکے لیے شاہانہ سرپرستی بکار تھی ایسی تالیف جسکا میرے دماغ میں خاکہ تھا اور ہے ایک بہت بڑی لائیبریری اور متعدد مددگار ونکو چاہتی تھی اور چاہتی ہے اور یہ میرے بس کی بات نہیں میں نے جن مشکلات میں سے گذر کر اسکو شایع کیا ہے میں ہی جانتا ہوں۔ دوسری جلد میں (جسکا نام برکات عثمانی) ہے حیدرآباد جدید کی تعمیر کی تاریخ ہے۔ میں سمجھتا ہوں حیات عثمانی کی اس اشاعت کے بعد حیدرآباد کی اثار اور علمی دنیا کے علاوہ حکومت کے مختلف دفاتر اور ادارے میرے ساتھ تعاون کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہوئے اس سلسلہ تالیف کو اپنے ملک و مالک کی ایک خدمت یقین کریں گے۔

تالیف کے بعد مجھے تلاش تھی کہ میں اس کتاب کو کسی جلیل الشان انسان کے نام نذر کروں مختلف پہلوؤں سے میں نے غور کیا تو میری نظر اول و آخر حیدرآباد کی زندہ تاریخ (اللہ تعالی انکی عمر و اقبال میں برکت دے آمین) اور مشہور علم نواز بے ریا انسان اور ہر شخص کے ولی خیر خواہ دولت آصفیہ کے مسلم جان نثار و وفادار **یمین السلطنت** پر پڑی اور میں نے انکی خدمت میں ایک معروضہ پیش کیا۔ میں جانتا ہوں جہانتک اس تالیف کو میری ذات سے تعلق اور نسبت ہے اسکی کچھ حقیقت نہیں لیکن جس عظیم المرتبت سلطان کے سوانح و سیرۃ اور جس گرامی منزلت سلطنت کی اجمالی تاریخ کے یہ اوراق امین ہیں اسکے لحاظ سے اسکا مقام بہت بلند ہے اور یہ

یمین السلطنت ہی کے نام نامی سے منسوب ہونیکے قابل ہیں

میں اسے اپنی بہت بڑی عزت سمجھتا ہوں کہ میری حقیر خدمت کو یمین السلطنت نے یہ شرف بخشا کہ میرے دل میں یمین السلطنت کی کے مقام

رفعت اور بھی بڑھ گئی کہ وہ اِس تالیف کو محض اسلئے عزیز رکھتا ہے کہ

وہ اسکے محبوب و محسن بادشاہ و آقا کا تذکرہ ہے

اِس راز کو اس جواب مین پاؤگے جو میرے معروضہ کا دیا گیا ہے۔ میں نے جب معروضہ پیش کیا تو میں زبان حال سے کہہ رہا تھا

ہدیۂ تنگدستاں ابہ چشم کم مبین ‌ ‌ ‌ ‌ چوں بر سرِ خوان تہی میرپوش باش

مگر سرمین السلطنۃ کی اپنے بادشاہ کے ساتھ عقیدت و ارادت اِس خوان تہی کو سرمایۂ مسرّت سمجھتی تھی۔

بہرحال

مجھے فخر ہے کہ میری ناچیز سعی کو آصفجاہ ہفتم کے نام کیوجہ سے یہ عزت و شرف ملا کہ سرمکین السلطنۃ نے اسے اپنے نام نامی سے منسوب کرنے کی اجازت دیتے ہوئے اسے موجب فخر سمجھا اور حضرت سلطان العلوم کی ذات سے تو مجھے توقع ہی ہے آپ بھی ارمغانِ عرفانی کو

شرف قبولیّت بخشیں گے

ختم کرنے سے پہلے مجھے ایک اور گرامی قدر وجود کا شکریہ ادا کرنا ہے میں شاید سب سے پہلے انکا تذکرہ کرتا لیکن میں نے اسے موخر کیا تا کہ آخری بات قارئین کرام کے ذہن مین رہے اس تالیف کی تحریک مین خان بہادر احمد علاء الدین کی اس محبت و اخلاص کو بہت بڑا دخل ہے جو انہیں

حضرت آصف جاہ ہفتم سے ہے

انہوں نے ہی سب سے اول مجھے اِس تالیف کیلئے ہر ممکن مدد دیکر اس کام کو شروع کرنے کا حوصلہ دلایا۔ انکی علمی فیاضیاں اور رفاہ عام کے کاموں مین شرکت کا جذبہ میرے کسی اظہار کا محتاج نہیں وہ سالار کے بھی ہمیشہ معاون رہے ہیں۔ شہزادگان عالی تبار کی شادیوں کی تقریب پر سالار کا ایک خاص نمبر انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے خرچ سے شایع کرایا غرض میں انکی امداد کا ممنون ہوں اور ہر وقت انکے لئے دعا کرتا ہوں کہ یہ خیال انکی ہی ابتدائی تحریک اور اعانت اول سے عملی صورت اختیار کر سکا۔ اب مجھے ندامت کے ساتھ ایک اور امر کا اظہار کرنا ہے اور

وہ یہ کہ قلت اسباب کیوجہ سے کتاب کی صحت اور طباعت اور دوسرے امور میں کافی اہتمام نہ ہو سکا۔ مجھے احساس ہے کہ کتابت وطباعت کے بعض اغلاط موجود ہیں جسکے لیے میں ندامت کا صحیح احساس رکھتا ہوں اللہ تعالی نے چاہا اور حیدرآباد کی شاہ پرست پبلک نے مجھے اس قابل کیا کہ میں دوسرا ایڈیشن شائع کرسکوں تو انشاء اللہ نقش ثانی نہایت اعلی اور مکمل ہوگا۔

وما توفیقی الا باللہ العزیز العلیم

میں نے سلور جوبلی کی یادگار میں ایک ادارہ تاریخی سلسلہ تالیفات قائم کرنیکا عزم کیا ہے۔ خدا تعالے سے دعا کرتا ہوں کہ اسکے لئے مجھے اخلاص اور رفقائے کار عطا فرماوے۔ آمین

خاکسار

یعقوب علی عرفانی (سیاح یورپ بلاد اسلامیہ)

نزیل سکندرآباد

۵ نومبر ۱۹۳۶ء

مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنۃ بہادر

ڈیڈیکیشن
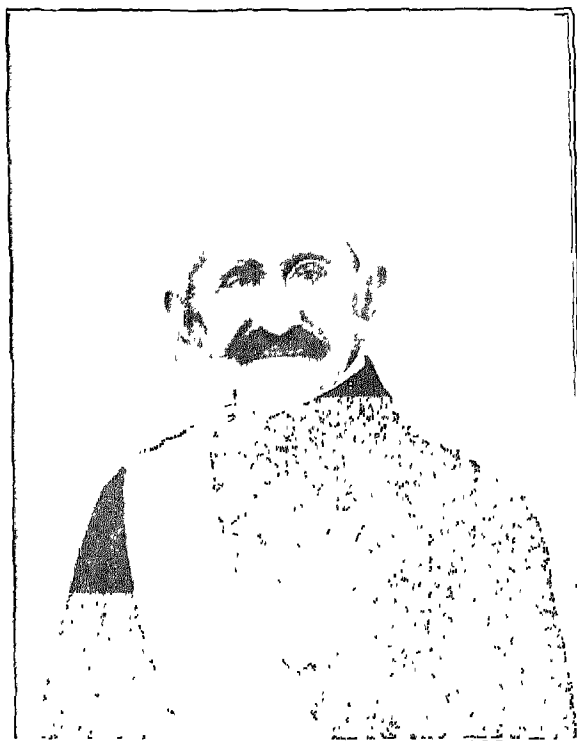
خاکسار ایڈیٹر سالار دلی اخلاص و ارادت سے
ارمغانِ عرفانی کو اعلیٰ حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ وسلط
کے اباً عن جدٍ وفادار و جان نثار دولتِ آصفیہ عثمانیہ کے جلیل القد
اور علم نواز وزیر اعظم سر یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد (شاد) بہادر
بالقابہ کے اسمِ گرامی سے منسوب کرنے کی عزت حاصل کرتا ہے ۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ہیچمیرز عرفانی (ایڈیٹر سالار)

سر مہاراجہ بہادر کی طرف سے شرف قبولیت

نمبر سرکاری نشان ۲۷۰

۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء م ۲۲ آبان ۱۳۴۵ ف

بخدمت شریف جناب عیسیٰ فانی صاحب ایڈیٹر "سالار بمبئی"

معرفت الہ دین بلڈنگ سکندر آباد

"مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب زاد لطفکم"

آپکا معروضہ جو آپ نے اپنی کتاب "حیات عثمانی" کے انتساب کی اجازت کیلئے سرکار دام اقبالہ کی خدمت مین گذرانا تھا۔ وہ سرکار دام اقبالہ کے ملاحظہ مین پیش ہوچکا جسپر مجھکو سرکار عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنتہ صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی نے آپ کو ذریعہ تحریر اطلاع دینے کے لئے حکم فرمایا ہے سرکار دام اقبالہ آپکی درخواست انتساب کو بخوشی منظور فرماتے ہیں اور آپ کی اس کتاب کا اپنے اسم گرامی سے معنون ہونا باعث فخر خیال فرماتے ہیں۔ لہذا آپکو اس کے انتساب کی بمسرت اجازت دیجاتی ہے۔

منجانب پرائیویٹ سکرٹری علاقہ مہاراجہ بہادر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حصہ اوّل

دولتِ آصفیہ کی ابتدائی خاندانی تاریخ

باب اوّل

اعلیحضرت میر عثمان علیخان آصف جاہ ہفتم کا خاندان باپ کی طرف سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور یہ بھی ایک تاریخی صداقت ہے کہ آصفی خاندان کا آبائی سلسلہ نسب ماں کی طرف سے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم تک جاتا ہے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ دولت آصفیہ قریشی سلطنت ہے اس خاندان کی سلطنت و حکومت کے پہلو سے قطع نظر کر کے یہ بات روزِ روشن کی طرح نمایاں ہے کہ اس خاندان میں علماء و اتقیا کا سلسلہ دائمی چلا آتا ہے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ بھی خاندان آصفیہ کے بزرگوں میں سے تھے۔ یہ خاندان عرب سے کیونکر نکلا؟ اور کہاں کہاں نقلِ مکان کرتا رہا؟ اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان آنے سے پیشتر یہ خاندان ایک ممتاز حیثیت سے متمدن رہا

لہ بعض مورخین نے غلطی سے یا اس وجہ کہ اس خاندان کے بزرگ سمرقند و بخارا سے آئے انکو ترک یا ترکمان سمجھا لیکن حقیقتاً

مقیم تھا۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ ان کی سب سے بڑی دولت تھی۔ اور اسی پر ان کو ناز تھا۔ اور اسی کے
سبب سے وہ ممتاز اور مشار الیہ تھے۔ علی الخصوص حضرت خواجہ اسمٰعیل صاحب اپنے زمانے کے ایک ممتاز
عالم اور مشہور زاہد تھے۔ ان کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا تھا۔ اور مشکلات اور مہمات عظیمہ میں انکی دعاؤں سے
فیض حاصل کیا جاتا تھا۔ غرض صدیقی فطرت ہر زمانہ میں نمایاں رہی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ـــ نہیں یہ خاندان عربی النسل اور قریشی ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک انکا شجرۂ نسب پہنچتا ہے
اور اسی سلسلہ میں حضرت شیخ مہتر رومی قدس اللہ سرہ العزیز بھی اس خاندان کے اجداد میں ہیں۔ میر قمر الدین خان صاحب کے
دادا عابد قلی خان بن عالم شیخ بن الہ داد شیخ بن عبد الرحمن شیخ عزیزان ہیں۔ عالم شیخ سمرقند کے علماء متبحرین میں سے
تھے اور عبد الرحمن شیخ نہایت متورع اور متقی تھے ابتدا ہی سے بزرگان دین کی صحبت میں علمی تحصیل اور تزکیہ
نفس میں مصروف تھے حقیقت یہ ہے کہ ابتدا سے عمر ہی مشت خاک کو بزرگوں کے دامن میں باندھ دیا اور بہار زندگی
کے پھول انہیں بزرگوں کے روضہ پر چڑھا دیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی مشت خاک اکسیر اور وہی پھول جہاں آرائی
کی خوشبو بن کر نمودار ہوئے۔ اپنے زہد و اتقا میں ایسی ترقی کی کہ مرجع انام و سلاطین بن گئے۔ اور اسی فیض رسانی نے
صاحب ارشاد بنا کر شیخ کا درجہ عطا فرمایا ہزاروں انسان ان کے معتقد تھے عوام ہی نہیں سلاطین بھی ان سے
حصول برکات کے لیے حاضر ہوتے اور جب کبھی مشکلات کا سامنا ہوتا تو انکی دعاؤں سے اعانت چاہتے چنانچہ
جب عبد اللہ خان والی بخارا (۹۴۴ھ سے ۹۹۱ھ) اور بوالی مرد علی والی سمرقند (۹۵۶ھ-۹۸۶ھ) کے درمیان جنگ ہوئی
اور عبد اللہ خان عظیم کی قوت عسکری سے خائف ہو کر نہایت انکسار کے ساتھ آپ کے حضور آئے شیخ کی طبیعت میں رقت
و جوش پیدا کرنے کے لیے ماوراء النہر کے سادات نے یہ صورت اختیار کی کہ گلے میں رسی بندھی ہوئی تھی اور اسکا
سرا سوار کے ہاتھ میں تھا اس سے مدعا جنگ کے نتیجہ کا اظہار کر کے طلب امداد تھی۔ درویش کے پاس
دعا کا ہتھیار تھا زبردست تھا جو ناقابل تسخیر ہے شیخ اس انداز و طور سے [illegible] متاثر ہوا اور انکی کیمیا اثر نظر نے
کام بنا دیا۔ عبد اللہ خان کو اپنی چادر اڑھا دی [illegible] اور دعا کا لشکر ساتھ کر دیا
[illegible] اور نتیجہ ظاہر تھا کہ

ہجرت ہندوستان | مجکو خاندان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی تفصیلی حالات کا تذکرہ یہاں مقصود نہیں بلکہ ایک مختصر سا بیان زیر نظر ہے جس کو پڑھ کر اس کتاب کے پڑھنے والے دولت آصفیہ کے ممتاز خاندان کے متعلق عام معلومات حاصل کر سکیں۔ یہ خاندان محض علمی حیثیت سے ہی ممتاز نہ تھا۔ بلکہ علم و شمشیر دونوں کا مالک تھا۔

دولت آصفیہ کا مورث اول تاریخی حیثیت سے میں خواجہ عابد المعروف عابد قلیخان کو قرار دیتا ہوں۔ اس لئے کہ خواجہ عابد قلی خاں صاحب ہی ہجرت کرکے عہد شاہجہانی میں ہندوستان آئے۔ خواجہ عابد خواجہ اسمعیل صاحب کے ایک بیٹے تھے۔ تاریخ میں یہی شخص عابد قلی خاں کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی تاریخ ولادت کا صحیح پتہ نہیں ملتا۔ لیکن یہ ثابت ہے کہ وہ اپنے خاندانی علم و فضل میں ممتاز اور مشہور تھے انہوں نے سمرقند کو چھوڑا اور بخارا چلے آئے۔ یہاں کی ترقیات کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ اولاً قاضی مقرر ہوئے۔ پھر شیخ الاسلام کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ لیکن ان کی ترقیات کے لئے بخارا کا میدان تنگ تھا۔ گو پورے طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ کن اسباب کے ماتحت وہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ لیکن جو لوگ اس زمانے کے تاریخی نشیب و فراز سے واقف ہیں اور طوائف الملوکی کے انقلابات کو سمجھتے ہیں وہ آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں کہ خواجہ عابد قلیخان کو باہر سے آکر بخارا میں ایسا اعزاز و اقتدار حاصل کر لینا ان کے بخاری ہمعصروں کے لئے خوش کن نہ تھا۔ اس لئے ان کے خلاف مختلف قسم کی سازشیں اور تحریکیں ہوئیں۔ اور خواجہ عابد قلیخاں نے بھی اپنے لئے میدان ترقی کو تنگ پاکر

لہ ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اور دولت آصفیہ اور اس کے وابستگان نے اس کام کی اہمیت کا احساس کیا تو میں انشاء اللہ خواجہ عابد قلیخان سے لیکر آصف جاہ ششم تک مفصل تذکرہ لکھنا چاہتا ہوں۔ وما باللہ التوفیق۔ (عثمانی)

[illegible]

[illegible]

ہندوستان کا عزم کرلیا

شاہجہانی دربار میں | چنانچہ عہد شاہجہانی کے آخری ایام ۱۶۵۸ء میں خواجہ عابد قلیخان دہلی پہونچے

حاشیہ سلسلہ صفحہ ۳۔ بزرگ اور اولیاء اللہ گزرے ہیں اور جد اعلیٰ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جو مقام ہے وہ تو ظاہر ہی ہے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں آپکا ذکر اولوالفضل کے نام سے فرمایا۔ الغرض خاندان کی سیادت اور شرافت مسلمہ ہے اور اس میں بھی کلام نہیں کہ اس خاندان کو ہمیشہ سے حکومت ظاہری اور باطنی سے حصہ ملتا رہا۔ مختصر طور پر اس خاندان کا شجرۂ نسب یوں سمجھنا چاہیئے۔ اس شجرۂ نسب میں اولاد کیلئے سلسلہ کو دکھایا نہیں گیا صرف ان اکابر گرامی کا اندراج ہے جو تخت نشین ہوئے ہیں

(حضرت ابوبکر صدیق اعظم خلیفہ اول رضی اللہ عنہ)

(بہت سی پشتوں کے سلسلہ ہیں)

(عبدالرحمن شاہ شیخ عزیزان)

(الہ داد شیخ)

(خواجہ عزیزان شیخ عالم)

خواجہ میر بہاءالدین خان سمرقندی

خواجہ عابد شیخ قلیخان (مورث اعلیٰ خاندان سلاطین آصفیہ) ۱۰۹۷ھ

میر شہاب الدین غازی الدین خان فیروز جنگ ۱۱۲۲ھ

میر قمر الدین خان نظام الملک آصف جاہ اول ۱۰۸۲-۱۱۶۱ھ

میر احمد خان ناصر جنگ (۱۱۲۴-۱۱۶۴ھ)

میر محمد خان صلابت جنگ امیر الممالک

میر نظام علیخان نظام الملک آصف جاہ ثانی ۱۱۴۷-۱۲۱۸ھ

میر اکبر علیخان سکندر جاہ آصف جاہ ثالث ۱۲۱۸-۱۲۴۴ھ

میر فرخندہ علیخان ناصر الدولہ آصف جاہ رابع ۱۲۴۴-۱۲۷۳ھ

میر تہنیت علیخان افضل الدولہ آصف جاہ خامس ۱۲۷۳-۱۲۸۵ھ

میر محبوب علیخان آصف جاہ سادس ۱۲۸۵-۱۳۲۹ھ

میر عثمان علیخان آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ و سلطنۃ العالی

میر حمایت علیخان اعظم جاہ ولیعہد بہادر

دولتِ مغلیہ اہلِ علم وفن کی قدردانی اور حوصلہ افزائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ خواجہ عابد قلیچان نہایت عزت واحترام کے ساتھ دربارِ شاہی میں لئے گئے۔ اور پانچہزار روپیہ اور خلعت عطا ہوا شہنشاہ کے ذاتی اسٹاف میں ان کو ایک معزز عہدہ دیا گیا جس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کے علم وفضل دیانت وامانت وفاداری واخلاص کا زبردست اثر قلبِ شاہجہانی پر تھا۔

عہدِ عالمگیری میں عروج | حضرت شاہجہاں کی وفات کے بعد ہندوستان کی سلطنت کا تاج و تخت حضرت عالمگیر اورنگ زیب کے سر وقدم پر نثار ہوا۔ اور خواجہ عابد قلیچان کے کمالات نے اپنی قبولیت اور عروج کی راہ پیدا کرلی۔ عالمگیر اعظم کو بھی خواجہ عابد کے علم وفضل دیانت کیشی اور وفاداری پر اسی طرح اعتماد تھا جس طرح حضرت شاہجہاں کو۔ اس لئے باوجودیکہ انہیں ہندوستان آئے دو ہی سال ہوئے تھے۔ اور یہ دو سال شاہی خاندان میں ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں اور ابتلا کے تھے۔ مگر ان کی قابلیت نمایاں ہوچکی تھی۔ اس لئے ۱۶۶۰ء میں حضرت عالمگیر اعظم کے وزرا میں لے لئے گئے۔ اور چھ ہی سال کے اندر ۱۶۶۶ء میں وہ اجمیر کے صوبہ دار ہوگئے۔

خواجہ عابد کے کمالات میں یہ بات عجیب نظر آتی ہے کہ وہ صرف عالم وفاضل ہی نہ تھے وہ نہ صرف بہترین سپاہی بلکہ کمانڈر بہترین جج اور بہترین گورنر اور بہترین مدبر تھے۔ جو خدمت ان کے سپرد ہوتی وہ اسے نہایت عمدگی سے سرانجام دیتے۔ اور یہی وہ چیز تھی جو ان کی ترقیات کا موجب بنی۔ ۱۶۷۹ء میں وہ ملتان کے گورنر بنا دیئے گئے۔ ملتان کو ان ایام میں بہت بڑی تاریخی حیثیت حاصل تھی۔ چار سال تک انہوں نے اس علاقہ کا انتظام نہایت عمدگی کے ساتھ کیا۔ اور امن و امان قائم رکھا۔

جذبۂ دینداری | خواجہ عابد ان دنیوی مراتب وامتیازات کو حاصل کرکے از خود رفتہ اور مست نہیں ہوئے۔ ان کی تعلیم وتربیت چونکہ ایسے حلقہ اور خاندان میں ہوئی تھی جو اپنی دینداری اور تقدس کے لحاظ سے ممتاز تھا۔ خواجہ صاحب کی مذہبی عملی زندگی میں بھی ان ترقیات کے ساتھ ساتھ ترقی

ہوتی رہی۔ اور ان کے مدِنظر یہی رہا۔

گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی

سولہ۱۶ سال تک دولتِ مغلیہ کی شاندار خدمات کے بعد انہوں نے حج بیت اللہ کا عزم کیا۔ اور ۱۶۷۴ء میں مکہ معظمہ چلے گئے۔ اور مکہ معظمہ کا یہ سفر مبارک جیسے انکی روحانی ترقیات کا موجب ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے مناصب و مراتب میں ترقیات کا دوسرا دور شروع ہو گیا۔ چنانچہ جب حج بیت اللہ سے واپس آئے تو عالمگیر اعظم نے آپ کو

قلیچ خان کا خطاب دیا

ترقیات کا نیا دور اور ورود دکن | اس زمانے میں وہ مختلف فوجی و انتظامی خدمات انجام دے رہے تھے۔ لیکن ۱۶۸۱ء میں شہنشاہ ہند عالمگیر اعظم کے وزیرِ اعظم مقرر ہو گئے اور ۱۶۸۲ء میں شاہزادہ اعظم شاہ کے ساتھ دکن چلے گئے۔ اور یہی دکن ان کا آخری مقام تھا جہاں ان کی ترقیات کا جام لبریز ہو گیا۔ اور ان کے خاندان کی ترقیات کا آغاز ہوا۔ اور ایک عالم فضل میں ممتاز اور عملاً دیندار خاندان مسجد و مدرسے سے نکل کر

سلطنت کی صورت میں نظر آنے لگا

اور دولتِ آصفیہ کی بنیاد رکھی گئی۔

عابد اعظم کے سپوت مجاہد اعظم کے کارنامے | خاندان آصفیہ کی تاریخ کے ابتدائی باب کے ناقص رہ جاتا [illegible] کا احتمال [illegible] اگر [illegible] عابد اعظم کے سپوت مجاہد اعظم کے کارناموں کا مختصر سا

تذکرہ نہ کروں۔ اس لئے کہ دولت آصفیہ کی تعمیر میں باپ اور بیٹے (عابد اور مجاہد) اس طرح مصروف عمل نظر آتے ہیں۔ جیسے وادی غیر ذی زرع میں بیت اللہ بنانے والا معمار ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) باپ تھا۔ اور اسمٰعیل (علیہ السلام) فرزند۔

عابد اعظم جب ہجرت کر کے ہندوستان آیا تو تنہا تھا۔ اہل وعیال سب بخارا میں تھے۔ ۱۶۹۸ء میں جبکہ آپ کامیابی کے منازل جلد جلد طے کر رہے تھے۔ تو خاندان کے لوگوں کو بلا لیا۔ اور اس آنے والے قافلہ میں ممتاز باپ کا جانباز بیٹا جو آخر میں مجاہد اعظم ثابت ہوا۔ اور غازی الدین کے خطاب سے مخاطب ہوا) میر شہاب الدین بھی تھا۔ معتمد علیہ اور ممتاز باپ کا اقتدار بیٹے کی ترقی کے لئے آسان ذریعہ تھا۔ چنانچہ ہندوستان پہنچتے ہی ایک عمدہ عہدہ مل گیا۔ اور وہ آتے ہی اودے پور کے رانا کے خلاف ایک مہم لیکر گئے۔ اور کامیاب واپس ہوئے۔ تو انہیں خان کا خطاب دیا گیا۔ اور منصب میں ترقی پاکر

دربار شاہی میں جگہ پائی

۱۶۸۰ء میں راجپوتوں نے شاہزادہ محمد اکبر کو ورغلا کر بغاوت کرادی اس بغاوت کو فرد کرنے کے لئے جو فوج روانہ کی گئی اس میں میر شہاب الدین خان کو ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی میر شہاب الدین خان کے تدبر اور موقعہ شناسی نے اس مہم کو بھی سر کر لیا شاہزادہ تو ایران بھاگ گیا۔ اور باغی راجپوتوں کو پامال کر دیا گیا۔ اس مہم کے آغاز میں میر شہاب الدین کا چھوٹا بھائی شاہزادہ اکبر کے ساتھ تھا۔ مگر جب میر شہاب الدین خان سرکوبی کے لئے پہنچا۔ تو چھوٹا بھائی بھی بھائی سے آملا۔ اور اس طرح دونوں کی کوششیں متحد ہو گئیں اور کامیابی پر دونوں کی عزت افزائی ہوئی۔

غازی الدین خان بہادر کا خطاب

دو سال کے بعد دکن میں ... نے سر اٹھایا۔ اور انکے مقابلہ میں میر شہاب الدین خان کی نمایاں خدمات کے اعتراف میں بادشاہ نے ان کو

غازی الدین خان بہادر کا خطاب دیا۔ جو برابر تین پشتوں تک خاندان آصفیہ کا خاص خطاب رہا۔ اس کے دو سال بعد ۱۰۸۴ھ میں غازی الدین خان بہادر نے اپنی جرأت و بہادری کا ایک نمونہ اور دکھایا اور سنبھاجی کے ایک قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ اور اس کے صلہ میں فیروز جنگ کا خطاب حاصل کیا۔

بیجاپور کا محاصرہ | اس طرح پر ممتاز باپ کے بہادر اور کامگار بیٹے نے نام پایا۔ اس اثنار میں بیجاپور کے محاصرہ کا واقعہ پیش آگیا۔ غازی الدین خان فیروز جنگ نے اپنے جلیل القدر باپ کے ساتھ نمایاں خدمات سر انجام دیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر غازی الدین خان کی ہمت و تدبیر نہ ہوتی تو بیجاپور کی فتح شکست سے تبدیل ہو جاتی عالمگیر اعظم نے خود ایک مکتوب میں اس کا اعتراف کیا ہے

کہ بیجاپور کی فتح کا سہرا غازی الدین کی قوت بر و امداد کے سر ہے۔

اب جوان ہمت اور جوان بخت نواب غازی الدین خاں ترقی کی منزلیں طے کر رہے تھے اور بہادر جلیل القدر باپ رخت سفر لپیٹ رہے تھے۔

گولکنڈہ کا محاصرہ اور پیغام موت | گول کنڈہ کا محاصرہ شروع تھا۔ اور نواب عابد قلیخان فوج کے ایک دستہ کی کمان کر رہے تھے کہ قلعہ سے ایک گولہ آکر گرا جس سے نواب کا دایاں بازو اڑ گیا زخم نہایت ہولناک تھا۔ جس کی ٹیس نا قابل برداشت تھی۔ مگر عالی ہمت اور ضبط نفس کا بادشاہ جو اپنی موت کے ساتھ سلطنت آصفیہ کی بنیاد رکھ رہا تھا۔ نہایت صبر و حوصلہ کا نمونہ دکھا رہا تھا۔ وہ زخمی ہوا۔ تکلیف شدید تھی۔ مگر آثار سے ظاہر نہ ہونے دیا تاکہ سپاہی بے ہمت نہ ہوں۔ اپنے زخم کو معمولی ظاہر کرتے رہے۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر خیمہ میں چلے آئے۔

بادشاہ کو اس حادثہ کی خبر ہوئی تو سخت صدمہ ہوا۔ اور فوراً عمدۃ الملک اسد خان

کو مزاج پرسی کے لئے بھیجا۔ عمدۃ الملک آئے تو اس وقت جراح ٹوٹے ہوئے بازو
کو جسم سے الگ کر رہے اور ہڈیوں کے ٹکڑے نکال رہے تھے۔ اس زمانہ میں
کلوروفارم کا عمل تو تھا نہیں۔ اور نہ سرجری نے اس حد تک ترقی کی تھی جو آج ہے۔
قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر تکلیف ہو رہی ہو گی۔ مگر اللہ رے ہمت وضبط نفس
کہ درد کا اظہار چہرہ کے آثار یا جسم کے حرکات اور الفاظ سے نہیں ہونے دیا۔ نواب
عمدۃ الملک سے بے تکلف باتیں کرتے رہے۔ اور جراح اپنے کام میں مصروف
رہے۔

لیکن زخم مہلک تھا۔ اور پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا۔ آخری وقت آگیا جبکہ
سلطنت آصفیہ کا مورث اعلیٰ اور بانی

کامگار و بامراد عالم آخرت کو روانہ ہوا

یہ ۱۱۸۷ھ کا واقعہ ہے۔ گول کنڈہ کے قریب ہی سلطنت آصفیہ
کا بانی سپرد خاک ہوا۔ اس نے گویا اپنی موت سے مہر لگا دی کہ آئندہ

دکن کی سرزمین کی حکومت میری اولاد کی ہے

اس معرکہ گول کنڈہ میں غازی الدین خان فیروز جنگ کو بھی چشم زخم پہنچا
اور وہ زخمی ہو گئے۔ عالمگیر اعظم کو اس کا بھی بہت صدمہ ہوا پہلے تو انہوں نے
خود ارادہ کیا کہ بہ نفس نفیس اپنے کمانڈر کی مزاج پرسی کروں۔ مگر بعد میں دل
نے برداشت نہ کیا کہ زخمی حالت میں جاکر دیکھوں مگر سعادت خان کو بھیجا
کہ جاکر عیادت کرے اور کہلا بھیجا کہ اس وقت ہم کو دل سے حسرت انکو ملتے ہیں
اور اطبا نے آپ کے لئے انکو کوشش کیا ہے۔ آپ اچھے ہو جائیں تو اٹھ بیٹھ کر

کھائیں گے۔ یہ کمال محبت و عنایت کا اظہار تھا۔ نواب غازی الدین خان فیروز جنگ اچھے ہو گئے۔ مگر واجب الاحترام باپ زخموں سے جانبر نہ ہو سکے۔ عالمگیر اعظم نے باپ کے امتیازات و مناصب جلیل القدر بیٹے کو عطا فرمائے۔ اور سلطنت مغلیہ کا سب سے بڑا منصب ہفت ہزاری بھی عطا فرمایا۔

نواب عابد قلیخان کے سیر و اخلاق | میں شروع میں بیان کر چکا ہوں کہ نواب عابد قلیخان بہت بڑے جلیل الشان عالم تھے۔ نرے عالم ہی نہیں باعمل شب زندہ دار اور متقی بزرگ تھے۔ ہر وہ ملّا اور صوفی نہ تھے۔ بہت بڑے سپاہی تھے۔ مہمات ملک داری میں ایک مدبر اعظم تھے۔ یہی وہ شخص تھا جو ہندوستان میں آیا۔ اور اس نے دکن کی سرزمین میں کارہائے نمایاں کر کے بالآخر

اپنی موت سے خاندان آصفیہ کے عروج کا سنگ بنیاد رکھدیا

میر شہاب الدین فیروز جنگ کی سرگرمیاں | میر شہاب الدین فیروز جنگ اپنے بہادر اور جلیل القدر باپ کی وفات کے بعد تمام اعزازات و امتیازات پدری کے وارث ہو کر دکن میں دولت مغلیہ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۶۹۵ء ایک شریر مرہٹے سنتا نام کا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں بھیجدیا۔ یہ شریر اور ظالم باغی رعایا کے لئے ایک عذاب ہو رہا تھا۔ ہر طرف لوٹ مار کا بازار اس نے گرم کر رکھا تھا۔ بادشاہ فیروز جنگ کے اس کارنامہ سے اس لئے خوش ہوا کہ رعایا کو اس کی جفاکاریوں سے نجات ہوئی۔

ملکی خدمت کا جوش | نواب غازی الدین خان آرام طلب اور تعیش پسند انسان نہیں تھا بلکہ جو کچھ اُسے بادشاہ کی طرف سے عنایت ہوتا اُسے شاہی اور ملکی خدمت میں صرف کر دیتا۔ اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کی فوج ہمیشہ آپ سے خوش رہتی۔ اور اس طرح یہ

پر وہ اپنے سازو سامان اور عام ضبط کے لحاظ سے بہترین فوج تھی۔ اس کا انتظام اور سازو سامان کی درستی ایسی تھی کہ سنہ ۱۷۰۱ء میں جب غازی الدین خان کی افواج عساکر شاہی سے ملیں۔ اور عالمگیر اعظم نے معائنہ کیا تو بہت خوش ہوئے اور شہزادہ بیدار بخت کو لکھا کہ اگرچہ تمہیں فیروز جنگ سے دگنی تنخواہ ملتی ہے مگر فیروز جنگ کی فوج تمہاری فوج سے تعداد میں بھی زیادہ ہے۔ اور سازو سامان میں بھی بہت اعلیٰ ہے۔

عالمگیر اعظم کی وفات شہزادگان کا مقابلہ اور صوبہ داری گجرات

غرض نواب غازی الدین خان پورے اخلاص اور جوش کے ساتھ شاہی خدمات سرانجام دیتے رہے سنہ ۱۷۰۵ء میں وہ صوبہ دار برار مقرر ہوئے اور نواب صاحب عالمگیر اعظم کے انتقال تک اسی خدمت پر رہے اور ایلچ پور میں مقیم تھے۔ عالمگیر اعظم کی وفات کے بعد شہزادگان میں تخت نشینی کے لئے جھگڑا ہوا۔

شہزادہ اعظم اور معظم کا مقابلہ سخت تھا۔ غازی الدین خان بہادر اپنے فرزند سمیت برہان پور جا کر اعظم سے مل گئے۔ لیکن آخر کسی بات پر ناراض ہو کر چلے آئے۔ اور اورنگ آباد قیام کیا اور تخت نشینی کی جنگ میں کسی شاہزادے کا ساتھ نہ دیا۔ قدرت نے شہزادہ معظم کے حق میں فیصلہ کیا اور کامیاب ہو کر بہادر شاہ کے نام سے تخت نشین ہوئے۔ اور انھوں نے سنہ ۱۷۰۸ء میں غازی الدین خان بہادر کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اور نواب غازی الدین خان فیروز جنگ دکن سے گجرات چلے گئے۔ اور آخری وقت تک اسی خدمت پر رہے۔

وفات اور شمائل و اخلاق

سنہ ۱۷۱۰ء میں آپ احمد آباد میں مقیم تھے کہ پیام اجل آگیا چونکہ آپ نے وصیت کی تھی کہ مجھے دہلی دفن کیا جائے جہاں آپ نے اجمیری دروازہ کے قریب اپنی زندگی میں ایک مقبرہ تیار کرا لیا تھا۔ اس لئے لاش دہلی پہنچائی گئی۔ اور اسی مقبرہ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا نواب صاحب کی شخصیت اپنے کمالات کے لحاظ سے ایک ممتاز ہستی تھی۔ اس کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عالمگیر اعظم جیسا جلیل القدر اور بلند نظر بادشاہ ان سے محبت رکھتا تھا۔ اور ان کی ذات پر انہیں بے حد اعتماد تھا۔ نواب فیروز جنگ کی

بہادری سپاہیانہ جرأت اور دلیری تو ضرب المثل تھی۔ مگر اس ہمت و شجاعت کے ساتھ وہ بڑے منتظم۔ مدبر اور معاملہ فہم بھی تھے۔ وہ کسی مہم پر نہیں گئے جہاں فتح و ظفر نے ان کی رکاب نہ چومی ہو۔ بادشاہ کو ان پر اعتماد تھا کہ ہر نازک مہم کو انہی کے سپرد کیا جاتا تھا۔

عالمگیر اعظم کے عہد کا بہت بڑا کرٹک مورخ خافی خان لکھتا ہے کہ

"امارت و مناصب کی بلند ترین چوٹیوں پر پہنچکر بھی نواب فیروز جنگ کی خوش اخلاقی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کوئی شخص بھی ہو جس سے آپ بات کرتے اتنی نرمی اور محبت سے کرتے تھے کہ وہ حیران رہ جاتا تھا"

خافی خان جیسے کرٹک کی رائے کے بعد ان کے اخلاق و شمائل پر مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں بہادر اور جانباز باپ کا بہادر اور سرفراز بیٹا احمد آباد میں فوت ہو کر دہلی دفن ہو گیا اپنے پیچھے ایک ایسی یادگار چھوڑ گیا جس نے اس سرزمین میں جہاں باپ دادا کا خون گرا تھا ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھدی۔

نواب قمر الدین خان بہادر آصف جاہ اول | نواب فیروز جنگ بہادر جو ابتداءً صرف شہاب الدین تھے۔ ہندوستان آئے اور ان کی قابلیتوں کا ظہور ہونے لگا تو ۱۶۷۱ء کے آغاز میں نواب سعد اللہ خان بہادر مشہور وزیر اعظم شاہ جہاں نے اپنی صاحبزادی سے ان کی شادی کردی نواب سعد اللہ جیسے مدبر اعظم کا انتخاب معمولی چیز نہیں۔ اسی سے میر شہاب الدین کے کمالات کا پتہ چلتا ہے اور سعد اللہ خان جیسے مدبر نے دیکھ لیا تھا کہ یہ غیر معمولی قابلیت کا انسان بہت بڑی عزت و اقبال کا مالک ہوگا۔ آغاز ۱۶۷۱ء میں شادی ہوئی اور خدا تعالے کے فضل و کرم سے اسی سال کے آخر میں نواب سعد اللہ خان کی صاحبزادی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام قمر الدین رکھا گیا یہی وہ قمر الدین تھا جو تاریخ میں آصف جاہ اول کے

لہ ۔ علامی سعد اللہ خان وزیر اعظم کے علم و فضل اور تدبر کا سکہ اپنے عہد میں چلتا تھا اور آج بھی اس کا
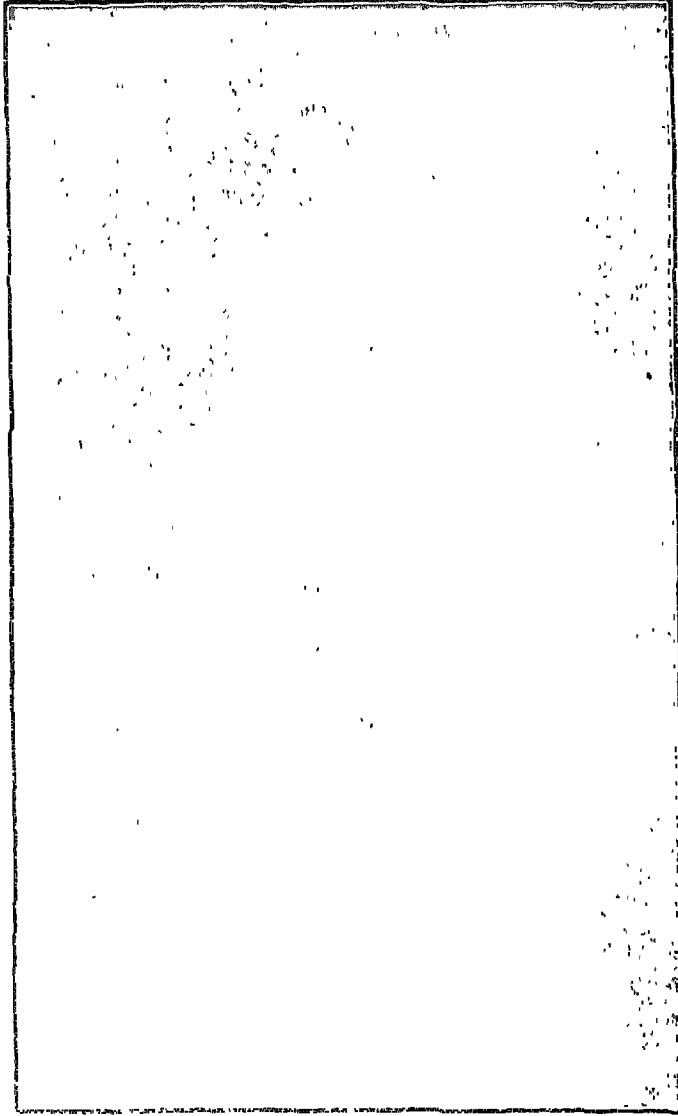
حضرت آصف جاہ اول
"مغفرت مآب"

نام سے مشہور ہوا۔ اور جس نے دولت آصفیہ کی بنیاد دکن کی اس سرزمین میں رکھدی۔ جہاں باپ دادا نے جوہر شجاعت دکھائے تھے۔ وہ دولت آصفیہ جس کی بنیاد قمرالدین خان نے رکھی تھی آج انہیں بنیادوں پر

میر عثمان علی خان بالقابہ[1] ایک عالیشان قصر تعمیر کر دیا ہے

اور اسی فرخندہ فال با اقبال سلطان کے سوانح و سیرۃ کا تذکرہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲ پایہ بہت بلند ہے علامی موصوف نے اپنی بیٹی سعید النساء بیگم صاحبہ کی شادی فیروز جنگ کے کرنے میں اپنا فخر اور سعادت یقین کی تھی۔ اور واقعات نے بتایا کہ اسکی دوربین نگاہ نے دور کی سلطنت کو دیکھا تھا۔ اسی سعید النساء بیگم کے بطن سے ۱۴ ربیع الآخر ۱۰۸۲ھ کو وہ نامور بیٹا پیدا ہوا جو بعد میں

نظام الملک آصف جاہ کے نام سے موسوم ہوا۔

---

[1] خاندان آصفیہ کے سلاطین کے نام کے ساتھ میر کا لفظ جو لگایا گیا ہے اسکی وجہ بعض لوگوں نے تو یہ بیان کی ہے کہ یہ ترکی لفظ ہے اور افسر اور سردار کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے جیسے میر لشکر میر سامان وغیرہ۔ اور بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ امیر کا مخفف ہے جو عربی کا اسم فاعل اور امارت بمعنی حکومت سے مشتق ہے خواہ اس لفظ کی اصلیت اور حقیقت کچھ بھی ہو لیکن یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ حکومت اور سرداری اس خاندان کا ہمیشہ طرۂ امتیاز رہا ہے۔ شروع میں اس خاندان کے بزرگوں کے نام خواجہ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اس سے بھی خاندان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ یہ لفظ ترکی زبان میں مالک اور خداوند کے معنوں میں آتا ہے اور علی العموم [illegible] ہے چونکہ خاندان میں بزرگان [illegible] ہوتے تھے اس لئے اظہار عقیدت کے لئے خواجہ کا لفظ [illegible] آتا تھا [illegible]

دوسرا باب

دولت آصفیہ کی تاسیس و توسیع

سلطنت تیموریہ کا عہد حکومت تاریخ ہند کا ایک پرشوکت و اقبال عہد ہے اس سہ صد سالہ عہد حکومت کی تاریخ میں جن نامور انسانوں کا ذکر آتا ہے ان میں نظام الملک آصف جاہ اوّل کا ذکر گو سلطنت کے عہد آخر میں آتا ہے۔ مگر اپنے کارناموں کے لحاظ سے یہ بطل عظیم اس قابل ہے کہ دولت تیموریہ کے نامور سالاروں اور مدبّروں کی فہرست میں اس کا نام سب سے اوپر سنہری حروف میں لکھا جائے اسلئے کہ یہی وہ جلیل القدر مدبر اور سپاہی ہے جس نے

دولت مغلیہ کے کھنڈرات پر اتنی کنگدم کی بنیاد رکھی

اور اس طرح پر اپنی ہمت و تدبّر سے سلطنت مغلیہ کے آثار کی ایک یادگار چھوڑنے کا موجب ہوا۔ دوسرے فوجی سپہ سالار اور ملکی مدبّر اور صیغہ معارف کے نامور محقق حکومت مغلیہ کے ساتھ ہی ختم ہو گئے صرف تاریخ میں ان کا تذکرہ رہ گیا۔ اور لوگ اسے

بیان درد سے گذری ہوئی اگلی کہانی ہے

کہکر پڑھ جاتے ہیں اور یہ بھی صرف وہ جو تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ورنہ وہ

سب عظیم الشان ہستیاں جس طرح پر زمین کے نیچے دفن ہیں ان کے تذکرے بھی تاریخ و سیر کی کتابوں میں منتشر اور دفن ہیں۔ مگر نظام الملک آصف جاہ اوّل کی بنا کردہ آصفی کنگڈم نہایت شان و شوکت کے ساتھ قائم ہے (اللہ تعالیٰ اس کو تا ابد قائم رکھے آمین) اس لئے اس کا نام تاریخوں اور تذکروں میں ہی نہیں بلکہ ہر عہد میں ہر آصف جاہ اس کی زندہ نشانی اور پُر شکوہ یادگار ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دولت مغلیہ کے آخری دور میں آصف جاہ اوّل اتنا عظیم الشان انسان تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے کارنامے حیرت انگیز ہیں۔ اس آخری دور میں وہ سلطنت مغلیہ کی بقاء و استحکام کے لئے بے حد مصروف نظر آتا ہے۔

اگر اس قابلیت کا انسان دولت تیموریہ کے عہد شباب میں پیدا ہوتا تو معلوم نہیں اسے کہاں سے کہاں تک پھیلا دیتا۔ مگر اسے وہ زمانہ ملا جب کہ دولت تیموریہ کے قصر حکومت میں زلزلہ آچکا تھا۔ اس کے ستون یکے بعد دیگرے گرتے جارہے تھے۔ یہ ہمت و وفا کا مجسمہ تنہا گورگانی خاندان کے قصرِ حکومت کی گرتی ہوئی دیواروں کے سنبھالنے میں مصروف ہے تنہا اس لئے کہا گیا کہ اس عہد آخر کی تاریخ کے منتشر اجزا سے یہ حقیقت نمایاں ہے کہ اس وقت اندرونی سازشوں کا بازار گرم تھا۔ اور نہ صرف عمائد و امرائے دولت جو اس امانت تیموریہ کے محافظ تھے۔ بلکہ خود اس کے وارث اس کی بربادی میں ایک یا دوسرے رنگ میں مصروف تھے۔ ان حالات میں ایک مرد وحید کی کوششیں کیا کرسکتی تھیں۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ میری نصف صدی کی مساعی اس قصر حکومت کو آنے والے طوفان سے محفوظ نہیں رکھ سکتی ہیں اور مشیت ایزدی کچھ اور ہی دکھانا چاہتی ہے تو اس نے اتنا کیا کہ اس حکومت تیموریہ کے آثار کو دولت آصفیہ کی صورت میں قائم رکھنے کا انتظام کیا۔ اس کے خیال میں دولت تیموریہ ہی کی بقاء و استحکام تھا۔ وہ آخری وقت تک اس کا وفادار اور اس کی ترقی و بقاء کا خواہشمند تھا۔ مگر مشیت ایزدی گورگانی حکومت کا خاتمہ کر چکی تھی۔ آخر یہ چراغ گل ہو گیا۔

اس دور آخر میں آصف جاہ اول نے ہندوستان کے جنوبی گوشہ کی حفاظت کو مقدم سمجھا۔

آصف جاہ اول کا تذکرہ | آصف جاہ اول کا تذکرہ بجائے خود ایک مبسوط اور جامع تصنیف کا مقتضی ہے۔ اور مختلف لوگوں نے اس رجل عظیم کے حالات زندگی لکھے ہیں میں یہاں بہت مختصر تذکرہ محض اس لئے کرنا چاہتا ہوں تاکہ دولت آصفیہ عثمانیہ کی تاریخ کا سلسلہ قائم رہے ورنہ اس تالیف کا مقصد آصف جاہ ہفتم خلد اللہ ملکہ کے سوانح حیات اور سیرۃ کا تذکرہ لکھنا ہے۔

آصف جاہ اول کی فطرت اور شان کے بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں۔ وہ ایک ہی وقت میں بہت بڑا عالم اور وسیع النظر فاضل تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک شب زندہ دار اور عبادت گذار زاہد تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں خنجر و تلوار تھی۔ اور وہ ایک جری۔ بہادر سپہ سالار اور کشور کشا جرنیل تھا۔ ساتھ ہی بہت بڑا مدبر اور سیاست دان طبیعت رسا متانت اور معقولیت سے حصہ وافر رکھتا تھا۔ غرض وہ ایک مجموعہ کمالات تھا۔

مختصر حالات | میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ آصف جاہ اول جن کا اصل نام میر قمر الدین خان تھا شاہجہان اعظم کے وزیر سعد اللہ خاں کی بیٹی کے بطن سے ١٦٧١ء میں پیدا ہوئے ان ایام میں میر قمر الدین خاں کے رفیع الشان باپ اور دادا کا ستارہ اوج پر تھا۔ شوکت و اقبال ان کے گھر کے غلام تھے۔ یہ خاندان تقویٰ اور طہارت اور علم و فضل میں تو صدیوں سے مشہور اور ممتاز تھا اور حکومت و امارت کے بھی متعدد عہدے اس خاندان میں گذرے تھے۔

میر قمر الدین جب پیدا ہوئے تو کچھ شک نہیں کہ چاندی نہیں سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئے خاندانی امارت اور زہد و تقویٰ کے ساتھ آپ کے والد محترم نواب فیروز جنگ بہادر نے اپنی جرأت و شجاعت اور فن سپہ گری کے کمال سے اس پر چار چاند لگا دئے تھے۔ ادھر ماں کی طرف سے خاندان کی اچھی شہرت و شوکت تو وہ تھی جو ہندوستان کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ ان حالات میں میر قمر الدین خاں پیدا ہوئے پلے بڑھے اور جوان ہوگئے۔

عالمگیر اعظم کی توجہ | عالمگیر اعظم کو میر قمر الدین خان کے رفیع المنزلت باپ اور دادا کے ساتھ بہت محبت و اخلاص تھا۔ وہ ان کی ذات پر ایسا ہی اعتماد رکھتا تھا جیسا خود اپنے نفس پر، اور اسی سلسلہ میں میر قمر الدین خان کو بھی بہت پیار کرتا تھا۔ حضرت عالمگیر اعظم کی مومنانہ فراست، اور شاہی فکر میر قمر الدین خاں کے چہرہ پر آثار عظمت کو نمایاں دیکھتا تھا۔

بالائے سرش زہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

وہ فرماتے کہ یہ بچہ کسی روز اپنے زمانہ میں بہت بڑا آدمی ہوگا۔ اور آخر یہی ہوا۔

پہلا خطاب | حضرت عالمگیر اعظم نے اس جوان بخت اور خوش اقبال نوجوان کو ۱۶۹۰ء میں جب کہ اس کی عمر انیس ۱۹ سال کی تھی چین[1] قلیچ خان کا جدی خطاب عطا فرمایا۔

ترقیات کا سلسلہ اور خدمات شاہی کا صلہ | چین قلیچ خاں (قمر الدین خاں) اپنی شجاعت و سپہ گری میں تو ممتاز تھے ہی۔ ان کی وفاداری اور اخلاص پر بھی حضرت عالمگیر کو بہت بڑا اعتماد تھا۔ ۱۶۹۷ء میں ناگپور میں باغیوں نے سر اٹھایا اس بغاوت کو فرو کرنے اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے چین قلیچ خاں کے نام قرعہ پڑا۔ خان صاحب موصوف نے اس خوبی اور عمدگی سے اس مہم کو سر کیا کہ ان کی شجاعت کے ساتھ ان کے تدبر کا بھی اعتراف کیا گیا۔ اور حضرت عالمگیر اعظم نے بیحد خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۰۱ء میں وہ کرناٹک کے فوجدار مقرر کر دیے گئے اور ۱۷۰۳ء میں بیجاپور کے علاقہ کی صوبہ داری عطا ہوئی۔

قلعہ بیدر کی تسخیر | ۱۷۰۴ء میں حضرت عالمگیر اعظم نے انہیں قلعہ بیدر کی تسخیر کے لئے مامور فرمایا انہوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے شدید مقابلہ کیا۔ قلعہ کی تسخیر آسان نہ تھی لیکن اس فرزانۂ دہر نے ایک ایسی پہاڑی پر قبضہ کر لیا کہ اس کے بعد محصورین کے لئے مدافعت

---

[1] "چین" ترکی زبان میں چھوٹے کو کہتے ہیں اور قلیچ کے معنی تلوار کے ہیں۔ عالمگیر نے میر شہاب الدین والد قلیچ خان کو شمشیر خان کا خطاب دیا تھا اس لئے پوتے کو اس اعزاز کو مدنظر رکھتے ہوئے چین قلیچ خان یعنی چھوٹے شمشیر خان کا خطاب دیا۔ (۱ [illegible])

اور مقابلہ آسان نہ تھا۔ چنانچہ قلعہ مسخر ہو گیا۔ مگر اس حملہ میں چین قلیچ خاں (قمر الدین خان) کا محبوب گھوڑا مارا گیا۔ جس پر وہ اس حملہ کے وقت سوار تھے۔ حضرت عالمگیر اعظم نے یہ معلوم کر کے کہ انہیں اس خاص گھوڑے کے مارے جانیکا خیال ہے ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا عنایت کیا جس کی زین جواہرات سے مرصع تھی۔ اور ایک مرصع تلوار بھی عنایت کی۔ اور خان صاحب کو

پنجہزاری منصب عطا فرمایا

خصوصی شاہانہ توجہات | یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کو چین قلیچ خان کی صورت میں ایک ہونے والے بادشاہ کا پیکر نظر آتا تھا وہ ان کے کارناموں سے از بس محظوظ ہوتے تھے اور انکی اعزازی ترقیات سے حضرت کو خوشی ہوتی لیکن جو مخلصانہ تعلق اور محبت حضرت عالمگیر کو چین قلیچ خاں سے تھی اس کا اندازہ ان خطابات اور درجات کی رفعت سے نہیں بلکہ دوسرے حالات سے ہوتا ہے۔ عالمگیر اعظم کی دوربین آنکھ دیکھتی تھی کہ اسکی آنکھ بند ہوتے ہی کیا ہونے والا ہے سلطنت کی حفاظت کے لئے اس نے سوچا کہ اگر چین قلیچ خاں سے رشتہ داری کے تعلقات قائم ہو جائیں تو زیادہ مفید اور موثر ہوگا اس مقصد کیلئے انہوں نے شہزادہ کام بخش کی صاحبزادی سے چین قلیچ خاں کو منسوب کرنے کا انتظام کیا اور اپنے ایک نہایت ہی معتمد علیہ خواجہ اختیار خاں کے ذریعہ پیغام بھیجا مگر چین قلیچ خان اپنی دور اندیشی سے کچھ اور رنگ دیکھ رہا تھا اور بقول شخصے

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں ؎ محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

اسلئے نہایت ادب سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ خیالی نہیں حقیقت کا مظہر ہے۔ اور مورخین نے لکھا ہے اس سے میں جس نتیجہ پر آتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کی نظر میں خاندان آصفی کی وہ عزت اور مقام تھا کہ

مغل اعظم کا خاندان اس کی مصاہرت کو پسند کرتا تھا

نیز حضرت عالمگیر اعظم یہ یقین کرتے تھے کہ چین قلیچ خان کا تدبر اور بہادری سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل نہونے دیگی اگر یہ رشتہ مصاہرت قائم رہیگا۔ کچھ شک نہیں کہ اس تجویز پر غور کرتے ہوئے حضرت عالمگیر اعظم کی سیاست دانی اور دوربینی کی داد بے اختیار دینی پڑتی ہے۔ لیکن چین قلیچ خان کی فراست اس معاملہ میں ان سے بڑھ جاتی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ شہزادہ کام بخش کس عقل و خرد کا انسان ہے وہ دربار کی سازشوں سے بھی غافل نہ تھے اور وہ اس فتنہ کو جو عالمگیر اعظم کے بعد پیدا ہونے والا تھا دیکھ رہے تھے اسلئے اُنہوں نے ایسے مستحسن پیرایہ سے اپنے آپ کو بچالیا اور سچ تو یہ ہے کہ

یہ قدرت ہی کی ایک کرشمہ سازی تھی

ازل میں دکن کی حکومت کا سہرا آ۔ا انہیں کو تجویز کر دیا تھا اسلئے وہ کسی ایسے سلک میں منسلک نہ ہوئے جو انہیں کسی اور راستہ پر لے جانے کا محرک ہوگا۔
غرض چین قلیچ خان حضرت عالمگیر اعظم کے عائد خصوصی میں بھی ایک امتیاز اور شرف رکھتے تھے یہ بھی عجیب بات ہے کہ خود عالمگیر اعظم ہی نے آپ کا نام

میر قمر الدین رکھا تھا

اور اس نام میں ایک کمال کے لئے تفاول موجود تھا۔ اس عہد عالمگیری میں یہہ دستور تھا کہ جب امرائے عالمگیری میں سے کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا تو وہ نذر پیش کرتا اور بادشاہ لڑکے کا نام تجویز کرتا چنانچہ اسی آئین و دستور کے موافق فیروز جنگ نے جب نذر پیش کی تو حضرت عالمگیر اعظم نے اس مولود مسعود کا نام میر قمر الدین رکھدیا جو آگے چلکر اسم بامسمیٰ ثابت ہوا۔

حضرت عالمگیر اعظم کا انتقال | چین قلیچ خان (قمر الدین خاں) یوماً فیوماً شہنشاہ کی عنایات کے

مور رہے تھے۔ اور ان کی قابلیتوں کے جوہر نمایاں ہو رہے تھے۔ کہ ۱۷۰۷ء میں حضرت عالمگیر اعظم کا احمد نگر میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عالمگیر اعظم کی وفات معمولی صدمہ نہ تھی۔ اسلامی ہندوستان کی تاریخ میں یہ دن "موت العالم" کا دن کہنا چاہئے۔ جنازہ اورنگ آباد لایا گیا۔ اور چین قلیچ خاں اپنے محبوب بادشاہ اور قدر دان آقا کی میت کے ساتھ اورنگ آباد آئے۔ اور سلطنت تیموریہ کے اس عظیم الشان اور جلیل القدر سلطان کو خلد آباد کی مٹی میں اپنے ہاتھ سے دفن کر دیا (نور اللہ مرقدہٗ)۔

فتنہ کا آغاز اور اعظم جاہ کی کامیابی | عالمگیر اعظم کی آنکھ بند ہوتے ہی فتنہ کا دروازہ کھل گیا اور چین قلیچ خاں اور آپ کے والد ماجد فیروز جنگ کی وفاداری اور اخلاص کے امتحان کا نیا مرحلہ پیش آیا۔ عالمگیر اعظم کے دو بیٹوں شہزادہ اعظم جاہ اور معظم جاہ میں تخت نشینی کے لئے جنگ شروع ہو گئی ایسے موقع پر کسی ایک کا ساتھ دینا اور دوسرے کا مقابلہ کرنا بظاہر اپنی جان سے کھیلنا تھا۔ مگر ان مخلص و مدبّر باپ بیٹوں نے اعظم جاہ کی رفاقت کا فیصلہ کر لیا۔ اور اسی کو حق سمجھا اور نہایت وفاداری اور جاں نثاری سے ساتھ دیا۔ آخر اعظم جاہ کامیاب ہو گئے اعظم جاہ نے چین قلیچ خاں کی خدمات کا اعتراف اس طرح پر کیا کہ ان کا منصب شش ہزاری کر دیا۔ اور خانِ دوران کا خطاب دے کر برہان پور کی صوبہ داری عطا کی۔

علیحدگی | مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد کسی وجہ سے باپ بیٹا دونوں ناراض ہو گئے۔ اور پھر وہی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ انہوں نے کسی ایک کا بھی ساتھ دینا مناسب نہ سمجھا۔ آگرہ کے قریب دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی اور تقدیر نے اعظم جاہ کی حکومت کا اس کی موت کے ساتھ خاتمہ کر کے معظم جاہ کو شہنشاہ بنا دیا۔ اور وہ بہادر شاہ کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

بہادر شاہ کی قدر شناسی | بہادر شاہ چین قلیچ خاں کی وفاداری اس کی شجاعت فرزانگی اور اخلاص کو جانتا تھا۔ باوجودیکہ اوائل جنگ میں انہوں نے اعظم جاہ کا ساتھ

دیا تھا۔ لیکن بہادر شاہ انہیں غدار نہیں سمجھتا تھا۔ اور یہ یقین کرتا تھا کہ وہ حق کے مؤید ہو کر مخالفت کر رہے ہیں۔ اور بعد کی جنگ میں انکا شریک نہ ہونا بھی اخلاص پر مبنی تھا ورنہ جب اعظم جاہ سے ناراض ہو کر اس سے علیحدہ ہوئے تھے۔ تو جوڑ توڑ کر کے معظم جاہ کے پاس جاتے نہیں وہ علیحدہ رہے۔ اب قدرت نے خود معظم جاہ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ تو معظم جاہ نے بہادر شاہ ہو کر بہادروں کا سا معاملہ چین قلیچ خاں بہادر سے کیا۔ ان کے خطابات کو قائم رکھا۔ اور اودھ کی صوبہ داری اور لکھنؤ کی فوجداری عطا کر دی۔

پھر علیحدگی اور گوشہ نشینی | قلیچ خاں نے عالمگیر اعظم کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ ان کی قابلیتوں کا اس سے بڑھ کر کوئی قدر شناس نہ تھا۔ بہادر شاہ کے عہد حکومت میں حکومت کی اس شان میں جو عہد عالمگیر میں تھی فرق آچکا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر قلیچ خاں (خان دوراں قمر الدین) کی طبیعت پر بہت بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے تمام حالات پر تدبر سے نظر کی، اور حالات کی وقتی رو کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ نہ تو مناصب ہی قائم رہ سکتے ہیں، اور نہ اطمینانِ خاطر اور نہ صحیح طریق پر خدمت ہی ہو سکتی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ امور مملکات میں حصّہ لینے سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ اس فیصلہ کیساتھ بہ طیب خاطر سب کچھ چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے کہ گویا کبھی کسی قسم کی دلچسپی ہی نہ تھی۔

علماء و فضلا کی صحبت رہتی۔ علمی مذاکرے ہوتے مطالعہ کتب کی خوشگوار مصروفیت تھی۔ اور یا زندگی کا بیشتر حصّہ عبادت و شب بیداری میں گذرتا، یہ حالت بہادر شاہ کے بقیہ ایام حکومت تک رہی اسی طرز عمل پر آپ کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ سیاسی جھگڑوں سے علیحدہ ہو کر خدا تعالےٰ کی عبادت میں رات دن گذرتے تھے کہ ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ کا انتقال ہو گیا اور پھر تیموری سلطنت میں ایک عہد انقلاب آیا۔ اور

جہاندار شاہ کا عہد حکومت اور اس کی موت | جہاندار شاہ تخت نشین ہو گیا چین قلیچ خاں کے لئے اس قسم کے انقلابات میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اب امور سلطنت سے الگ ہو کر زاویہ نشین اور بوریہ نشین شب زندہ دار عابد تھے۔ مگر جہاندار شاہ نے انہیں مجبور کیا۔

اور اس کنج عافیت سے نکال کر میدانِ سیاست میں لا کھڑا کیا۔ چین قلیچ خاں دوبارہ میدان سیاست میں آنے سے خوش نہ تھے۔ مگر "حکم حاکم مرگ مفاجات" سمجھتے ہوئے وہ مجبور تھے اور جہاندار شاہ کا طرزِ عمل ایسا تھا کہ وہ ادنیٰ درجہ کے بازاری آدمیوں کے اعزاز میں منہمک تھے اور خواص اور ممتاز عہدہ دار اس طریق عمل سے بیزار تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ سفلہ نوازی کوئی نہ کوئی رنگ ضرور لائیگی۔ آخر وہی ہوا۔

فرخ سیر نے حملہ کیا اور آگرہ کے میدان میں جہاں اعظم جاہ اور معظم جاہ کے درمیان موت نے معظم جاہ کے سر پر تاج نثار کر دیا تھا جہاندار شاہ میدان میں مارا گیا اور فرخ سیر بادشاہ ہوگیا۔

انقلابی دور اور فرخ سیر کا عہد حقیقت میں خاندان تیموریہ کی جلیل الشان حکومت اب دم توڑ رہی تھی۔ انقلاب اب اس قدر جلد جلد ہو رہے تھے کہ کوئی نہ کہہ سکتا تھا۔ کہ شام تک کیا ہو جائیگا۔ اس وقت سید عبداللہ اور سید حسین علیخاں کے پو بارہ تھے یہ بادشاہ گر کہلاتے تھے۔ اور سیاہ و سفید کے مالک تھے فرخ سیر برائے نام بادشاہ تھا۔ اصل حکومت بادشاہ گر بھائیوں کی تھی اور یہ دولت تیموریہ کے آخری ایام تھے۔

آگرہ کی جنگ میں چین قلیچ خاں عساکر شاہی کے میمنہ کے کمانڈر تھے۔ فرخ سیر نے فتح حاصل کر کے بادشاہت کے اعلان کے بعد

نظام الملک کا خطاب اور دکن کی صوبہ داری کا فرمان چین قلیچ خاں کو نظام الملک کا خطاب عطا کیا اور دکن کا صوبہ دار اور کرناٹک کا فوجدار مقرر کر کے دکن بھیج دیا۔ بادشاہ گر بھائیوں نے بھی یہ غنیمت سمجھا وہ جانتے تھے کہ چین قلیچ خاں کی شجاعت و تدبر ان کی طاقت کو خاک میں ملا دیگا۔ اس لئے اس تجویز کی انہوں نے مخالفت نہیں کی بلکہ خوشی سے تائید کی اور چین قلیچ خاں کا اس طرح نظام الملک کے خطاب سے مخاطب ہو کر دکن آنا

دکن میں سلطنت آصفیہ کا پیش خیمہ تھا

پھر مراد آباد کی واپسی نظام الملک چین قلیچ خاں (میر قمر الدین خاں) جب دکن میں پہنچے تو حالت نہایت زبون اور ابتر تھی۔ مرہٹوں نے اپنی چیرہ دستیوں سے ایک ہنگامہ بپا کر رکھا تھا۔ اور ہر مقام پر بدنظمی اور جور و جفا کی حکومت تھی۔ اس قسم کی بدنظمیاں نظام الملک جیسے مدبر اور فرزانہ کے لئے عملی قوتوں کے نشو و نما میں مہمیز کا کام دیتی تھیں انہوں نے اپنی حسن تدبیر سے ایک ہی سال کے اندر انتظامات کو درست کر دیا۔ اور بدنظمی کی جگہ حسن انتظام نے لے لی۔ بادشاہ گر سیّدوں کو یہ کامیابی پسند نہ آئی۔

دراصل دکن تو انہوں نے اس لئے تجویز کیا تھا کہ وہاں کے فتنہ و فساد اور مرہٹوں کی سرگرمیاں انہیں ختم کر دینگی۔ مگر قدرت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ نظام الملک آئندہ دولتِ آصفیہ کا بانی ہوگا۔ اس لئے اس کو دکن کے انتظام میں کامیابی ہوئی۔ ابھی انہیں دکن آئے ہوئے ایک ہی سال ہوا تھا۔ اور فتنہ و فساد سے اس ارض مقدسہ کو پاک کر کے وہ مزید اصطلاحات کی فکر میں تھے کہ شاہی فرمان واپسی کے لئے پہنچا اور دکن کی بجائے مراد آباد کی صوبہ داری آپ کو تفویض ہوئی۔

نظام الملک تو ایک قوت تھا اور خوش نظمی اور کامیابی اس کی رفیق راہ تین چار سال تک وہ برابر مراد آباد میں امن و کامیابی کے ساتھ صوبہ دار رہے اور اب وہ وقت آگیا کہ تخت دہلی کے لئے خطرناک انقلابی دور شروع ہو گیا۔ سادات بارہہ (بادشاہ گر) کا اقتدار ان کی سازشی سرگرمیاں اس حد تک ترقی کر گئی تھیں کہ خود دربار کو ان کے قلع قمع کرنے کا فکر ہوا اس لئے ۱۷۱۷ء میں نظام الملک کو اس فتنہ کو ختم کرنے کیلئے دہلی بلایا گیا۔ تاکہ وہ اپنی قوت و حسن تدبیر سے سید عبداللہ (جو اس وقت وزیر اعظم تھے) کو معزول کرنے میں مدد دیں۔ لیکن بادشاہ کی بے ہمتی اور بزدلی کی موجودگی میں کیا ہو سکتا تھا۔ یہ تجویز ناکام رہی۔ وزیر اعظم (عبداللہ بادشاہ گر) نظام الملک پر تو ہاتھ نہ ڈال

سکا۔ مگر بادشاہ کو اولاً اندھا پھر قید کرکے مار ڈالا اور ایک ایسا انقلابی دور شروع ہوگیا کہ جس شاہزادے کو تخت نشین کرنا چاہتے۔ اُس کی ماں ہاتھ جوڑ کر کہتی کہ

میرے بچّے کا سر سلامت رہنے دو

بہرحال رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات یکے بعد دیگرے بادشاہ بنائے گئے مگر بادشاہ گروں نے سلطنت مغلیہ کی بنیادوں کو ہمیشہ کے لئے کھوکھلا کردیا۔ ان چالاک سازشیوں نے نظام الملک کے لئے اب

پٹنہ کی صوبہ داری تجویز کی

محمد شاہ کا عہد سلطنت | رفیع الدرجات کے انتقال کے بعد سیّدوں نے روشن اختر کو بادشاہ بنایا اور محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے۔

نظام الملک صوبہ دار مالوہ | نظام الملک کے نام مالوہ کی صوبہ داری کا قرعہ پڑا اور وہ صوبہ دار ہوکر مالوہ چلے گئے۔ اس وقت دہلی دربار کی حالت نہایت نازک تھی۔ نظام الملک آنے والے واقعات کو اپنی چشم آخر بیں سے دیکھ رہے تھے۔ سیّدوں کا اقتدار بھی آخری حد تک پہنچ گیا تھا۔ اور ان کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ تمام سلطنت میں جس شخص پر اعتماد ہو سکتا تھا وہ

نظام الملک کی ہستی تھی

محمد شاہ کی والدہ سادات کی فتنہ پردازیوں اور انقلابی سرگرمیوں سے خوب واقف تھی۔ اسلئے اُس نے نظام الملک کو بہت ہی دردناک خطوط لکھے۔ کہ سیّد اس کے بیٹے کا خاتمہ کردینے والے ہیں۔ اس کی جان بچاؤ۔ مگر ساداتِ

ایسے حالات پیدا کردیئے تھے کہ نظام الملک کو حالات پر قابو پانے کے لیے بہت محنت اور احتیاط کی ضرورت تھی۔ اور سیدوں نے نظام الملک کو مصروف کردینے کے منصوبے کر لیے۔

عہد کش مکش چنانچہ سید حسین نے نظام الملک کے خلاف الزامات کا ایک فرد جرم تجویز کیا۔ لیکن نظام الملک اس قسم کی گیدڑ بھبکیوں میں کب آنے والے تھے۔ انہوں نے ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ سید حسین حیران رہ گئے۔ ان ایام میں سید حسین دکن کے صوبہ دار تھے۔ اس لئے انہوں نے بہترین انتظام کا بہانہ کرکے نظام الملک کو اپنی راہ میں روک قرار دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ مالوہ کی صوبہ داری بھی اسے دیدیجائے۔ بغیر اس کے انتظام ٹھیک نہ ہوگا۔ اس کے معاوضہ میں نظام الملک کو ملتان، آگرہ، الہ آباد اور برہان پور کی صوبہ داری پیش کی گئی۔

شاہی مراسلات یہ بحث کا سلسلہ جاری تھا بادشاہ کی ماں کے خطوط پہلے آچکے تھے۔ بادشاہ نے بھی مکتوبات شاہی کے ذریعہ نظام الملک کو بلایا کہ اب وقت ہے کہ ان سیدوں کا خاتمہ کردیا جائے۔ نظام الملک ان خطوط سے ازبس متاثر ہوئے۔ اور وہ دولت تیموری کی بقا کیلئے فوج لے کر آگرہ کی طرف بڑھے۔ مگر ابھی تین ہی منزلیں طے کی تھیں کہ حالات تبدیل ہوگئے۔ اور ایسے اسباب پیش آئے کہ نظام الملک اپنی اس فوج کو لے کر برہان پور کی طرف لوٹ پڑے۔

دکن کی لڑائیاں اور فتوحات اور برہان پور پہنچتے پہنچتے بہت بڑی فوج ان کے ساتھ ہوگئی کچھ شک نہیں کہ اگر نظام الملک واپس نہ ہوتے اور فتنہ سادات کی سرکوبی کے لئے اپنے سفر کو جاری رکھتے تو نتائج کچھ اور ہوتے مگر مشیت ایزدی نے نظام الملک کے خاندان میں دولت آصفیہ کا قیام مقدر کیا ہوا تھا۔ اس لئے وہ واپس جاکر بیٹھے۔ سیدوں کو جب یہ علم ہوا۔ تو ان کی پریشانی کی حد نہ رہی اس لئے کہ وہ صرف ایک ہی ہستی سے خائف تھے۔

اس لئے انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ نظام الملک کے ساتھ ایک

فیصلہ کن جنگ کریں

ان ایام میں دکن کی صوبہ داری پر منصفانہ طور سے سید حسین علیخاں کا برادرزادہ عالم علیخاں مامور تھا۔ سب سے پہلے دلاور علیخاں تیرہ ہزار سپاہ لے کر مقابلہ پر آیا۔ نظام الملک نے برہان پور سے تیس میل کے فاصلہ پر اسے شکست فاش دی اور اسی جنگ میں دلاور علیخاں مارا گیا۔ اس ہلاکت اور شکست نے بتادیا کہ نظام الملک کا ستارہ اب اوج پر ہے اور شاہ گروں کی حکومت ختم ہوچکی۔

حسین علیخاں نے اپنے برادرزادہ کو جو اس کے نائب کی حیثیت سے صوبہ دار تھا کہلا بھیجا تھا کہ میرے آنے تک جنگ نہ کرو۔ اور اورنگ آباد یا احمد آباد میں میرا انتظار کرو۔ عالم علیخاں کے پاس اس وقت تیس ہزار فوج تھی جب نظام الملک کو ان حالات کا علم ہوا۔ تو وہ یلغار کرتا ہوا چلا آیا۔ اور یکم اگست سنہ ۱۷۲۰ء کو عالم علیخاں کی فوج پر حملہ کردیا۔ اور اس کا نتیجہ نہ صرف یہ ہوا کہ

نظام الملک کو دوسری فتح نصیب ہوئی

بلکہ عالم علیخاں بھی اس جنگ میں مارا گیا۔ اور اس کی فوج کے تمام بڑے بڑے افسر اور عہدہ دار نظام الملک سے آملے۔ اور انہوں نے اطاعت اختیار کرلی۔ ان اطاعت اختیار کرنے والوں میں مبارز خاں صوبہ دار حیدرآباد بھی تھا۔ گویا دوسرا تفاول تھا کہ

حیدرآباد آئندہ نظام الملک کی نسل کا تختگاہ ہوگا

حسین علیخاں کی موت بھی اسے لے آئی | دہلی میں جب ان فتوحات کی خبریں پہنچیں تو سید دو بھائی

گھر میں تو کہرام مچ گیا۔ سید حسین علیخاں بے بس بادشاہ کو لے کر پچاس ہزار فوج کے ساتھ دکن پر حملہ آور ہوا تاکہ نظام الملک کا خاتمہ کردے۔ وہ عجیب وغریب ارادوں اور منصوبوں کے ساتھ آرہا تھا مگر موت اس کے ساتھ بازی کر رہی تھی۔

نظام الملک کا سلسلہ خبر رسانی بہت مضبوط تھا۔ اسے دم دم کی خبریں مل رہی تھیں۔ آخر حسین علیخاں کے فتنہ سے نجات کا ذریعہ اس کی موت ہی ہونے والی تھی۔ حسین علیخاں بڑے جوش اور فخر کے ساتھ آرہا تھا۔ فتح پور سیکری سے پینتیس کوس کے فاصلہ پر تورہ کی منزل میں قیام تھا۔ حسین علیخاں بادشاہ سے ملاقات کرکے اپنے خیمہ کی طرف آرہا تھا خیمہ سے چوبی احاطہ کے پاس پہنچا۔ تو میر حیدر کاشغری نے ایک درخواست پیش کی وہ اس کے پڑھنے میں مصروف تھا کہ کاشغری نے ایسی سرعت سے تلوار کا وار کیا کہ گویا بجلی کوند گئی اور پہلے ہی وار میں

حسین علی خاں کا خاتمہ ہوگیا

کچھ شک نہیں کاشغری بھی وہیں ختم کر دیا گیا۔ لیکن کاشغری کا یہ فعل ایک قسم کی قربانی تھا جو اس نے دولت تیموریہ کی بقا کے لئے کی۔ میں اس قتل یا اس کی سازش کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ صرف اتنا کہونگا کہ یہ ایک خطرناک فتنہ تھا۔ اور

اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

جو حالات اور واقعات میرے سامنے ہیں میں انہیں دیکھتے ہوئے سیاسی دانش کے اس عملی فتویٰ کی صحت کے خلاف دلائل نہیں پاتا بہرحال اس تالیف میں ان جزئیات کی طرف جانا میرا مقصد نہیں۔

سید عبداللہ خاں قطب الملک شاہ کا انجام	عبداللہ خاں کی نقل و حرکت اور جنگ، شکست اور موت

اس وقت آگرہ میں تھا۔ اور دہلی کو جارہا تھا۔ راستہ میں اسے بھائی کے اس واقعہ

قتل کی اطلاع ملی دکن کی متواتر شکستوں اور نظام الملک کی کامیابیوں نے اسے پہلے ہی نعل در آتش بنا رکھا تھا۔ فوراً دہلی کے حاکم کو جو اس کا اپنا عزیز تھا ایک مخفی مراسلہ بھیجا کہ دہلی کے کسی شاہزادے کو بادشاہ بنالو چنانچہ سلطان ابراہیم بن رفیع الشان کو بادشاہ بنالیا گیا۔ اور سید عبداللہ خان بھائی کے انتقام کے لئے شاہی فوج سے مقابلہ کرنے چل پڑا۔ شاہ پور کے قریب شاہی فوج سے مقابلہ ہوا اور

غدّار عبداللہ خاں زخمی ہو کر گرفتار ہوا

اور چند ہی روز بعد اس صدمہ سے فوت ہوگیا اور اس طرح بادشاہ گر سیّدوں کا اقتدار خاک میں مل گیا۔

نظام الملک کی وزارت | سادات کی قسمت کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ غدّاری کی شبِ تار اب صبحِ امن سے تبدیل ہونے والی تھی۔ نظام الملک کے اخلاص و وفاداری نے اپنا اجر پایا جنگ شاہ پور کے بعد بادشاہ نے محمد امین خاں کو وزیرِ اعظم مقرر کیا۔ مگر اس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ بادشاہ نے فراخ دلی سے شرکاءِ جنگ شاہ پور کو انعامات دیئے اور نہایت فراخ دلی سے اپنے ارکانِ دولت کو نوازا۔

حقیقت یہ ہے کہ سادات کی قوت و اقتدار کا خاتمہ نظام الملک ہی کی جوانمردی اور اُنکی صادقانہ ہمدردی اور اخلاص اور صائب تدبیری کا نتیجہ تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس کی قسمت کی قوت ان شاہ گروں کے استیصال کے لئے اپنا کام کر رہی تھی تو بیجا نہیں۔ محمد شاہ بادشاہ جانتا تھا کہ نظام الملک کس قوت و اقتدار کا مالک ہے۔ اس پر کامل اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ وہی ایک حقیقی خیرخواہ اور ہمدرد ہے اس لئے محمد شاہ نے اسکی صوبہ داری دکن اور مالوہ کو بھی بحال رکھا اور ساتھ ہی وزیرِ سلطنت بھی بنا دیا۔ نظام الملک کچھ عرصہ تک دہلی میں رہا بالآخر پھر دکن چلا آیا۔ یا یوں کہو کہ کن

کو چلے آنے پر مجبور ہوگیا۔

نظام الملک کے ارادے حکومت کے متعلق اصلاحی مساعی | نظام الملک کی دائمًا یہ خواہش تھی کہ دولت تیموریہ میں پھر وہی رونق اور شان پیدا ہوجائے جو عہد عالمگیری میں تھی یہ سلطنت ایک نظام اسلام ہو۔ تقویٰ وطہارت کا رواج ہو۔ لغویات اور منہیاتِ شرعیہ سے کامل احتراز ہو۔ لہو ولعب کی بندش ہو۔ اور حقیقی معنوں میں سلطنت اسلامی ہو۔ مگر حالات میں اس قدر انقلاب ہوچکا تھا۔ اور شاہی حاشیہ نشینوں اور عمائد کی حالت تقویٰ وطہارت کے لحاظ سے اس قدر گرچکی تھی کہ نظام الملک جسقدر توجہ کرتے اسی قدر انہیں مایوسی ہوتی۔ نظام الملک کے اخلاق وشمائل میں یہ بات گل سرسبد کی طرح ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے وہ کسی قوت اور ہستی سے خائف نہ ہوتا تھا۔

ایک مشہور مورخ قاضی خاں لکھتا ہے کہ ایک روز نظام ملک نے بادشاہ سے عرض کیا

(۱) اراضی خالصہ کا موجودہ نظام ملک کے لئے نقصان رساں ہے۔ اس کو موقوف کردینا چاہیے۔

(۲) پیش کش کے نام سے جو رشوتیں لی جاتی ہیں وہ بند کردینی چاہئیں۔ اسلئے کہ بادشاہ کے لئے باعث ننگ ہیں۔

(۳) عہد عالمگیری کی طرح جزیہ لگا دیا جائے۔

(۴) شاہِ ایران نے ہمایوں بادشاہ کی مدد کی تھی۔ اب اگر بادشاہ ہندوستان ایران کو افغانوں کے تسلط سے نجات دلانے میں مدد دے گا تو یہ خدمت خاندان تیموریہ کے لئے باعث صد عزت ہوگی (اس زمانہ میں ایران پر افغانی تسلط ہورہا تھا)۔

بادشاہ نے آخری مشورہ کے متعلق دریافت کیا کہ کسے اس خدمت پر مامور کروں

نظام الملک نے جواب دیا۔ کہ جبکو آپ اس کا اہل سمجھیں۔ اور اگر میرے نام قرعہ فال پڑے تو
میں بدل و جان حاضر ہوں۔ بادشاہ نے دوسرے امراء سے مشورہ کیا تو انہوں نے مخالفانہ
باتیں کہہ کر بادشاہ کو نظام الملک سے بدظن کر دیا۔

دکن کو روانگی | نظام الملک کے دل کے کسی گوشہ میں یہ خواہش نہ تھی کہ وہ کوئی خاص اقتدار
یا سلطنت پیدا کرے۔ بلکہ وہ تو ایک مرتبہ گوشہ گزیں ہو چکے تھے۔ اور امور مملکت اور سلطنت
کو اپنے دینی مشاغل پر قربان کر چکے تھے۔ مگر مشیت الٰہی انہیں کسی خاص کام کے لئے تیار
کر رہی تھی اور ارادہ ازلی میں نظام الملک دولت آصفیہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے
مقرر ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ ہر چند اس سے بھاگتے تھے مگر قدرت کشاں کشاں لے آتی تھی
نظام الملک کے مشوروں کو باوجود ان کی صداقت کے اعتراف کے عملی پذیرائی نہ ہوئی
اور دولت تیموریہ کی بنیادوں کو گھن لگ چکا تھا۔ اس لئے باوجود اپنے تجربوں کے
بادشاہ ان سے بدظن ہوا۔ اور نظام الملک اصلاحی پروگرام کی کامیابی سے مایوس
ہو گئے۔ نظام الملک اگر چاہتے تو اس دور انقلاب میں دولت مغلیہ کے ایک خودمختار
بادشاہ بن جاتے۔ مگر ان کی وفاداری اور ارادت نے کبھی اپنے مقام سے متزلزل نہ
ہونے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نظام الملک ایک متقی اور دیندار انسان تھا۔ غرض جب
حالات نے یہ صورت اختیار کی اور ان کے مشوروں کو دوسرا رنگ دیا گیا۔ اور انہوں
نے محسوس کیا کہ ان حالات میں عزت بھی خطرہ میں ہے تو وہ دہلی سے تیس چالیس کوس
کے فاصلہ پر شکار کو چلے گئے۔ اور وہیں ان کو اطلاع ملی کہ

دکن میں مرہٹوں نے سر اٹھایا ہے

اور شورش برپا کر دی ہے۔ اس لئے وہیں سے بادشاہ کو حالات کی اطلاع
دے کر دکن کو روانہ ہو گئے۔ نظام الملک سلطنت کا خیر خواہ تھا باوجودیکہ اصلاحی

مشوروں کے برے نتائج سے وہ مایوس ہوئے مگر تاج تیموری کے احترام کے بقا کے لئے وہ ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔

مرہٹوں پر ہیبت طاری ہوگئی | چنانچہ مرہٹوں کو سرکش پاکر جب انہوں نے دکن کی طرف یلغار کی تو ابھی وہ اجین ہی پہنچے تھے کہ مرہٹے ان کی آمد کی خبر پاکر منتشر ہوگئے۔ ان کے قلوب پر ان کی بہادری اور قوت کا ایک خاص رعب تھا۔ وہ بغاوت فرو کرکے دہلی واپس ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ خبر پہنچی کہ مبارز خاں صوبہ دار حیدر آباد باغی ہوگیا ہے۔

حیدر آبادی صوبہ دار کی بغاوت اور اس کا انجام | مبارز خاں پر نظام الملک کے بہت بڑے احسانات تھے۔ اس کا عروج نظام الملک ہی کی مہربانیوں کا نتیجہ تھا۔ مگر اس نے تمام احسانات فراموش کرکے غداری کی۔ نظام الملک نے ہر چند کوشش کی کہ جنگ نہ ہو اور مبارز خاں شرافت سے اپنی غلطی کا اعتراف کرے مگر ادھر سے جس قدر کوشش اصلاح کے لئے کی جاتی تھی مبارز خاں اسی قدر اپنی طاقت کا غلط اندازہ کرکے دلیر ہو رہا تھا۔ اور آخر اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ ایک فیصلہ کن جنگ ہو چنانچہ ۲۳ محرم کو شکر گڑھ کے قریب جو اورنگ آباد سے چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے لڑائی ہوئی جس میں مبارز خاں نے نہ صرف خطرناک شکست کھائی بلکہ بری طرح زخمی ہوا۔

نظام الملک ایک مصلح اور شریف بہادر تھا۔ اگرچہ مبارز خاں کو بوجہ اس کی بغاوت کے سخت سے سخت سزا دی جاتی تب بھی جائز اور صحیح تھا۔ لیکن نظام الملک نے اپنی شریفانہ مروت و اخلاق کا نمونہ دکھایا مبارز خاں کے زخموں کے علاج کے لئے خاص طور پر طبیب اور جراح مقرر کئے۔ اور اس کے دونوں بیٹوں کو اپنی نگرانی میں لیا۔ شفا ہوجانے کے بعد بہت سا روپیہ دیا تاکہ وہ کوئی اچھا اور مفید کام کرسکیں۔

ادھر نظام الملک مبارز خاں اور اس کے بیٹوں سے یہ سلوک کر رہے تھے ادھر مبارز خاں کا بڑا بیٹا احمد خاں گول کنڈہ میں قلعہ نشین ہوگیا۔ اور اس نے گویا

ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا مگر نظام الملک کا تدبر اور حسن تدبیر آڑے آئی۔ اور اس نے
احمد خاں کو رام کر لیا۔ اور خون ریزی سے لوگوں کو بچا لیا۔

دربار دہلی کی حالت | نظام الملک دکن کے فتنہ کو فرو کرنے میں مصروف تھا اور دربار
دہلی کی حالت یوماً فیوماً خراب ہوتی جا رہی تھی۔ نظام الملک آتے وقت اپنے بڑے
بیٹے فیروز جنگ ثانی کو اپنی نیابت کے لئے چھوڑ آئے تھے۔ انہوں نے جو خبریں باپ
کو روانہ کیں اُن سے دربار دہلی کی ابتر حالت معلوم ہوئی۔ رشوت ستانی اور سازشوں
سے بازار گرم ہو گئے ان خبروں نے نظام الملک کی امیدوں کو مایوسی سے بدل دیا۔ اور
انہیں تیموری سلطنت کے زوال اور فنا کی تصویر نظر آنے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح
تیموری قوت رفتہ کو بحال کرے۔ مگر ان حالات میں ان کو خطرناک مشکلات
کا سامنا تھا۔

آصف جاہ کا خطاب | اس میں کوئی شبہ نہیں اور تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ آصف جاہ
نے دولت تیموریہ میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ اور اس کی برکت سے مغل حکومت
میں ایک نئی شان اور قوت آ رہی تھی۔ بادشاہ خود بھی نظام الملک کی خدمات کا اعتراف
کرتے تھے مگر درباری سازشیں اور ریشہ دوانیاں نظام الملک کے ارادوں میں رکاوٹ
پیدا کرتی تھیں۔ بادشاہ نے دکن کی ان جانباز خدمات کا اعتراف کیا اور نشانِ پسندیدگی کے طور پر
ایک ہاتھی بھیجا۔ جواہرات عطا کیے اور آصف جاہ کا خطاب دیا۔ اس حد تک تو بادشاہ
کی خوشنودی مزاج کا دخل تھا۔ مگر درباری سازشوں اور حاسدانہ عداوتوں نے یہ بھی کیا کہ
مالوہ اور گجرات کے صوبے واپس لے لئے۔

مرہٹوں سے جدال و قتال | نظام الملک آصف جاہ کو دکن میں ایک اور معرکہ پیش آیا یہ مرہٹوں
کا فتنہ تھا۔ یہ فتنہ دکن سے اٹھا۔ اور دہلی کی طرف بڑھا۔ مرہٹوں کا پروگرام مختصر الفاظ میں ہندوستان
سے اسلامی حکومت کا خاتمہ تھا۔

مرہٹوں کے دل پر نظام الملک کی بہادری اس کی اولوالعزمی اور حسن تدبیری کا خاص رعب تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی جولانگاہ اور محاذ کو دکن سے بدل کر شمالی ہندوستان کی طرف کر دیا۔ وہ دہلی دربار کے حالات سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ نظام الملک دربار کی حالت دیکھ کر دل برداشتہ ہیں۔ اور وہاں ایسے لوگوں کا گروہ ہے جو نظام الملک کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں دولتِ تیموریہ کو بھی خواہ بڑے سے بڑا نقصان پہنچ جائے ان تمام حالات کو مدنظر رکھ کر انہوں نے ہندوستان کا رُخ کیا۔

دہلی کو واپسی اور مرہٹوں سے جنگ | مرہٹوں کے طوفان اور اُن کی جنگوں کی تفصیلی حالات کے لئے یہاں گنجائش نہیں مجھے صرف واقعات کے تسلسل میں اس قدر کہنا پڑتا ہے کہ بادشاہ نے جب ان حالات کا مشاہدہ کیا تو اس نے بجز اس کے چارہ نہ دیکھا کہ

آصف جاہ کو دہلی بلایا جائے

آخر مخلص اور وفادار نظام الملک آصف جاہ شاہی دعوت پر دہلی چلا گیا بادشاہ نے وعدہ کیا کہ مرہٹوں کی مہم کو سر کر لو گے تو مالوہ اور گجرات کی گورنری فیروز جنگ ثانی (آپ کے بڑے بیٹے) کو دیدونگا۔ اگر یہ وعدہ بھی نہ ہوتا تو بھی آصف جاہ کی فطری وفاداری اور اخلاص اس مہم کے سر کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتا۔ مگر خدا تعالیٰ کی مشیت کچھ اور فیصلہ کر چکی تھی۔ اور دربار کی اندرونی سازشیں اور شرارتیں حکومت کے لئے مضر نتائج پیدا کر رہی تھیں۔ آصف جاہ اس مقابلہ کے لئے نکلا۔ مگر کامیابی کی بجائے وہ خود مرہٹوں کے حلقہ میں ایسا محصور ہوا کہ اسے مرہٹوں سے اقرار کرنا پڑا کہ مالوہ، اور چنبل نربدا کا درمیانی علاقہ بادشاہ سے ان کو لے دیگا۔ اور پچاس لاکھ تاوان

واکریگا۔ یہ ۱۷۳۸ء کا واقعہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر نظام الملک اس وقت اس تجویز پر عمل نہ کرتے تو تیموری دولت کا اسی وقت خاتمہ ہوجاتا۔ اور مرہٹوں کو دہلی کا تخت مل جاتا۔ اس لئے نظام الملک نے تمام حالات پر ایک دوراندیشانہ نظر ڈال کر اس قدر نقصان کو برداشت کرلینا پسند کیا۔

دکن میں مرہٹوں کا خروج | مرہٹوں نے ہندوستان کی طرف جن حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے خروج کیا تھا۔ ان میں جب مندرجہ بالا رقبہ کی وجہ سے تبدیلی ہوگئی۔ اور آصف جاہ دکن سے جا ہی چکے تھے۔ باجی راؤ نے موقعہ پاکر حملہ کردیا۔ اس وقت نظام الملک کی نیابت کے فرائض ناصر جنگ ادا کر رہے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ کش مکش جاری رہی۔ لیکن آخر فریقین میں صلح ہوگئی۔

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت | ہندوستان کا قصر حکومت متزلزل ہوچکا تھا۔ دربار کی بدعنوانیوں اور اندرونی سازشوں نے ایک طرف ہندوستان میں امن کی فضا کو جنگ سے بدل دیا تھا۔ دوسری طرف نادر شاہ نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر ہندوستان پر حملہ کردیا۔ ہرچند آصف جاہ نے حالت پر قابو پانے کی کوشش کی اور دولت تیموریہ کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالنا چاہا مگر زلزلہ ایسا شدید تھا کہ اگر وہ ایک طرف سنبھالا دیتے تھے تو دوسری طرف سے آفت برپا ہوجاتی۔ مصیبت تو یہ تھی کہ

صرف آصف جاہ بچانا چاہتا تھا

اور ہزاروں دوسرے عمل تخریب کے عامل تھے۔ آخر نتیجہ وہی ہوا جو ہوتا تھا۔ نادری حملے کی خبروں کو نری گپ سمجھنے والے تن آسان اور عیاش امیر میدان جنگ میں ہمت ہار کر بیٹھ گئے اور اتنا ہی غنیمت ہوا کہ شکست کو صلح سے تبدیل کرلیا۔ بادشاہ نے صلح کرلی۔ نادر شاہ تاوان جنگ لیکر واپس جانے والا تھا کہ

برہان الملک نے اپنی حماقت سے ملک کیساتھ غداری کی

اور نادر شاہ کو دہلی جانے کا مشورہ ہی نہیں بلکہ لالچ دلایا مورخین نے اس فتنہ زا تدبیر کو برہان الملک کی عداوت اور حسد کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ میں یہ فیصلہ نہیں کرتا مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تجویز نہایت خطرناک نتائج کا موجب ہوئی۔ اور اگر نادر شاہ دہلی نہ آتا تو دہلی کا مشہور قتل عام نہ ہوتا۔ میں اپنے ذوق اور نقطۂ نگاہ سے یہ سمجھتا ہوں کہ دہلی دربار نے اپنی شامتِ اعمال سے ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ قہر خداوندی، نادر شاہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ اور اس نے دہلی کے فاسقوں، فاجروں اور جفاکار غداروں کا قتل عام کے ذریعہ صفایا کر دیا۔ کچھ شک نہیں کہ بہت سے لوگ بے قصور عام رعایا کے افراد بھی ہلاک ہوئے۔ مگر جب عذاب الٰہی آتا ہے تو پھر تخصیص نہیں کی جاتی۔ اس عہد کے لوگوں نے بھی اس کو عذاب الٰہی سمجھا اور یہ شعر زبان زد عوام ہو گیا۔

دیدۂ عبرت کشا و قدرتِ حق را ببیں　　شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت

آصف جاہ فرشتۂ رحمت بنکر آیا | دہلی میں کشت و خون کی ندیاں جاری تھیں۔ اور غضب الٰہی کے فرشتے نادری سپاہیوں کی صورت میں نازل ہو رہے تھے۔ اس وقت کسی شخص میں ہمت اور حوصلہ نہ تھا کہ اس مصیبت کو دور کر سکے۔

تاب مقابلہ تو تھی ہی نہیں یہ جرأت بھی نہ رہی تھی کہ کوئی نادر شاہ کو جا کر اس قتل و غارت سے روکے۔ ایسے وقت میں آصف جاہ کی شکل میں فرشتۂ رحمت متمثل ہوا۔ آصف جاہ کی جرأت اور طریق گفتگو کی ہر ایک مورخ کو داد دینی پڑتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دہلی پر آصف جاہ ہی احسان قیامت تک باقی رہیگا اس حالت میں کہ نادر شاہ غضب مجسم ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ آصف جاہ اپنی زندگی کی قربانی کا یقین کر کے گلے میں تلوار حمائل کئے ہوئے، نادر شاہ کے سامنے گئے اور نہایت جرأت کیساتھ

یہ شعر پڑھا ؎

کسے نماند کہ اور ابہ تیغ ناز کشی　　مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

تاریخی شہادت ہے کہ نادر شاہ پر آصف جاہی سفارش کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً قتل عام بند کر دیا۔ اور محبت کے لہجہ میں کہا

به ریش سفیدت بخشیدم

آصف جاہ اول کا یہ احسان ہندوستان پر عموماً اور دہلی والوں پر خصوصاً اتنا بڑا ہے کہ اس کی شکر گزاری سے کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ مگر محسن کش اور غداروں کا برا ہو کہ آج ہندوستان اور دہلی کے نجات دہندہ کی اولاد کی ناجائز مخالفت میں افتراکرنے والوں کا ایک مرکز دہلی میں ہے۔

آصف جاہ کی قدر و منزلت نادر شاہ کے دل میں اس قدر تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ دہلی کا بادشاہ ان کو بنا دے۔ مگر آصف جاہ تخت دہلی کا اس قدر مخلص، وفادار تھا کہ وہ اس حالت میں بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ میرے ذوق و معرفت کے نقطۂ خیال سے سلطنت مغلیہ کا اب خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور آصف جاہ کی نسل میں اس قربانی کے بدلہ میں سلطنت رکھی جا چکی تھی اسلئے آصف جاہ نے اس پیش کش کو منظور نہ کیا۔ آصف جاہ کی یہ بہت بڑی قربانی ہے جہاں غدار برہان الملک نے محض اتنی خود غرضی کے لئے کہ صلح کے معاملہ میں اسکی عزت افزائی نہیں ہوئی۔ اپنے ملک و مالک کو تباہ کرا دیا۔ وہاں آصف جاہ نے نہ صرف اس تباہی سے بچایا بلکہ سلطنت ملنے پر بھی اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت جب نادر شاہ کی آفر کو آصف جاہ شکریہ کے ساتھ واپس کر رہا تھا تقدیر اس پر سلطنت کے پھول برسا رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ آج تیرے خاندان میں اس قربانی کے صلہ میں حیدر آباد کی حکومت کی

سند لکھدی گئی ہے۔

دکن کی طرف واپسی | نادرشاہ اپنے حملے میں کامیاب ہوکر واپس چلا گیا۔ نظام الملک آصف جاہ بھی دکن کو واپس ہوئے۔ اور آتے ہی مرہٹوں سے جنگ ہو گئی۔ احمد نگر کے قریب آصف جاہ نے انہیں آخری شکست دی اور اس شکست کے بعد ان سے فیاضانہ سلوک کیا۔ اور بہادروں کی طرح صلح کو قبول کرلیا۔ یہ امر اس کی اعلیٰ درجہ کی جنگی قابلیت اور سیاسی تدبّر کی دلیل ہے۔

قارئین کرام اوپر پڑھ چکے ہیں کہ آصف جاہ جب دہلی کی طرف گئے تو اپنے دوسرے بیٹے ناصر جنگ کو نائب بنا کر چھوڑ گئے تھے۔ بدخواہوں نے بیٹے کو باپ کے خلاف اکسایا۔ اور سعادت مندی کے مقام سے متزلزل کرنا چاہا۔ مگر مدبر اور آزمودہ کار جرنیل آصف جاہ کے مقابلہ کی کیا توانائی تھی۔ اس نے شکست کھائی اور قندھار متصل (ناندیڑ) کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔

کرناٹک پر آخری فوج کشی۔ | نواب آصف جاہ کی غیر موجودگی کے ایام میں کرناٹک میں بھی فتنہ و فساد برپا تھا۔ ایک قسم کی طوائف الملوکی پھیل رہی تھی۔ اور جابجا لوگ نواب بن بیٹھے تھے۔ ۱۷۴۲ء میں وہاں کا گورنر صفدر علیخاں اپنے ایک نسبتی بھائی مرتضیٰ خاں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ اور بدنظمی بڑھ گئی۔ ۱۷۴۳ء میں آصف جاہ نے کرناٹک پر فوج کشی کی اور تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو مٹا کر نظام حکومت قائم کیا اور شہامت جنگ کو ناظم اور اپنے نواسے ہدایت محی الدین خاں مظفر جنگ کو گورنر بالاگھاٹ مقرر کر کے واپس آیا اور اندرونی انتظام کے استحکام میں مصروف ہو گیا۔

ایام اجل | پانچ سال تک آصف جاہ ملک کے اندرونی انتظام میں مصروف تھا اور ملک اپنی خوشحالی میں ترقی کر رہا تھا کہ ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملے کی خبر پہنچی۔ وقتی حالات اور مصالح کے لحاظ سے بظاہر آصف جاہ نے برہان پور کا عزم کیا

لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ چونکہ آپ کی وفات برہان پور کی سرزمین میں مقدر تھی ان حالات میں آپ ادھر روانہ ہو گئے۔

ابدالی کا حملہ ہوا۔ وزیر سلطنت بھی اس جنگ میں مارا گیا۔ ابدالی نے آصف جاہ کو منصب وزارت پیش کیا۔ مگر آصف جاہ نے بڑھاپے کی وجہ سے اس خدمت کے قبول کرنے سے عذر کیا اور سچ تو یہ ہے کہ اب آخری وقت آپہنچا تھا۔ بیمار ہوئے اور برہان پور میں ۱۹ رجون ۱۷۴۸ء کو اپنے مالکِ حقیقی کے حضور بلائے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر تہتر سال کی تھی اور برہان پور میں سید برہان الدین کے روضہ میں آپ دفن ہوئے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آصف جاہ کی وفات کے ساتھ دولتِ تیموریہ کا آخری عظیم الشان ستون ختم ہو گیا

اولاد | آصف جاہ مرحوم کی شادی گلبرگہ شریف کے ایک سید کی صاحبزادی سیدۃ النساء بیگم صاحبہ سے ہوئی تھی۔ اس کے بطن سے چار بچے پیدا ہوئے۔ فیروز جنگ ثانی، ناصر جنگ، غازی الدین خان۔ بادشاہ بیگم۔ اور محسنہ بیگم۔ دوسری شادیوں سے بھی چار بچے ہوئے۔ امیر الممالک صلابت جنگ، نظام علیخاں بہادر اسد جنگ (آصف جاہ ثانی) محمد شریف بسالت جنگ، شجاع الملک مغل علیخاں۔

دولت آصفیہ کا دستور العمل | آصف جاہِ اوّل نے اپنی وفات سے چند ساعت پہلے ایک وصیت نامہ لکھا۔ جو نواب ناصر جنگ کے نام تھا۔ اس وصیت نامہ سے آصف جاہ کی سیرۃ و شمائل۔ ان کے تدبر و فراست تمام امور پر ایک روشنی پڑتی ہے۔ اسے میں یہاں اس لئے بھی درج کرنا چاہتا ہوں کہ آصف جاہ ہفتم کے نظام عمل میں اس وصیت نامہ کے اجزائے اعظم نظر آتے ہیں۔ یہ وصیت چونکہ ایسے وقت میں لکھی گئی۔ جبکہ آپ اس دنیا اور اس کی ساری شوکتوں اور عظمتوں کو چھوڑ رہے تھے، اس لئے ہر قسم کے تکلف اور

تصنّع سے پاک ہے۔

میں اس دستور العمل کو تمام وکمال یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ بعض امور محض ہنگامی تھے۔ لیکن جو امور بطور ایک دستور العمل دوامی کے ہیں وہ درج کر دینے ضروری ہیں۔

(۱) بنی آدم کے ساتھ نرمی

انسان اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اس لئے اس کی تباہی میں تامّل سے کام لیا جائے۔ کیونکہ وہ گیہوں اور جوار نہیں جنکی ہر سال کاشت کی جاتی ہے، ہاں مجرم کو قاضی کے حوالہ کرے۔ جو اپنے فرائض مہمہ کو عدل کے ساتھ بجالاتا ہو۔ قاضی شرع شریف کے مطابق جو فیصلہ کرے رئیس اسے نافذ کر دے اور اپنی طرف سے کسی کے قتل کا حکم نہ دے۔

(۲) مملکت کا دورہ

آئین مملکت نظم ونسق اور اپنی زندگی کو سفر پر موقوف رکھے۔ اور نئے مقام، نئی آب وہوا، اور سایہ وچشمہ کو کبھی ہاتھ سے نہ دے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ (اللہ کی زمین میں سیر کرو) اس ارشاد ربّانی میں اشارہ ہے کہ سفر کرو اور امور ریاست کی انجام دہی سفر پر موقوف ہے۔ ہاں چھاؤنیوں میں چند دن کی اقامت ضروری ہے، کیونکہ سفر میں تمام جاندار تھک جاتے ہیں۔ سپاہیوں کو ان کے وطن کے قریب متعین کرنا چاہیئے تاکہ دور چلے جانے کے باعث وہ اپنے فرائض زوجیت ادا کرنے سے محروم نہ ہو جائیں، اور اس طرح ان کی نسل منقطع نہ ہو جائے۔

❋ ❋ ❋

(۳) خلقِ خدا کی خدمت

مخلوقات کے کاموں کا رئیس کی ذات سے متعلق ہونا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ادائے فرض و واجب کے بعد وہ اپنے گرانمایہ اوقات کو نظمِ امورِ متعلقہ میں تقسیم کردے۔ وہ کسی وقت بیکار نہ بیٹھے۔ رات دن خلقِ خدا کے دینی و دنیوی امور کی خبرگیری کرتا رہے۔ تاکہ اُس کی عافیت بخیر ہو۔

(۴) بزرگوں کی عزّت

جاننا چاہیئے کہ ہماری سلطنت بزرگوں کے انفاسِ پاک کی برکت کا نتیجہ ہے میں نے اس وقت تک کہ وقت رحلت ہے دعا کرنے والوں کی عزت و توقیر کو تمام امورِ سلطنت پر مقدم رکھا ہے۔ ان کے بغیر جنگ اور لشکر بھی کام نہیں دیتے، ہمیشہ غربا و فقرا سے جو رحمتِ خداوندی کا دروازہ ہیں۔ استمداد کرتا رہا ہوں۔ اس کام میں میں نے ہمیشہ سبقت کی ہے۔ اس لئے کہ یہ سنتِ محمدی (صلعم) ہے رئیس کو اسی طریق پر عمل پیرا رہنا چاہیئے۔

(۵) حق تلفی نہ کی جائے

زمین آسمان اور مخلوقات پہلے سے چلے آرہے ہیں۔ اس لئے روئے زمین کو صرف اپنا حصّہ سمجھ کر کسی کی حق تلفی نہ کی جائے۔ بلکہ ہر شخص کی محبت و مودّت کا پاس ملحوظ رکھا جائے۔

(۶) نظم و نسق کے متعلق ہدایات

تاریخ وغیرہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ملک دکن چھ صوبوں پر مشتمل ہے۔ ان
میں سے ہر صوبہ میں مستقل اور ذی حشمت بادشاہ تھے، چنانچہ اس ملک میں لاکھوں سپاہی
اپنا پیٹ پالتے تھے۔ حضرت خلد مکان (عالمگیر اعظم) کے عہد سے یہ ساری سرزمین ایک
شخص سے متعلق ہو گئی۔ رفتہ رفتہ حق سبحانہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے یہ سرزمین مجھ گنہگار کو عطا فرمائی
اور مجھے اپنی ساری خلقت پر مقدم بنادیا۔ اس وقت تک مخلوق خدا کی پاسبانی و قدردانی جو مجھ
سے بن پڑی کرتا رہا۔ ضروری ہے کہ میرے بعد

ہر خاندان کی خبرگیری کیجائے

ان کے افراد کو باری باری سرکاری کاموں پر مامور کیا جائے۔ خواہ وہ ہندو
ہوں یا مسلمان۔ عہدے دار سال بسال بدلنے چاہئیں۔ بدرجہ آخر دو سال کے خاتمہ
پر ان کا تغیر و تبدل ضروری ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ایک دائمی تقرر سے دوسرے محروم ہو جائیں
اس طریقہ کار کی خود بھی پیروی کرو اور اپنے جانشینوں سے بھی کراؤ۔ میں نے جن لوگوں کو
الطاف و عنایات سے عمر بھر میں جمع کیا ہے ان میں سے ہر شخص بے بہائی کے اعتبار سے
جواہر پارہ ہے۔ ان کی بھلائی برائی کو برداشت کیا جائے۔ اور خدمات لائقہ پر مامور رکھا جائے

(۷) بھائیوں سے حسن سلوک

چھوٹے بھائیوں کو اپنے بیٹے سمجھو، ان کی پرورش و تربیت میں سعی بلیغ سے کام
لو۔ ان کے مراتب بڑھانے میں سرگرم رہو۔ ان پر شفقت و ملاطفت مبذول رکھو۔ تاکہ وہ
غمخوار بنے رہیں۔ یقین کرو کہ وہ قوت بازو اور تقویت ناموس ہیں۔ جب تک خوشحال
رہیں گے تمہارے زوال کے خواہاں نہیں ہوں گے۔ البتہ بھوکے اور مفلس ہو جائیں گے
تو سلطنت آصفیہ پر فتنہ و فساد کے دروازے کھول دیں گے۔ اور اس کی زمین کو ٹکڑ

ٹکڑے کرکے بیچ کھائیں گے۔

(۸) رذیلوں سے بچو

غمازوں کی باتیں نہ سنو۔ رذیلوں اور عامیوں کو اپنی محفل میں جگہ مت دو۔ اس لیئے کہ اس وجہ سے سلطنت کے وقار و رعب کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور کمینے لوگ دربار سلطانی میں باریابی کے گھمنڈ کی بنا پر خلق خدا کو آزار و ایذا پہنچانے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

(۹) کمال ایثار

ایران کا قہرمان بادشاہ نادر شاہ جب دہلی پہنچا۔ تو ایک روز اس نے فرط عنایت سے کام لے کر ہندوستان کی حکومت مجھکو دینے کے متعلق ذکر کیا۔ میں نے فی الفور عرض کیا کہ ہم لوگ آباو اجداد سے بادشاہ کے نوکر چلے آتے ہیں۔ آپ جو تجویز کرتے ہیں اس کی وجہ سے نمک حرام بن جاؤں گا۔ اور حضرت بادشاہ مجھے بدعہد اور قول و قرار کا جھوٹا مشہور کر دیں گے۔ چونکہ نادر شاہ سخن سنج اور معنی آفریں طبیعت رکھتا تھا۔ میرے جواب سے بہت خوش ہوئے اور میری تعریف کی۔

(۱۰) صلح کوشی

جنگ میں حتی الامکان اقدام نہ کرو۔ خواہ طرف ثانی کی جمعیت کتنی ہی قلیل اور حقیر کیوں نہ ہو؟ اس معاملہ میں خدا کی ذات اقدام کو پسند نہیں کرتی۔ اور خدا خود فرماتا ہے "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت علی فئۃ کثیرۃ" کتنی ہی قلیل جمعیتیں کثیر جمعیتوں پر غالب ہوئیں، جس حد تک ممکن ہو لڑائی جھگڑے کو روکنے کی کوشش کرو۔ اگر فریق ثانی پیش قدمی کرتا جائے۔

تو اس صورت میں حق کو اپنی جانب جان کر ناچار قدم اٹھایا جائے۔ اور عجز و نیاز سے خدا سے مدد مانگ کر اسے مقام پر ثابت قدمی اور رسوخ اختیار کیا جائے۔
جس حد تک ممکن ہو قبلہ رخ ہو کر جنگ کرو۔ فتح خدا کی قدرت و اختیار میں ہے۔

(۱۱) مال و اسباب

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو سامان اس وقت مہیا ہے۔ اگر اسے احتیاط کے ساتھ آہستہ آہستہ خرچ کروگے تو نسلاً بعد نسل تمہاری پشت تک کفایت کریگا۔ ورنہ دو تین سال سے زیادہ مدت تک کام نہ دے سکیگا۔

(۱۲) سپاہ کی دلجمعی

جو کچھ اس وقت خزانہ میں ہے۔ وہ سپاہ کی دلجمعی کے لئے ہے، شاہی خزانہ کی وجہ سے تمام سرکاری کام اچھی طرح سے چلتے ہیں۔ اور دشمن اور لشکر دشمن خود بخود پریشان ہو جاتا ہے، خدا کا شکر ہے کہ حکومت کے آغاز سے لیکر اس وقت تک کہ رحلت کا وقت ہے، سپاہ کی تنخواہ دو تین ماہ سے زیادہ کبھی میرے ذمہ نہیں رہی۔ سپاہیوں کو اپنی طرف سے بددل نہ کرو۔ اس لئے کہ وہ تمام اوقات انتظام سلطنت کے رفیق اور معاون ہیں۔

(۱۳) دعائے خیر

اب جاؤ۔ اپنے کارخانہ کے لوگوں کو کام پر لگاؤ۔ اب دو تین گھنٹے سے زیادہ وقت حیات باقی نہیں ہے۔ میں نے تمہیں خدا کے حوالہ کیا۔ وہ تمہیں ہدایت دے۔ ہر حال میں تمہارا معین و مددگار رہے۔ اور اپنی عنایت کا سایہ تمہارے سر پر

ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین!

یہ وہ آخری وصیت یا دستور العمل ہے۔ جو آصف جاہ اوّل نے اپنے ورثاء کے لئے چھوڑا۔ میں نے بعض دفعات کو چھوڑ دیا۔ جو بعض ایسے امور کے متعلق تھیں جنکا اب کوئی اثر نہیں۔ اس وصیت نامہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آصف جاہ اوّل کو اللہ تعالیٰ پر کس قدر بھروسہ اور توکل تھا۔ خدا پرستی کی ایک زبردست روح آپ میں موجود تھی۔ اور دعاؤں پر انہیں کس قدر اعتماد اور یقین تھا۔ دوسری بات یہ پائی جاتی ہے کہ مخلوق خدا کی بھلائی اور خیر خواہی کا بھی انتہائی جذبہ آپ میں موجود تھا۔ اور آپ نے عدل و انصاف کے مقام کو بہت بلند رکھا تھا۔ بادشاہ کو قتل کے حکم دینے کا کیا مجاز نہ تھا۔ بلکہ یہ کام انصاف کی عدالت کے سپرد تھا۔ بادشاہ اس حکم کو نافذ کر سکتا تھا۔

پھر اس وصیت میں بادشاہ کو اپنے عزیز بھائیوں اپنے امرائے ملک کے ساتھ تعلقات محبت و قدر دانی کا خاص مشورہ دیا گیا ہے۔ کفایت شعاری اور اپنی سپاہ کی دلجوئی کی صحیح ہدایات ہیں۔ میں اس دستور العمل پر بھی بحث نہیں کرتا صرف اس قدر کہتا ہوں کہ یہ

نہایت ہی جامع دستور العمل ہے

اعلیٰ حضرت آصف جاہ ہفتم کی زندگی اس دستور العمل کا ایک عملی نمونہ ہے جیسا کہ ان کے حالات و اخلاق سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کو واقعات کی روشنی میں معلوم ہوگا۔

سلسلہ مضمون کے لحاظ سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان کر دیا جائے کہ جب آصف جاہ اوّل نے رحلت فرمائی تو مملکت آصفیہ کی وسعت کہاں تک تھی۔ تا کہ مختلف اوقات میں جو تبدیلیاں ہوتی رہیں ان کے اسباب و علل پر تاریخ کے طالب علم کو غور کرنے میں آسانی ہو

مگر اس نقشہ کے دینے سے پیشتر میں اس وصیّت کے متعلق کچھہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ اس وصیّت میں مندرجہ پند و نصائح یا ہدایات کے الفاظ کے متعلق بعض تالیفات میں کسی قدر اختلاف ہے لیکن نفس مضمون میں اختلاف نہیں ہے ایسی ہدایات سے حضرت مغفرت مآب کی سیرۃ پر بہت بڑی روشنی پڑتی ہے اور آپ کا اخلاص نیک دلی ۔ صداقت ۔ مواساۃ و وفاداری کے صفات نمایاں ہیں مرض الموت میں بھی آپ نے اپنے جانشینوں کو وہ ہدایت نامہ دیا جو ہر عہد میں قابل عمل ہے ۔ اس وصیت نامہ کے متعلق لالہ منشارام پیشکار مؤلفِ رسالہ دربارِ آصفیہ کا بیان ایک عینی گواہ کا سا ہے اسلئے کہ پیشکار موصوف حضرت مغفرت مآب کی نزع کے وقت موجود تھا اور ان کو بن پن کر پنسل سے نوٹ کرتا جاتا تھا جسکا انہوں نے اپنی کتاب میں خود ذکر کیا ہے یہ کتاب ۱۱۷۵ھ میں مرتب ہوئی اور اس خصوص میں سب سے قدیم ہے ۔ بہرحال قارئین کرام کو معلوم ہو جائیگا کہ حضرت آصف جاہ سابع کی زندگی میں حضرت مغفرت مآب کی یہ وصیت ایک قابل احترام دستور العمل اور عملی ضابطہ پایا جاتا ہے اور حضرت آصف جاہ ہفتم کی سیرۃ میں نمایاں طور پر اسے دکھانے کی سعی کرونگا ۔ و باللہ التوفیق ۔ حضرت مغفرت مآب کے عہد میں دولتِ آصفیہ کی حدود کیا تھیں وہ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوتی ہیں ۔
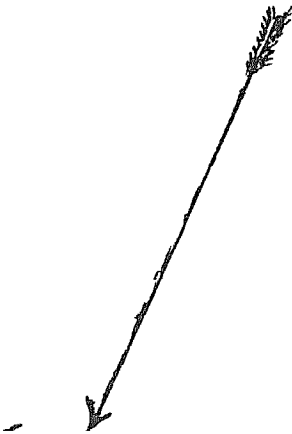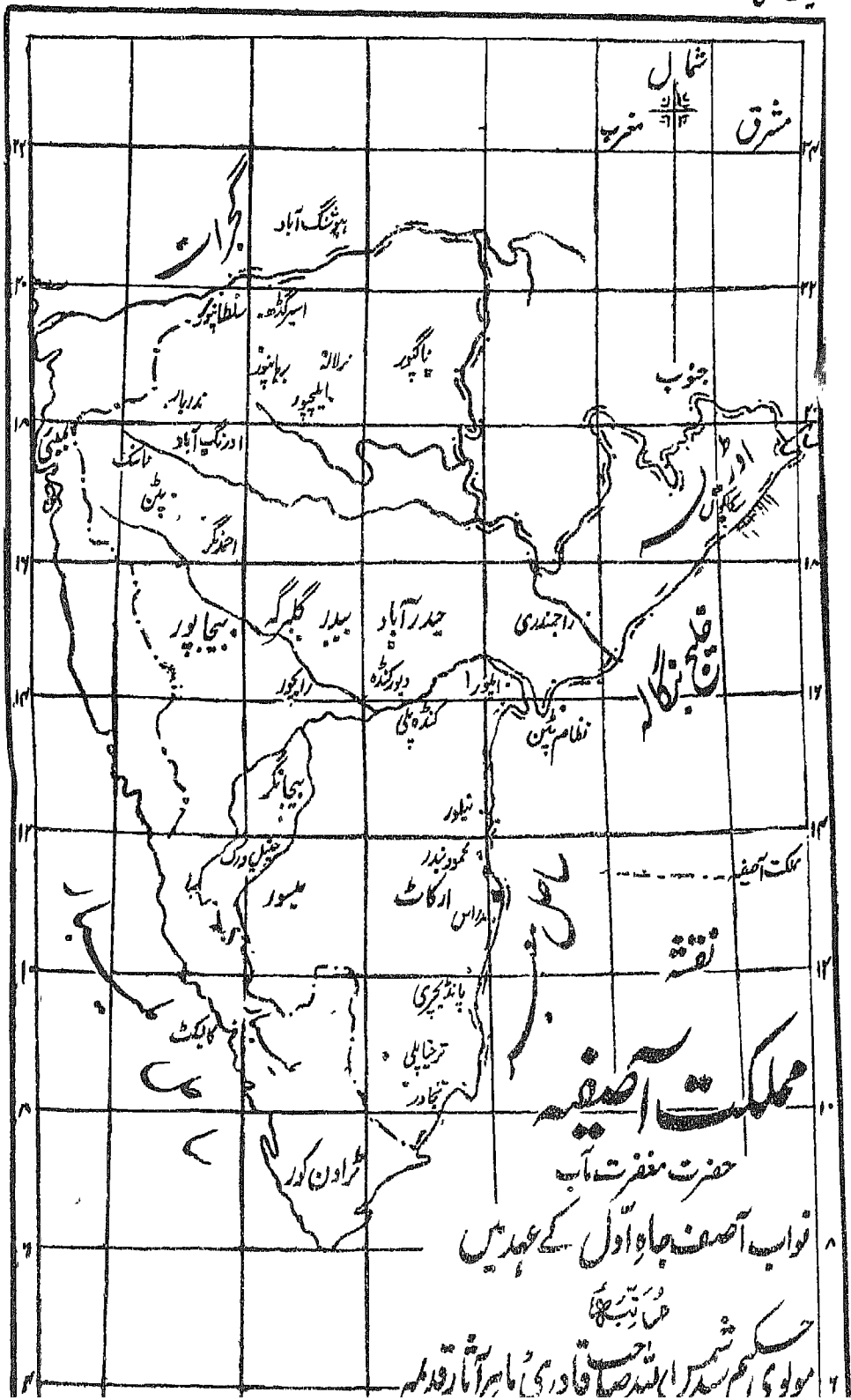
تیسرا باب

حضرت مغفرت مآب آصف جاہ اول کی مملکت

(میں خود اس مضمون پر لکھنے کے بجائے مولانا حکیم سید شمس الدین صاحب قادری ماہر آثارِ قدیمہ) کا ایک مضمون اسی موضوع پر درج کرنا پسند کرتا ہوں۔ مولانا موصوف نے جس محنت اور تحقیق کے ساتھ اسے قلمبند فرمایا ہے یہ انہیں کا حصّہ ہے یہ مضمون آپ نے روزنامہ صبح دکن کے سالگرہ نمبر سنہ ۱۳۷۵ھ کے لئے لکھا تھا اور اسی سے لیکر میں اسے یہاں شکریہ کے ساتھ درج کرتا ہوں۔ مضمون کے آخر میں اس زمانہ کی دولتِ آصفیہ کا ایک نقشہ بھی دیا گیا ہے۔ (عرفانی)

گیارہویں صدی ہجری کے آخر ایّام میں دکن کا شمالی حصّہ جس میں صوبہ جات خاندیس و برار اور احمدنگر شامل تھے۔ سلاطین مغلیہ کے تصرف میں تھا۔ اس کے نیچے مشرق میں قطب شاہی اور مغرب میں عادل شاہی خاندان برسرِ حکومت تھے۔ جنوب میں پالیگاروں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں واقع تھیں۔

اورنگ زیب عالمگیر نے سنہ ۱۰۹۷ھ میں حیدرآباد فتح کیا۔ ان فتوحات کے باعث مزید کوشش کے بغیر جنوب میں میسور تک دکن کے تمام علاقے مغلیہ عملداری میں شامل ہوگئے۔[1]

---

[1] سنہ ۱۱۰۰ھ میں اورنگ زیب عالمگیر کی طرف سے ضیاء الدین چینا پٹن کی خدمت پر مامور تھا، مآثر عالمگیری (صفحہ ۴۷۸)

جلوس کے پینتیسویں سال (۱۱۰۳ھ) بادشاہ نے فساد کرناٹک رفع کرنے کیلئے ایک مہم روانہ کی، پانچ چھ سال کے عرصہ میں جنجی تک تمام ملک مفتوح ہو گیا[1]۔ اس کے جنوب میں پالیگاروں کی حکومت تھی۔ انہوں نے بغیر کسی فتنہ و فساد کے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ اور ان فتوحات کی وجہ سے راميشورم تک تمام ملک بلا دقت و دشواری مغلوں کے قبضہ میں آ گیا[2]۔

عالمگیر کے مقبوضات دکن کو مورخین نے دو بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے[3]۔

(۱) وہ ملک جو نربدا اور کرشنا کے مابین ہیں۔ (۲) وہ ملک جو کرشنا کے نیچے واقع ہے۔

پہلا حصہ ذیل کے چھ[6] حصوں میں منقسم تھا۔

(۱) صوبہ خاندیس۔ (۲) صوبہ برار۔ (۳) صوبہ اورنگ آباد۔ (۴) صوبہ بیدر۔ (۵) صوبہ حیدرآباد (۶) صوبہ بیجاپور

دوسرے حصے کو کرناٹک کہا کرتے تھے۔ اس کے مغربی قطعات کرناٹک بیجاپور اور مشرقی قطعات کرناٹک حیدرآباد کے نام سے موسوم تھے۔ اور ان دونوں کو علحدہ علحدہ طور پر صوبہ جات حیدرآباد و بیجاپور کا ضمیمہ بنا دیا گیا تھا۔

حیدرآباد کا کرناٹک دو حصوں میں تھا۔ ایک بالاگھاٹ اس میں گتی، کنجی کوٹہ، سدہوت، کورم کنڈہ شامل تھے۔ دوسرا پایاں گھاٹ، اس کا علاقہ گنٹور سے کولار تک ساحل کارومنڈل پر پھیلا ہوا تھا۔ بیجاپور کا کرناٹک اب کرشنا سے میسور کی آخیر سرحد تک وسیع تھا۔ اور اس میں اناگوندی، بیدر نور، چتل درگ، ہرپن ہلی، بنگلور، سرا اور میسور کے علاقے شامل تھے۔

---

[1] ۱۱۰۹ھ میں نواب ذوالفقار خاں نے جنجی کو فتح کیا۔ مآثر عالمگیری (صفحہ ۳۹۱) [2] دکن میں مندرجہ ذیل مقامات پر اورنگ زیب عالمگیر کے سکے مضروب ہوئے ہیں۔ اورنگ آباد[1]، عالمگیر پور[2]، قمر نگر کرنول[3]، اعظم نگر بلگاؤں[4]، بنگاپور[5]، بیجاپور[6]، برہان پور[7]، چینا پٹن[8]، ایلچپور[9]، گلبرگہ[10]، گولکنڈہ[11]، گتی[12]، حیدرآباد[13]، امتیاز گڑھ[14]، اودھونی جنجی[15]، کڑپا[16]، مچھلی پٹن[17]، محمود بندر[18]، سیلاپور[19]، نصرت آباد ساگر[20]، پرینڈہ[21]، شولاپور[22]، ورنگل[23]، ستارا[24]، تورگل[25]، مظفر آباد[26]۔

[3] اس قسم کی تفصیل کیلئے دیکھئے چیتر من کی چہار گلشن، یا ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار کی کتاب "انڈیا آف اورنگ زیب" مجموعہ ۱۹۰۱ع کلکتہ میں چھپی ہے۔

عالمگیر اورنگ زیب کی وفات کے وقت کرناٹک کے ہر دو علاقے صوبہ دار ذوالفقار خان کو تفویض تھے۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد محمد شاہ بادشاہ کی تخت نشینی تک دکن کا تمام ملک مغلیہ مقبوضات میں شمار ہوتا تھا۔ مرہٹوں کی قوت دکن کے شمال اور مغربی علاقوں میں نمودار ہو گئی تھی، لیکن ان کی حیثیت غارت گروں سے زیادہ نہ تھی، اور مغلوں کے حکام و عمال جو دکن کے مختلف علاقوں میں برسر حکومت تھے وقتاً فوقتاً ان کی مدافعت کر دیا کرتے تھے۔

سلطنت مغلیہ کی طرف سے نواب نظام الملک آصف جاہ جب دکن کے صوبہ دار مقرر ہوئے تو وہ تمام ملک ان کے تصرف میں آیا جو عالمگیر کے عہد سے مغلیہ مقبوضات میں شمار ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں کوکن کا علاقہ مرہٹوں کے قبضہ میں تھا۔ سنہ ۱۱۳۱ھ میں جب کہ امیر الامراء سید حسین علی خان دکن کا صوبہ دار تھا تو اس نے مرہٹہ سردار ساہوجی سے لوٹ مار اور راہ زنی کے چھوڑ دینے کا اقرار لے کر دکن کے چھ صوبوں کی چوتھ اور سردیسمکھی بخشی کی، اور اسے صوبہ دکن کے کارکنوں میں شامل کر کے تنخواہ کے عوض میں کوکن کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا۔[1] اس بنا پر پونا سے ستارا تک جو ملک واقع ہے وہ مرہٹوں کی ملک قرار پایا۔

نواب آصف جاہ جب صوبہ دار مقرر ہوئے تو اس وقت دکن میں دو شخص مرہٹوں کی سرداری کے مدعی تھے۔ ساہوجی، سنبھاجی۔ پہلا ستارا کا۔ دوسرا کولاپور کا راجہ تھا۔[2] سنہ ۱۱۳۹ھ میں نواب آصف جاہ نے ساہوجی کو معزول کر کے اس کے عوض سنبھاجی کو مرہٹوں کا سردار قرار دیا اور اسے اپنے دربار میں بلا کر دکن کی چوتھ اور سردیسمکھی بھی دی۔[3] مگر یہ امر ساہو کے پیشوا باجی راؤ کو ناگوار ہوا۔ اور اس نے سنہ ۱۱۴۰ھ کے موسم برسات میں اورنگ آباد کے اطراف میں غارت گری شروع کر دی۔ نواب آصف جاہ نے جب مدافعت کا انتظام کیا تو باجی راؤ سے مقابلہ نہ ہو سکا۔ اور وہ برہان پور سے ہوتا ہوا گجرات کی جانب چلا گیا۔[4]

۱؎ حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۱۰۲) ۲؎ لیتھبرج کا مقدمہ تاریخ ہند (صفحہ ۱۶) ۳؎ حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۱۳۹) ۴؎ حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۱۴۱)

اسی اثنا میں ساہو کے ایک سردار نے سنبھاجی کو مجبور کر کے ایک صلحنامہ لکھوا لیا جس کی رو سے ساہو ستارا کا اور سنبھا کولاپور کا راجہ تسلیم کئے گئے۔ لیکن مرہٹوں کی سرداری صرف ساہو کے حق میں مسلم ہوئی چونتھ اور سردیشمکھی بھی اسی کا حصہ قرار پایا[1]۔ اس تصفیہ کو نواب آصف جاہ نے بھی ناگزیر قبول کر لیا۔ اور ساہو کو حسب سابق چونتھ اور سردیسکھی کے اختیارات دیدیئے[2]۔

سنہ ۱۱۴۸ھ میں امیر الامراء کی سفارش سے محمد شاہ نے باجی راؤ کو مالوہ کا صوبہ دار بنا دیا[3]۔ جس کے باعث دکن کے شمال میں مرہٹوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ اور وہ شمال و مغرب دونوں جانب سے جب کبھی موقع ملتا تو نواب آصف جاہ کے حدود میں آکر قتل و غارت کیا کرتے اور جس وقت مدافعت کی جاتی تو واپس چلے جاتے تھے۔ اس لئے نربدا کے نیچے برار و خاندیس میں ان کو کسی قسم کا بھی اقتدار نہیں تھا۔

کرناٹک اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ سے صوبہ جات دکن کا ماتحت علاقہ چلا آتا تھا اور یہاں کے حکام صوبہ داران دکن کے نائب ہوا کرتے تھے[4]۔ سنہ ۱۱۴۵ھ میں کرناٹک کے نواب سعادت اللہ خان کا انتقال ہو گیا تو اس کے قرابت داروں میں کئی سال تک جانشینی کے لئے جھگڑا ہوتا رہا۔ اس فساد کو رفع کرنے کے لئے نواب آصف جاہ نے کرناٹک پر یورش کی۔ یہاں سے فارغ ہو کر ترچناپلی پہنچے۔ معمولی لڑائی کے بعد یہ مقام اور مدورا وغیرہ مفتوح ہو گئے۔ اس کے بعد ارکاٹ واپس آئے۔ اور سنہ ۱۱۵۹ھ میں سراج الدولہ نواب انوار الدین خان کو کرناٹک کی نیابت تفویض کی[5]۔ اس فتح سے راس کماری تک دکن کا مشرقی علاقہ قلمروئے آصفیہ میں داخل ہو گیا۔

نواب آصف جاہ نے اپنے نواسے نواب مظفر جنگ کو بیجاپور کا صوبہ دار بنایا تھا[6]۔ رائچور اور ادھونی کے علاقے اپنے فرزند نواب بسالت جنگ کو جاگیر میں عطا کئے تھے۔ کرنول

---

[1] الفنسٹن کی تاریخ ہند جلد دوم (صفحہ ۱۱۸۳) [2] حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۱۴۰) [3] خزانہ عامرہ (صفحہ ۴۳)

[4] تاریخ ظفرہ (صفحہ ۱۰۴) لائل کی مکلات برطانیہ (صفحہ ۱۸۴) [5] حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۱۷۷) اس کرناٹک۔ [6] خزانہ عامرہ (صفحہ ۵۹)

کڑپہ اور شاہ نور میں افغان سردار بر سر حکومت تھے۔ مغربی گھاٹ اور ساحل پر بیدنور کے رانا کی حکومت تھی۔ میسور میں کرشنا خاندان کے راجہ حکمرانی کر رہے تھے۔

شاہ نور بیجاپور کے اور کڑپہ کرناٹک کے ماتحت تھا[1]۔ کرنول کے نواب نے تسخیر کرناٹک کے زمانہ میں اطاعت قبول کر لی تھی[2]۔ بیدنور کا رانا عالمگیر کے زمانہ سے صوبہ داران دکن کا مطیع چلا آ رہا تھا[3]۔ میسور کے راجہ خود سر ہو گئے تھے۔ لیکن نواب آصف جاہ نے ان کی تنبیہ کے لئے نواب ناصر جنگ کے زیر کمان ایک مہم دکن کھیڑہ سے روانہ کی۔ ۱۱۵۹ھ میں سرنگاپٹن کا محاصرہ ہوا۔ تو راجہ نے مطیع ہو کر سالانہ خراج ادا کرنیکا اقرار کیا۔

میسور کے نیچے ٹراونکور کے علاقے تھے۔ مغرب میں ساحل سمندر پر ملیبار کا ملک تھا۔ یہ سب آصفیہ عملداری سے خارج اور یہاں کے حکمران خود مختار تھے۔

۱۱۶۱ھ میں جب نواب آصف جاہ کا انتقال ہوا ہے تو اس وقت انکے مقبوضات کی سرحد شمال میں نربدا سے شروع ہو کر جنوب میں رامیشورم پر ختم ہوتی تھی۔ مغرب میں کوکن کا علاقہ ان کی حکومت سے خارج تھا۔ مشرق میں اڑیسہ کے ساحل پر بنگالہ کی سرحد تک ان کی عملداری پھیلی ہوئی تھی۔ موجودہ جغرافیہ کے لحاظ سے ممالک محروسہ سرکار عالی کے علاوہ حسب ذیل ممالک ان کی مملکت میں شامل تھے۔ احاطہ مدراس کا تمام ملک ملیبار اور کوچین ٹراونکور کو چھوڑ کر احاطہ بمبئی کا جنوبی حصہ ممالک متوسط کے قطعات جو نربدا کے نیچے واقع ہیں۔

مغلوں کے عہد حکومت سے یہ ملک چھ صوبوں میں منقسم تھا۔ اور ہر صوبہ کی تقسیم متعدد سرکاروں پر مشتمل تھی۔ ان صوبوں کا ذکر اور سرکاروں کی تفصیل ہندوستان کے ان تمام جغرافیائی تاریخوں میں مذکور ہے۔ جو اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ضبط تحریر میں آئی رہیں۔ ان میں غالباً سب سے پہلی کتاب غالباً اخبار النوادر ہے۔ جس کو رائے چھترمن نے نواب غازی الدین خاں بہادر کی

---

[1] تاریخ دلبر جنگی (صفحہ ۲) [2] حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۴۷) [3] مآثر عالمگیری (صفحہ ۲۲۴)۔

فرمائش سے سنہ ۱۱۷۳ھ میں بہ عہد شاہ عالم بادشاہ ثانی تصنیف کیا ہے۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مسودہ منتشر و پراگندہ تھا۔ منشی چندر بھان نے سنہ ۱۲۰۴ھ میں اسے از سرِ نو مرتب کیا۔ اور چہار گلشن اس کا نام رکھا۔ اس میں چار باب ہیں۔ پہلے باب میں ہندوستان کے پندرہ اور دوسرے باب میں دکن کے چھ صوبوں کا بیان ہے۔ تیسرے باب میں ہندوستان کے راستوں کی تفصیل ہے۔ چوتھے باب میں مسلمان اور ہندو فقراء کے مختلف فرقوں کا تذکرہ ہے۔

دوسری کتاب لالہ لچھمی نارائن شفیق کی حقیقت ہائے ہندوستان ہے۔ جو سنہ ۱۲۰۴ھ میں ولیم پیاٹرک کی فرمائش سے بہ مقام حیدرآباد تصنیف ہوئی ہے۔ یہ بھی چار مقالوں میں منقسم ہے پہلے مقالہ میں ہندوستان کے محاصل و مخارج کا گوشوارہ ہے۔ دوسرے اور تیسرے مقالہ میں ہندوستان کے پندرہ اور دکن کے چھ صوبوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے تیسرا مقالہ سلاطین ہند و کے حالات میں ہے۔

تیسری کتاب مورخ قادر خان بیدری کی ہے۔ جو نواب سکندر جاہ آصف جاہ سوم کے عہد میں سنہ ۱۲۴۳ھ میں لکھی گئی ہے۔ اس کی پہلی جلد میں جس کا نام سیر الہند ہے۔ ہندوستان خاص کے پندرہ صوبوں کا ذکر ہے۔ دوسری جلد جو گلگشت دکن کے نام سے موسوم ہے دکن کے چھ صوبجات سے تعلق رکھتی ہے۔

اس سلسلہ میں دو کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں صرف صوبہ جات دکن کا تذکرہ ہے ان میں سوانح دکن مقدم ہے۔ اسے منعم خان اورنگ آبادی نے سنہ ۱۱۷۳ھ میں بہ مقام اورنگ آباد مرتب کیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے صوبہ جات دکن کے حالات اور ان کے بعد نواب آصف جاہ اور ان کے امرائے دربار کا تذکرہ مرقوم ہے۔

دوسری کتاب گلزار آصفیہ ہے جسے حکیم غلام حسین خان نے سنہ ۱۲۴۴ھ میں تصنیف کیا ہے یہ دکن کی عام تاریخ ہے۔ اس میں چار باب ہیں پہلے باب میں سلاطین قطب شاہیہ کا ذکر ہے۔ دوسرے باب میں شاہان آصفیہ کی تاریخ ہے۔ تیسرے باب میں

حیدرآباد کے اعیان و امرا اور دیگر ارباب فضل و کمال کا تذکرہ ہے۔ چوتھے باب میں صوبجات دکن کی تفصیل ہے۔

ان پانچوں کتابوں کو مدنظر رکھ کر ہم نے صوبہ جات دکن اور ان کے جملہ سرکاروں کی ایک فہرست مرتب کی ہے۔ جو ذیل میں درج ہے اس میں سے پرنالہ، واہل، نل کوکن اور جوآر کے چار سرکار خارج کر دینا چاہئے۔ ان کے علاوہ باقی تمام سرکار مملکت آصفیہ میں شامل ہیں۔ صوبہ جات اور سرکاروں کے محل وقوع کو ظاہر کرنے کے لئے ہم نے ایک نقشہ بھی بنادیا ہے اس کی ترتیب و تیاری میں امپیریل گزٹیر کے علاوہ چند خاص خاص نقشوں سے مدد لی ہے۔ جو اب سے سوا سو سال پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں تیار ہوئے۔ ان میں قابل ذکر اور کارآمد نقشہ جے۔ سی۔ واکر کا ہے۔ اس میں وہ تمام واقعات درج ہیں۔ جن کا ذکر مغلوں کی تاریخ میں آیا ہے۔ اس کے بعد ہسٹری آف مدراس آرمی کے نقشوں سے مدد لی ہے۔ ان سے جنوب کے بعض مقامات کا پتہ چلا ہے۔ (نقشہ مملکت آصفیہ اور بقیہ مضمون صفحہ ہذا کا ملاحظہ ہو صفحہ ۵۴ و ۵۵ پر)

(۱) صوبہ خاندیس

اس صوبہ میں چھ سرکار تھے۔ برہان پور مستقر حکومت تھا۔

۱:- سرکار امیر۔	۳۳ محال	۲:- سرکار رگانہ۔	۳۴ محال
۳:- سرکار بیجاگڈھ عرف گھرکول	۲۳ محال	۴:- سرکار کالنہ۔	۷ محال
۵:- سرکار ندبار۔	۶ محال	۶:- سرکار ہانڈیہ۔	۲۷ محال

(۲) صوبہ برار

یہ صوبہ دو حصوں میں منقسم تھا۔

۱:- بالاگھاٹ اس میں پانچ سرکار تھے۔ ۲:- پایان گھاٹ اس میں سات سرکار تھے۔

بالاگھاٹ

۱:- سرکار پاتھری۔ ۱۱ محال — ۲:- سرکار باسم۔ ۹ محال

۳:- سرکار تیبیال باری۔ ۹ محال — ۴:- سرکار ماہور۔ ۱۰ محال

۵:- سرکار مہکر۔ ۲ محال

پایان گھاٹ

۶:- سرکار کادیل۔ ۲۴ محال — ۷:- سرکار کلم۔ ۲۴ محال

۸:- سرکار کھیرلہ۔ ۲۴ محال — ۹:- سرکار نرنالہ۔ ۳۷ محال

۱۰:- سرکار پونار۔ ۴ محال — ۱۱:- سرکار دیوگڈھ عرف اسلام گڈھ۔ ۴۹ محال

۱۲:- سرکار سرپور ۷ محال

(۳) صوبہ اورنگ آباد

اس صوبہ میں بارہ سرکار تھے۔

۱:- سرکار دیوگیر عرف دولت آباد۔ ۷۳ محال — ۲:- سرکار احمد نگر۔ ۱۰ محال

۳:- سرکار پٹن ۳ محال — ۴:- سرکار پینڈہ ۱۹ محال

۵:- سرکار بیڑ۔ ۱ محال — ۶:- سرکار جالنا پور۔ ۱۰ محال

۷:- سرکار سنگمنیر ۱۱ محال — ۸:- سرکار شولاپور۔ ۲ محال

۹:- سرکار دھارور عرف فتح آباد۔ ۱۱ محال — ۱۰:- سرکار جونیر۔ ۲۳ محال

۱۱:- سرکار تل کوکن۔ ۱۴ محال — ۱۲:- سرکار جوار۔ ۳ محال

(۴) صوبۂ محمد آباد بیدر

اس صوبہ میں سات سرکار تھے۔

۱:۔ سرکار بیدر عرف ظفرآباد۔ ۹محال	۲:۔ سرکار انکل کوٹ۔ ۹محال
۳:۔ سرکار کلیان۔ ۲۴محال	۴:۔ سرکار آنگیر عرف فیروز گڈھ۔ ۱محال
۵:۔ سرکار سکیڑ عرف مظفر نگر۔ ۱۴محال	۶:۔ سرکار امر چنیتہ۔ ۱محال
۷:۔ سرکار ناندیڑ۔ ۴۴محال	

(۵) صوبۂ بیجاپور

اس میں اٹھارہ سرکار تھے۔

۱:۔ سرکار بیجاپور ۲۷محال	۲:۔ سرکار گلبرگہ عرف احسن آباد۔ ۱محال
۳:۔ سرکار بیگاؤں عرف اعظم نگر۔ ۱۵محال	۴:۔ سرکار انگلوج عرف سعد نگر۔ ۲محال
۵:۔ سرکار اودنی عرف امتیاز گڈھ۔ ۱محال	۶:۔ سرکار رائچور عرف فیروز نگر۔ ۹محال
۷:۔ سرکار نیکاپور۔ ۲محال	۸:۔ سرکار نورگل۔ ۱۶محال
۹:۔ سرکار سدیال عرف غازیپور۔ ۲۳محال	۱۰:۔ سرکار ملدرگ۔ ۸محال
۱۱:۔ سرکار اکری عرف محمد نگر۔ ۶محال	۱۲:۔ سرکار مدگل۔ ۱۲محال
۱۳:۔ سرکار داپول عرف مصطفیٰ آباد۔ ۹محال	۱۴:۔ سرکار مرج عرف مرتضیٰ آباد۔ ۹محال
۱۵:۔ سرکار نپال عرف نبی شاہ درگ۔ ۹محال	۱۶:۔ سرکار ساگر عرف نصرت آباد۔ ۵محال
۱۷:۔ سرکار رائے باغ ۲محال	۱۸:۔ سرکار نگاسک۔ ۲۵محال

(۶) صوبۂ حیدرآباد

اس صوبہ میں دو تفریق تھے۔

۱:۔ تلنگانہ۔ اس میں بائیس[۲۲] سرکار تھے ۔ ۲:۔ کرناٹک۔ اس میں اکیس[۲۱] سرکار تھے۔

ملک تلنگانہ

۱:۔ سرکار کول کنڈہ عرف محمد نگر۔ ۲ محال
۲:۔ سرکار بھونگیر۔ ۱۱ محال
۳:۔ سرکار دیورکنڈہ۔ ۱۲ محال
۴:۔ سرکار میدک۔ ۱۲ محال
۵:۔ سرکار قلاس۔ ۵ محال
۶:۔ سرکار کھم میٹ۔ ۱۱ محال
۷:۔ سرکار نل گنڈہ ۱۳ محال
۸:۔ سرکار کول کنڈہ۔ ۱۳ محال
۹:۔ سرکار پانگل۔ ۵ محال
۱۰:۔ سرکار کھن پور۔ ۹ محال
۱۱:۔ سرکار ایل گندل۔ ۲۱ محال
۱۲:۔ سرکار آرام گیر۔ ۱ محال
۱۳:۔ سرکار ورنگل۔ ۶ محال
۱۴:۔ سرکار ملنکور۔ ۳ محال
۱۵:۔ سرکار کوندے پلی عرف مصطفیٰ نگر ۲۴ محال
۱۶:۔ سرکار گنٹور عرف مرتضیٰ نگر۔ ۵ محال
۱۷:۔ سرکار ایلور۔ ۲ محال
۱۸:۔ سرکار راج مندری۔ ۲۴ محال
۱۹:۔ سرکار مچھلی پٹن۔ ۸ محال
۲۰:۔ سرکار نظام پٹن۔ ۱ محال
۲۱:۔ سرکار کان الماس ۱ محال
۲۲:۔ سرکار چیکاکول ۱ محال

ملک کرناٹک

علاقہ بالاگھاٹ۔

۲۳:۔ سرکار سدہوٹ۔ ۸ محال
۲۴:۔ سرکار گنجی کوٹہ۔ ۱۵ محال
۲۵:۔ سرکار گوتی۔ ۱۳ محال
۲۶:۔ سرکار کورم کنڈہ۔ ۱۲ محال
۲۷:۔ سرکار کھم۔ ۸ محال

علاقہ پایان گھاٹ

۲۸:۔ سرکار اودگیر ۶ محال	۲۹:۔ سرکار ویلور۔ ۸ محال
۳۰:۔ سرکار پالم کوٹ۔ ۱۳ محال	۳۱:۔ سرکار ترپاتور۔ ۱۰ محال
۳۲:۔ سرکار جگدیو۔ ۱۷ محال	۳۳:۔ سرکار چندراگیری۔ ۱۷ محال
۳۴:۔ سرکار جنگل پیٹ۔ ۳ محال	۳۵:۔ سرکار سرودہ پلی۔ ۳ محال
۳۶:۔ سرکار گنجی۔ ۱۵ محال	۳۷:۔ سرکار ترنا ملی۔ ۱ محال
۳۸:۔ سرکار جنجی عرف نصرت گڑھ۔ ۸ محال	۳۹:۔ سرکار درداور۔ ۹ محال
۴۰:۔ سرکار والکنڈہ۔ ۵ محال	۴۱:۔ سرکار وندیواش۔ ۳ محال
۴۲:۔ سرکار ترجنیا پلی۔ ۱ محال	۴۳:۔ سرکار تنجاور۔ ۱ محال

مختلف کتابوں میں صوبہ جات دکن کے گوشوارے درج ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب آصف جاہ کے عہد میں ان صوبوں سے کم وبیش اٹھارہ کروڑ چالیس لاکھ تینتالیس ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی تھی۔ اس کے علاوہ وہ رقم تھی جو تلنگانہ اور کرناٹک کے راجاؤں اور زمینداروں سے پیش کش میں وصول ہوا کرتی تھی۔

صوبہ خاندیس سے تخمیناً	۵۸۷۸۰۰۰ روپے
صوبہ برار سے تخمیناً	۱۲۷۸۳۰۰۰ روپے
صوبہ اورنگ آباد سے تخمیناً	۱۲۷۷۷۰۰۰ روپے
صوبہ بیدر سے تخمیناً	۶۹۴۲۰۰۰ روپے
صوبہ بیجاپور سے تخمیناً	۷۸۸۱۸۰۰۰ روپے
صوبہ حیدرآباد سے تخمیناً	۶۶۸۴۵۰۰۰ روپے
میزان	۱۸۴۰۴۳۰۰۰

راجگان وزمینداران کرناٹک کا پیش کش تخمیناً

(۵۲۵۶۱۰۰) روپے

راجگان وزمینداران تلنگانہ کا پیش کش تخمیناً

(۶۰۰۰۰۰) روپے

میزان	۵۸۵۶۱۰۰۰
صدر میزان	۲۴۲۶۰۴۰۰۰

چوتھا باب

سلطنت آصفیہ خانہ جنگی کے ابتلا میں

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حضرت آصف جاہ اوّل مرحوم نے جس عظیم الشان سلطنت (دولت تیموریہ) کے بقا کے لئے تمام عمر کوشش کی اور بالآخر اسکی ایک یادگار دکن میں قائم رکھنے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کیں، ابھی اس کی بنیادیں بھی مضبوط نہ ہوئی تھیں کہ خود گھر کے مالکوں نے ہی ان کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا۔

اس خانہ جنگی کی داستان نہایت المناک ہے۔ اور میں اس کی تفاصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ مگر اس قدر کہنے میں مضائقہ نہیں کہ دولت آصفیہ کے آغاز ہی میں اسکی ترقی کی راہ میں جو شخص نہایت خطرناک ثابت ہوا وہ

ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ تھا

یہ حضرت آصف جاہ اوّل مرحوم کے نواسے تھے۔ اور مرحوم نے اپنی زندگی

ہی میں اسے رائچور اور ادہونی کا ناظم مقرر کر دیا تھا۔ نہ صرف اس قدر بلکہ خصوصیت کے ساتھ آپ نے اپنی وصیت[1] میں ان کے متعلق سفارش کی تھی۔ لیکن یہی شخص سب سے اول

کافر نعمت ثابت ہوا

اور اس نے اپنی غیر مآل اندیشی، اور فتنہ انگیزی سے سلطنت آصفیہ کو سخت نقصان پہنچایا۔ یہ ایک واقعہ اور حقیقت ہے کہ اگر مظفر جنگ اپنے نانا کی عطا کردہ حکومت پر قانع رہتا۔ اور اسکی حفاظت اور ترقی میں اپنے بزرگ ماموں نواب ناصر جنگ سے اتحاد رکھ کر کوشاں ہوتا تو

آج دولت آصفیہ کی تاریخ کسی اور رنگ میں لکھی گئی ہوتی

نہ صرف یہ بلکہ میں کہتا ہوں ہندوستان ہی کی تاریخ کی دوسری صورت ہوتی۔ مگر اس حریص، ناداں اور ناتجربہ کار نوجوان نے ایسا رنگ اختیار کیا کہ دولت آصفیہ کے آغاز ہی میں نہ یہ کہ اس کی ترقی کا دائرہ تنگ ہوگیا۔ بلکہ وہ اپنے اصلی حدود میں بھی

حاشیہ[1]۔ وصیت حضرت آصف جاہ اول میں نواب محی الدین خان مظفر جنگ کے متعلق حسب ذیل فقرہ ہے۔ ہدایت محی الدین خان کو (نواب مظفر جنگ جو حضرت آصف جاہ اول کے نواسے تھے اور رائچور اور ادہونی کی حکومت اُن سے متعلق تھی۔ یہ اپنے ماموں نواب ناصر جنگ شہید کے خلاف فرانسیسیوں سے ملکر جنگ کرتے رہے نواب شہید نے ایک جنگ میں شکست دے کر انہیں زندہ گرفتار کر لیا۔ اور کوئی گزند نہ پہنچایا۔ یہ پھر فرانسیسیوں سے مل گئے۔ نواب ناصر جنگ شہید کر ڈالے گئے۔ نواب مظفر جنگ تخت نشین ہو گئے۔ مگر پٹھانوں نے انہیں بھی شہید کر ڈالا) اپنے بیٹوں کی طرح سمجھو اپنی شفقت و عنایت سے اپنا بناؤ۔ اسے برباد کرنے کی فکر نہ کرو۔ (عرفانی)

اور تنگ ہو گئی۔

مظفر جنگ کی شتاب کاری کے عام نتائج

مظفر جنگ۔ کی ان عاجلانہ حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اغیار کا ہاتھ مضبوط ہو گیا۔ اور وہ عناصر جو دولتِ آصفیہ کے اندر آ نہیں سکتے تھے وہ ایک قوت و قدرت کے پیکر ہو کر آ گئے۔

سب سے اوّل یہ موقع فرانسیسیوں کو ملا اور انہوں نے ایک اقتداری حیثیت اختیار کر لی مجھے اس جمال کی کسی قدر تفصیل کرنی چاہیئے۔ تاکہ قارئین کرام اس کو سمجھ سکیں۔

آصف جاہ کی وفات کے بعد | حضرت آصف جاہ اوّل کی وفات کے بعد دولتِ آصفیہ کے تخت پر مرحوم کے دوسرے صاحبزادے نظام الدولہ نواب ناصر جنگ بہادر متمکن ہوئے۔ اس لئے کہ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے نواب فیروز جنگ ثانی تو دہلی میں مقیم تھے۔ تمام خاندانی خطابات ان کو ہی عطا ہو چکے تھے۔ حضرت آصف جاہ اوّل نے دوراندیشی سے دولتِ آصفیہ کو محفوظ رکھنے کے لئے مظفر جنگ اپنے نواسے کو بالا گھاٹ کا ناظم اور کرناٹک کا ناظم انوار الدین خان کو قرار دیا تھا۔ لیکن وفات کے بعد [illegible] حرص و لالچ نے ایک خطرناک انقلاب پیدا کر دیا۔ ناصر جنگ تخت نشین ہو چکے تھے۔ اور ابھی تک دہلی دربار سے تعلقات قائم تھے۔ اس وقت تختِ ہندوستان پر احمد شاہ بادشاہ تھا۔ انہوں نے نواب ناصر جنگ کو دہلی طلب کیا۔ تعمیلِ ارشاد میں نواب ناصر جنگ ایک کثیر لشکر لے کر دہلی کو روانہ ہوئے۔ ابھی دریائے نربدا تک نہ پہنچے تھے کہ طلبی کا فرمان منسوخ ہو گیا اور نواب ناصر جنگ واپس ہوئے۔ نواب ناصر جنگ بہادر نے

سفر دہلی ہی فتنہ کا موجب ہوا

ہدایت محی الدین خاں مظفر جنگ (جو نواب ناصر جنگ کے حقیقی بھانجے تھے) نے یہ سمجھ لیا کہ اب میدان خالی ہے اس لئے بہتر ہے کہ دولت آصفیہ کا اورنگ نشین میں ہی ہو جاؤں۔ حضرت آصفجاہ مرحوم نے مظفر جنگ کی عادات اور اس کے حالات اور عزائم مشومہ پر ایک فریبانہ نظر کر کے اپنی وصیت میں اس کے ساتھ خاص مراعات کا اشارہ کیا تھا۔ اور سعادتمند بیٹے ناصر جنگ نے باپ کی وصیت کا احترام کر کے ہمیشہ اس کی دلداری کو ضروری سمجھا مگر مظفر جنگ اپنے منصوبوں میں مصروف رہا۔ اور اس کے علاوہ مصیبت یہ ہوئی کہ نواب انورالدین خاں ناظم

مظفر جنگ اور چندا صاحب کا اتحاد | کرناٹک کا داماد حسین دولت خاں المعروف چندا صاحب بھی اسی فطرت کا انسان تھا جو مظفر جنگ کو ملی تھی۔

وہ بھی حکومت کے لئے بے حد حریص اور نہایت چالاک و چال باز تھا۔ اس لئے اس مقصد وحید پر مظفر جنگ اور چندا صاحب میں اتحاد غیر طبعی نہ تھا۔ دونوں میں اتحاد ہوا۔ اور اس اتحاد نے سازشوں اور مفسدوں کی ایک نئی اسکیم شروع کر دی۔ چونکہ وہ اپنی قوت و طاقت سے واقف تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ زیادہ دیر تک اس میدان بغاوت میں کھڑے نہ رہ سکیں گے اس لئے اپنی قوت کے استحکام کے لئے ایک

خارجی اور بیرونی طاقت سے ساز باز کیا

فرانسیسیوں سے ساز باز | یہ فرانسیسیوں کی حکومت تھی۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں یورپ کی بعض قومیں تجارتی اغراض کے لئے آ چکی تھیں۔

اور وہ اپنی حفاظت وغیرہ کے خیال سے کچھ فوجیں بھی رکھتی تھیں۔ تاریخ ہندوستان کا یہ زمانہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ ایک طرف وہ دولت اسلامیہ مغلیہ کی بے انتہا روا داری، فیاضی اور وسعت حوصلگی کو ظاہر کرتا ہے دوسری طرف یوروپین قوموں کی سیاست کی بہترین تاریخ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اس تاجر قوم (فرانسیسی) نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور دونوں متحد الاغراض باغیوں کی اعانت کے لئے انہوں نے اندرونی معاہدہ کرلیا۔ اور اس طرح پر

دولت مغلیہ اسلامیہ اور دولت آصفیہ کی جڑوں پر کلہاڑا رکھدیا گیا

اسلامی ہند کی تاریخ میں جن لوگوں کا نام نہایت ذلت کے ساتھ لیا جائیگا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی اغراض مشومہ کے لئے ملت فروشی کی ہیں یہ دونوں نام کسی سے پیچھے نہیں۔

غرض ان دونوں نے فرانسیسیوں سے مل کرایک نیا محاذ قائم کرلیا۔ اور فرانسیسیوں نے ایک فوج ان کے حوالہ کردی۔ جس میں چار سو یوروپین اور دو ہزار منظم سپاہی تھے۔

فرانسیسی فوجیں اعلیٰ درجہ کی نبرد آزما اور قواعد جنگ سے پوری ماہر تھیں۔ مظفر جنگ اور چندا صاحب نے ان بیرونی فوجوں کی قوت کے بل بوتے پر اتراتے ہوئے۔

کرناٹک پر حملہ کردیا تاکہ علم خود مختاری بلند کریں

خدا تعالیٰ کی مشیت کچھ اور چاہتی تھی، انوارالدین خان مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ مگر شکست کھائی اور میدان جنگ میں ہی مارا گیا۔

ناصر جنگ کا حملہ | جب نواب ناصر جنگ کو اس شکست کی خبر پہنچی تو قدرتی طور پر اسے صدمہ ہوا اور خود بہ نفسِ نفیس اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر لیکر نکل پڑا، انگریز فرانسیسیوں کے اقتدار اور اثر کو کب پسند کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے پتنگ کی ڈور بڑھانے کا بہترین موقعہ پایا اور اپنی خدمات نواب ناصر جنگ کے پیش کر دیں۔ اور اس طرح پر ایک انگریزی دستہ بھی امداد و اعانت کے لئے افواج ناصریہ کے ساتھ ہو گیا۔ مقصد جو کچھ تھا وہ ظاہر ہے۔

ایک دردمند مسلمان تاریخ کے جب اس دور سے گذرتا ہے۔ تو اس کی آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں۔ اور وہ نہایت افسوس اور حسرت سے کہتا ہے آہ!

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

نہ بیہ بد نہاد پیدا ہوتے۔ اور نہ اس فتنہ کو پیدا ہونے کا موقعہ ملتا۔ القصہ ناصر جنگ اس لشکر کو لیکر آگے بڑھا۔ اگر زمینی طاقت اور اسباب ہی پر بھروسہ ہوتا۔ اور اسی کے ذریعہ فیصلہ ہونے والا ہوتا تو حالات خوشگوار نہ تھے۔ مگر خدائے تعالےٰ نے پھر اپنی قدرت کا ایک کرشمہ دکھایا۔ اور دشمن کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی۔

دشمنوں میں پھوٹ | مظفر جنگ اور چندا صاحب کی متحدہ فوج کا سپہ سالار فرانسیسی جنرل ڈوپلے تھا۔ ابھی لڑائی شروع نہ ہوئی تھی کہ فرانسیسی لشکر کے افسروں اور مظفر جنگ اور چندا صاحب سے جھگڑا ہو گیا۔ اور وہ ناراض ہو کر پانڈی چیری کو چل دئے چندا صاحب بھی ان کے ساتھ ہی ہو لیے انہیں خیال تھا کہ ایسا نہیں ہونے دیا جائیگا۔ اور وہ جس طرح چاہیں گے۔ اس پھوٹ نے کام کیا مظفر جنگ اکیلا رہ گیا اور اس کے لئے چارہ نہ تھا

کہ اپنے آپکو واجب الاحترام ماموں کے سپرد کردے

ناصر جنگ کی فیاضی اور عفو کاری | میر غلام علی آزاد بلگرامی ناصر جنگ کے عمائد خاص میں سے تھے

انہوں نے اپنے آقا کے حالات لکھتے ہوئے مآثر کلام میں لکھا ہے کہ نواب ناصر جنگ نے لَا تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کو مدنظر رکھتے ہوئے مظفر جنگ کو معاف کر دیا اور کوئی گزند نہ پہنچایا۔ اس طرح پر انہوں نے واجب الاحترام باپ کی وصیت کا بھی عملی احترام کیا۔ اور ان کے مصاحبوں اور لشکریوں کو بھی امان دیدی اگرچہ نواب ناصر جنگ کے مشیران با تدبیر ان کے مخالف تھے اور بار بار اس امر پر زور دیتے تھے کہ

مظفر جنگ کو زندہ رکھنا فتنہ و فساد کو قائم رکھنا ہے

مگر ناصر جنگ نے جو امان دی تھی اسے واپس نہ لیا۔

فرانسیسیوں کا حملہ اور ناصر جنگ کی شہادت فرانسیسیوں نے سیاسی حالت کو بخوبی سمجھ لیا تھا. اور وہ حکومت آصفی کے اس وقت کے بعض نمک حرام اہلکاروں اور غداروں کی فطرت کا بھی مطالعہ کر چکے تھے اس لئے انہوں نے پھر ڈوپلے کی سرکردگی میں حملہ کر کے جنجی کے قلعہ کو فتح کر کے قبضہ کر لیا۔

واقعات کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ فرانسیسیوں نے یہ حملہ کیا ہی اس وقت تھا جب وہ بعض غداران ملت کو خرید کر مطمئن ہو چکے تھے۔ نواب ناصر جنگ نے فرانسیسی اقتدار کو اس طرح بڑھتے دیکھ کر فوراً تلافی مافات کے لئے جودلی حملہ کا عزم کر لیا۔ موسم نہایت مخالف تھا۔ اس لئے کہ بارش سخت ہو رہی تھی۔ اور دریاؤں میں اس قدر تلاطم تھا کہ وہ ناقابل عبور تھے مگر بلند ہمت ناصر جنگ نے ان مشکلات کو دیکھتے ہوئے بھی آگے بڑھنے کے لئے قدم اٹھایا۔ مگر پھر ایسی مصیبت نے اس پر حملہ کیا کہ

ہمراہی افغانوں نے فرانسیسیوں سے ساز باز کر لیا

اور ملت فروشی کا وعدہ کر کے اپنے ضمیر کا خون کیا۔ اور عاقبت کو تباہ و برباد کر لیا

وہ لالچ کا شکار ہوئے۔ اور آقائے ولی نعمت کے ساتھ نمک حرامی اور غداری کی
اس موقعہ پر مخلصین کی ایک جماعت نے جو معدودے چند آدمیوں پر مشتمل تھی۔
ناصر جنگ کو بر وقت آگاہ کیا کہ افغان غداری اور بے وفائی کر رہے ہیں۔
ان پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ لیکن نیکدل ناصر جنگ نے کہا کہ میں نے ان کے ساتھ کوئی
برائی نہیں کی۔ وہ کیوں غداری کریں گے؟ حالانکہ وہ ملت فروش سودا کر چکے تھے۔ اور
متاع ایمان واخلاص سونے چاندی کے کچھ سکوں پر فرانس کے کافروں کے ہاتھ بیچ
چکے تھے۔ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۔

ان غداروں نے فرانسیسیوں کے پاس جاسوس بھیجکر انہیں شب خون پر آمادہ
کرلیا۔ چنانچہ محرم کی ساتویں شب کو فرانسیسی افواج نے شب خون مارا۔ اور ناصر جنگ خود
ہاتھی پر سوار ہوکر افغانوں کی طرف بڑھے۔ ہمت خان نواب کرنول کو دیکھ کر نواب
ناصر جنگ نے تواضع کے طور پر "سلام علیکم" میں اقدام کیا۔ مگر اس خائن وغدار نے جواب نہ
دیا۔ بھولا ناصر جنگ سمجھا کہ اس نے پہچانا نہیں۔ رات کا وقت اور تاریکی ہے۔ اس لئے ہودج
سے کسی قدر بلند ہوئے۔ تاکہ ہمت خان اسے شناخت کرلے۔ مگر اس ضمن ہمت غدار
اور اس کے رفیق کی گولیوں کی بوچھاڑ ناصر جنگ پر پڑی۔ اور وہ اس کے جسم سے
پار گئیں۔

اور فوراً ہی نواب ناصر جنگ کی روح قفس عنصری پرواز کرگئی

افغانوں نے اس واقعہ کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور شہید نواب کا سر کاٹ
کر نیزے پر بلند کیا۔
ناصر جنگ کی فوج نے جب آقا کے سر کو نیزے پر دیکھا تو اس کا قدرتی اثر
یہ تھا کہ۔

وہ منتشر ہو گئی

یہ ۵ رڈسمبر ۱۷۵۰ء کا واقعہ ہے۔

فرانسیسیوں کی دوسری فسوں گری | ناصر جنگ کی شہادت شکست کا اعلان تھی۔
فرانسیسیوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور مظفر جنگ کے فتنہ سے محفوظ رہنے کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ اس کی امارت کا اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ ڈوپلے نے فوراً

مظفر جنگ کی امارت کا اعلان کر دیا

جو اس وقت اپنے ماموں کے خیمہ میں موجود تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ ناصر جنگ شہید نے بیس لاکھ پونڈ کے قریب نقد اور جواہرات کی شکل میں چھوڑے تھے جو مظفر جنگ کے قبضہ میں آئے۔ اور اس نے اپنے رفیقوں کے طرفداروں کو تقسیم کئے۔ اور ڈوپلے کو ہفت ہزاری منصب عطا کیا۔

مظفر جنگ کا انجام | نواب ناصر جنگ کی شہادت کے بعد امارت کی گدی پر بیٹھے ہوئے ابھی دو ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ عزیز ذو انتقام خدا کی قہری تجلی نے ایک دوسرا کرشمہ دکھلایا۔

جنوری ۱۷۵۱ء کا واقعہ ہے کہ مظفر جنگ پانڈی چری سے حیدرآباد کی طرف آرہا تھا اور فرانسیسی فوج بھی ساتھ تھی۔ اور وہ انہی حدود میں داخل ہوا جہاں افغانوں نے اپنے آقا مظفر جنگ سے غدر اور اپنی محسن کشی کا مظاہرہ کیا تھا۔ مظفر جنگ نے ان افغانوں کو حسب دلخواہ انعام تو دیا نہ تھا۔ اور وہ اندر ہی اندر اس کے شاکی اور مخالف تھے۔ انہیں ذاتی طور پر مظفر جنگ سے کوئی اخلاص اور ہمدردی نہ تھی۔ وہ تو ملت فروش طماع تھے جب اپنی مرادوں میں ناکام رہے تو انہوں نے موقعہ کا

انتظار کیا۔

مظفر جنگ کی فوج کے کچھ سپاہیوں نے ایک موضع کو لوٹ لیا۔ افغان تو موقعہ ہی کے منتظر تھے۔

کڈاپہ کے افغان نواب نے مظفر جنگ کی فوج پر حملہ کر دیا مظفر جنگ اس وقت کامرانی کے نشہ میں مست و مدہوش تھا۔ اگر وہ عقل و انصاف سے کام لیتا تو اپنے سپاہیوں کو ملزم کرتا۔ مگر اس کا غصہ تیز ہوگیا۔ اور اپنی فوج پر حملہ اس نے اپنی توہین سمجھا۔ اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ افواج کڈاپہ کو فنا کر دو۔ کڈاپہ کی فوج کو شکست ہوگئی۔ لیکن اسی شکست میں

مظفر جنگ کا خاتمہ مخفی تھا

وہ اس فتح کے نشہ میں اور بھی سرشار ہوگیا۔ اور اپنی فوج سے الگ ہو کر ایک قلیل جماعت کے ساتھ جا رہا تھا۔ اور افغانوں کو پتہ چل گیا۔ اور ان کا وار کاری پڑا۔ انہوں نے

مظفر جنگ اور اسکے تمام ساتھیوں کو وہیں قتل کر ڈالا

اس طرح پر ابھی دو ماہ بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ مظفر جنگ ہلاک ہوگیا۔ آہ!

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

مولانا آزاد بلگرامی نے بھی مظفر جنگ کی موت کو نواب ناصر جنگ کی شہادت کا آسمانی انتقام کہتے ہوئے آو پر کا شعر لکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے بالواسطہ یا بلا واسطہ نواب ناصر جنگ شہید کی شہادت میں حصہ لیا اور ان سے غدر کر کے نمک فروشی کی۔ وہ سب کے سب یکے بعد دیگرے بہت جلد ہلاک ہو گئے۔

ان واقعات اور حالات کو دیدۂ عبرت کھول کر پڑھو۔ کہ کس طرح سلطنتیں اندرونی غداریوں سے تباہ ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو قرآن کریم نے اتحادِ ملت کی جو تعلیم دی ہے۔ وہ جب کبھی ان کی نظروں سے عملاً دور ہوئی۔ انہوں نے ٹھوکر کھائی ہیں پھر دردمندوں سے کہتا ہوں کہ اگر یہ اندرونی غداریاں اور ریشہ دوانیاں اور عزیزوں سے سازشیں نہ ہوتیں تو

دولت آصفیہ اور ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی

فرانسیسی اقتدار بڑھنے لگا | مظفر جنگ کی وفات کے بعد پھر سریرآرائے حکومت کی تلاش ہوئی۔ مظفر جنگ کا بچہ تو بہت ہی چھوٹا تھا۔ اس کا انتخاب سخت مضر ہوتا۔ اور فرانسیسی یہ بھی جانتے تھے۔ کہ قدرتی طور پر ناصر جنگ کے بھائی اپنے آبائی تخت کیلئے جدوجہد کریں گے۔ اس لئے انہوں نے فوراً ہی ناصر جنگ شہید کے بھائی صلابت جنگ کی نوابی کا اعلان کر دیا۔ اور ان کی امارت کو تسلیم کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی اقتدار پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔ اور یوں کہنا چاہیئے کہ دولت آصفیہ کا عزل و نصب گویا فرانسیسی ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اپنی تدبیروں میں شبانہ روز مصروف تھے۔

فیروز جنگ ثانی کی آمد | ابھی اثنا میں جب دکن کے حالات کی رپورٹیں دہلی پہنچیں تو آصف جاہ اول کے فرزند اکبر غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ ثانی دکن کی صوبہ داری کا فرمان لے کر دکن کو روانہ ہوئے۔ ان کی آمد کی خبریں جب مشہور ہوئیں تو صلابت جنگ کو اپنی امارت اور فرانسیسیوں کی سیادت کے جانے کا خطرہ ہوا۔ اور وہ آنے والے واقعات کے انسداد کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے۔ تجویز یہ کی گئی کہ اورنگ آباد ہی کے مقام پر اسے روکا جائے اور مقابلہ کیا جائے۔

چنانچہ صلابت جنگ فرانسیسی کمانڈر کو ساتھ لیکر اورنگ آباد کی طرف چلدیا۔

ادھر فیروز جنگ ثانی جانتا تھا کہ اس وقت مرہٹوں سے برسرپیکار ہونا ٹھیک نہیں
اس نے پیشوا سے ایک معاہدہ کرلیا۔ اور اس معاہدے کی رو سے بھی فیروز جنگ ثانی
سنبھلے بھی نہ تھے۔ بالاجی راؤ نے اورنگ آباد پر چڑھائی کردی۔ صلابت جنگ اور
فرانسیسی کمانڈر نے پیشوا کا مقابلہ کیا۔ اور ۲۲ جولائی ۱۷۵۲ء سے لیکر آخر دسمبر ۱۷۵۲ء تک
طرفین میں جھڑپیں ہوتی رہیں اور آخر صلح ہوگئی۔ اس موقع پر پھر

خانہ جنگی کا ایک اور کرشمہ ظاہر ہوا

نکتہ رس مدبر جو ملت کے عروج و اقبال اور اس کے زوال و ہزال کی
تاریخ افرادِ ملت کے افعال اور نتائج میں پڑھتے ہیں، اس مصالحت میں غداری
کے جراثیم کو دیکھتے ہیں۔

غازی الدین فیروز جنگ ثانی اورنگ آباد پہنچ گیا۔ مگر یہاں پہنچتے ہی اس کا
انتقال ہوگیا۔ اس کی موت کی کچھ بھی تعبیر کی جائے۔ اس وقت کے مورخین کو بھی
اس موت میں سازش اور زہرخورانی کے کیڑے نظر آتے ہیں۔

یہ سب خانہ جنگی کے تباہ کن نتائج ہیں اور دوسروں کے ہاتھ میں آلہ کار بن کر
اپنی جڑوں کو کاٹنا ہے۔

فرانسیسیوں کی مخالفت کے رنگ میں نئے فتنہ کا آغاز

فرانسیسیوں کے اقتدار کے نتائج
کو سب محسوس کرتے تھے۔ مگر اب یہ بس کی بات نہ تھی صلابت جنگ کو اب کسی
اندرونی یا بیرونی حملہ کا تو بظاہر خوف نہ تھا۔ مگر اس اقتدار کو بھی روح فرسا پاتا تھا
گو زبان سے نہیں کہتا تھا صلابت جنگ کا دیوانِ سلطنت سید لشکر خان تھا
اس نے اس مصیبت کا سب سے بڑھکر احساس کیا۔ اور اس نے عزم کرلیا کہ اس بیرونی
عنصر کو باہر نکال دے۔ بسی جو فرانسیسی فوج کا کمانڈر تھا۔ وہ بیمار ہوکر مسولی پٹم تبدیل

آب و ہوا کے لئے چلا گیا تھا لشکر خان نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ فرانسیسی افواج کی تنخواہ کا بقایا تھا اس نے یہ تجویز کی کہ فرانسیسی ہی مالیہ وصول کریں۔ اور اس میں سے اپنا حق لیکر بقایا خزانہ سرکار میں داخل کریں ممکن ہے اس وقت کی سیاست میں یہ بہترین تجویز ہو۔ مگر آج تو اس پر بہت سخت نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ فرانسیسی اس پر راضی ہو گئے۔ اور انہوں نے تحصیل کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے بعد سید لشکر خان نواب صلابت جنگ کو ہمراہ لے کر اورنگ آباد چلے گئے۔ اور تھوڑی سی فوج ساتھ لے گئے۔ باقی فرانسیسی فوج کو تنخواہ نہ دینے کی ہدایات دیدیں بسے کو جب اس قسم کی اطلاعات پہنچیں تو باوجود بیمار ہونے کے فوراً حیدرآباد آیا۔ اور فوج لے کر اورنگ آباد پہنچا۔ لشکر خان نے اپنی تجویز کی ناکامی اور کمزوری کو محسوس کر لیا۔ اور اپنے انجام بد سے ڈر کر صلح کر لی اور دوسرے روز لشکر خان اور صلابت جنگ نے اپنے تنخواہ دار فرانسیسی کا استقبال کیا۔ اور اسے نذرانہ دینے کے علاوہ مصطفیٰ نگر، ایلور، راج منڈری اور چکاکولی کے علاقے فرانسیسی فوج کے خرچ کے لئے دیدیئے گئے۔ یہ علاقے شمالی سرکار کہلاتے تھے۔ اور ان کا مالیہ اکتیس لاکھ کے قریب تھا۔

انگریزی اقتدار کا آغاز

انگریز مدبر فرانسیسی قوم کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو مشکوک نظروں سے دیکھتے تھے اور وہ اس فکر میں تھے کہ موقعہ ملے تو ان کے اقتدار کو کم کر کے اپنا اثر پیدا کریں۔ اس وقت ساحل کارومنڈل پر چھ سو میل لمبا علاقہ فرانسیسی قبضہ میں تھا۔ اور دکن میں یہی سب سے بڑی سلطنت سمجھی جاتی تھی۔

۱۷۵۶ء میں یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں بھی دونوں قومیں میدان جنگ میں

نکل آئیں۔

انگریزی فوج کے سردار کرنل فورڈ کو موقعہ مل گیا۔ اور اس نے شمالی سرکار پر حملہ کرکے فرانسیسیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ یہ وہی علاقہ تھا جو نواب صلابت جنگ نے فرانسیسیوں کو دیا تھا۔ اب جب کہ یہ علاقہ انگریزوں کے قبضہ میں جا رہا تھا۔ نواب صلابت جنگ نے انگریزوں کو مسولی پٹم کی مشہور بندرگاہ اور اردگرد کا علاقہ دیکر شمالی سرکار کو نذرانہ بچالیا۔

آج مسولی پٹم کے چلے جانے کا جو صدمہ اور احساس ہے اسے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے۔ جو دولت آصفیہ کے ساتھ ارادت اور اخلاص رکھتا ہے۔

بہرحال اسی سلسلہ میں انگریزی اقتدار کا آغاز ہوا۔ اور فرانسیسیوں کو نکالنے کی کوششوں میں ایک نیا رنگ پیدا ہوگیا۔ اس وقت دولت آصفیہ کی وزارت کا قلمدان شاہ نواز خان صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ نواب شاہ نواز خان صاحب اپنے پیشرو وزیر اعظم یا مدار المہام نواب سید لشکر خان کی طرح اسی پالیسی پر عمل پیرا تھا کہ اغیار کے اثر سے دولت آصفیہ کو پاک کیا جائے۔ سنہ ۱۷۵۵ء میں نواب لشکر خان کی معزولی پر مقرر ہوئے۔ اور انہوں نے بھی فرانسیسیوں کے نکالنے کی اسکیم کو زیر نظر رکھا۔

نواب شاہ نواز خان نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک وقت جب کہ نواب صلابت جنگ اورنگ آباد میں تھے انہیں اس بات پر آمادہ کرلیا کہ بسی کو فوج سمیت ملازمت سے علیحدہ کردیں۔ مگر وہ آٹھ سو فرنگیوں اور پانچ ہزار سپاہیوں کی جمعیت لیکر حیدرآباد پر حملہ آور ہوگیا اور ۵ جولائی کو چار مینار پر قبضہ کرکے قلب شہر میں بیٹھ گیا۔ جب پانڈیچری اس کی خبر پہنچی تو وہاں سے اس کی امداد کے لئے فوج بھیجدی گئی۔ اس فوج کے پہنچنے پر وہ

دوبارہ اپنے منصب پر فائز ہوگیا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گیا۔
کہ نواب شاہ نواز خان جیسے جلیل الشان اور خیر خواہ ملک مدار المہام کو معزول
کر کے قید کرا دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ وہ ۱۷۵۸ء میں معزول ہوئے اور قید ہو کر دولت آباد کے قلعہ میں بھیج دیئے گئے۔
نواب صلابت جنگ کے خلاف اورنگ آباد میں ایک سازش کا پتہ نکالا گیا۔
اور اس میں فرانسیسی سپہ سالار کی خدمات کا اعتراف کیا گیا اور اس کا نتیجہ

ایک محسن الملک کی ہلاکت ہوئی

مگر نواب شاہ نواز خان کی معصومیت بھی رنگ لائے بغیر نہ رہی بسے کو فرانسیسی
گورنر جنرل ہند نے واپس بلا لیا۔ اور اس کا قائم مقام اتنا مدبر اور زمانہ ساز نہ تھا۔ وہ انگریزی
فوج کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا اور آخر شکست کھائی۔ اور انگریزوں کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ
ہوگیا جسنے دولت آصفیہ میں فرانسیسی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ اور انگریزی اقتدار کا
سلسلہ جاری ہوگیا۔ اس معاہدہ کی بڑی شرط یہ تھی۔

آئندہ کسی فرانسیسی کو سرکار آصفیہ میں ملازمت نہ دیجائیگی

ایک طرف یہ حالات درپیش تھے دوسری طرف نظام علیخان نے جو نواب صلابت جنگ بہادر
کے چھوٹے بھائی تھے اورنگ آباد سے نکلکر حیدر آباد پر حملہ کر دیا۔
نظام علیخان کی یہ نقل و حرکت کسی غدارانہ پالیسی پر مبنی نہ تھی۔ بلکہ وہ دیکھتا تھا
کہ نواب صلابت جنگ نے جو راستہ اختیار کیا ہوا ہے وہ ایک دن دولت آصفیہ
کو تباہ کر دے گا۔ اس لئے انہوں نے اس کے سوا چارہ کار نہ دیکھا۔ چونکہ جنگ اور وہ بھی
خانہ جنگی مقصود نہ تھی۔ اس لئے اس کشمکش کا خاتمہ ہو گیا۔
دولت آصفیہ پر ابتلا کی گھٹائیں | اس قسم کی اندرونی نزاعوں اور خانہ جنگیوں کو دیکھکر

دشمنوں نے بھی خوب موقعہ پایا۔ مرہٹے تو اس وقت کے منتظر ہی تھے۔ احمد نگر کا قلعہ دار پہلے ہی قلعہ ان کے حوالہ کر چکا تھا۔ ادھر یہ حالت تھی کہ صلابت جنگ اور نظام علیخان اس وقت جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ اور وہ یونہی ملک دشمن کے حوالہ بھی نہ کر سکتے تھے اس لئے دونوں بھائی فوج لیکر بیدر کی طرف روانہ ہوئے۔

پیشوا کو جب ان کی نقل و حرکت کی خبریں معلوم ہوئیں تو وہ ایک کثیر فوج لیکر حملہ آور ہوگیا۔ اس موقعہ پر ابراہیم خان گردی جس نے نرمل میں اعلیٰ درجہ کی بندوقوں اور توپوں کا کارخانہ قائم کیا ہوا تھا پیشوا سے مل گیا۔ اس موقعہ پر جنگ خطرناک تھی اس لئے نظام علیخان نے چاہا کہ صلح کے ساتھ اس وقت کو ٹلا دیا جائے۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر وہ مجبوراً میدان میں اترے اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قوم فروش اور غدار ابراہیم خان کی فوج پر حملہ کر کے اسے تباہ کر ڈالا کامیابی تو ہوئی مگر ایسی نہ تھی کہ مرہٹوں کے سیلاب کے لئے یہ سدِّ باب ہو سکتی۔

نواب نظام علیخاں کی اصابت رائے اور تدبر نے پھر معاملہ کو صلح کی طرف لانا مناسب سمجھا۔ اور اس میں کامیابی ہوگئی۔ معاہدے کی رو سے دولت آباد اسیر گڈھ اور بیجاپور وغیرہ کے علاقے جن کا مالیہ ۶۲ لاکھ کے قریب تھا۔ مرہٹوں کو دیدئے گئے۔ مگر اس نے تباہ کن جنگ کے اثرات سے دولت آصفیہ کو بچا لیا۔ یہ زمانہ سلطنت آصفیہ کے لئے بہت بڑے ابتلا کا زمانہ تھا۔ اور ہر وقت زندگی اور موت کا سوال در پیش تھا۔ اسی اثناء میں ۱۷۶۱ء میں خدا تعالےٰ نے

ایک رحمت کا فرشتہ نازل کردیا

یہ احمد شاہ ابدالی تھا جس نے ہندوستان پر حملہ کر کے پانی پت کے میدان پر مرہٹوں کو نہ صرف شکست دی۔

بلکہ ہمیشہ کیلئے ان کی جنگی طاقت کا خاتمہ کر دیا

نظام علیخاں کی مساعیٔ جمیلہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر نواب نظام علیخاں نے اپنے آبائی سلطنت کے کھوئے ہوئے حصّوں کو واپس لینے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ اس نے مرہٹوں کے دارالحکومت پونا پر حملہ کر دیا۔ اور یہ حملہ ایسا خطرناک تھا کہ مرہٹوں کی جنگی قوم نے اپنی بے بسی کو محسوس کر کے صلح کا پیام دیا۔ سیاسی نقطہ خیال سے نواب نظام علیخاں کی یہ ایک غلطی سمجھی جائے گی کہ اس موقعہ کی برکت سے انھوں نے پورا فائدہ نہ اٹھایا۔ مگر مذہبی نقطہ خیال سے نواب نظام علیخاں نے ایک۔

سچے مسلم کا نمونہ دکھایا

اور الصلح خیر سے اصل کو مقدم کر لیا۔ مگر شرائط صلح میں انھوں نے اپنے سارے کھوئے ہوئے۔ علاقہ کی واپسی کو پیش کیا لیکن آخر ۲۷ لاکھ کا علاقہ واپس لے کر صلح کر لی۔

نواب نظام علیخان کی کامیابی

اس وقت تک نواب نظام علیخاں دیکھ چکے تھے کہ حکومت کا انتظام صلابت جنگ کی کمزور طبیعت کے بس کا نہیں اور اگر ایک زبردست ہاتھ اس کو نہ سنبھالے گا تو خطرہ ہے کہ مرہٹوں اور بیرونی دشمنوں کی سازشیں دولت آصفیہ کو ختم کر دیں۔ اس لئے نواب نظام علیخاں نے اپنے آبائی تاج و تخت کی حفاظت کے لئے اسی کو حقیقی وفاداری سمجھا کہ عنان حکومت براہ راست

اپنے ہاتھ میں لیں، کیونکہ اس وقت تک وہ آزادی کے ساتھ اندرونی و بیرونی دشمنوں کی تدابیر مکائد کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اور نیز دربار کی اندرونی سازشوں پر بھی کوئی موثر قوت نہ ہوگی۔
یہ حالات تھے جنھوں نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ اپنے بھائی نواب صلابت جنگ کو معزول کر دیں۔ اور خود نظام حکومت کی رہنمائی کریں، چنانچہ معاہدہ پونا کے بعد انہوں نے صلابت جنگ کو معزول کر دیا۔ اور بیدر کے قلعہ میں بھیجدیا۔ اور آپ سریر آرائے دولت آصفیہ ہوئے۔ اور اب تک آپ ہی کی اولاد آصفی کنگڈم کی بادشاہ ہے۔
اس طرح پر حقیقی معنوں میں دولت آصفیہ کا بانی

میر نظام علیخان ہے (رحمتہ اللہ علیہ)

پانچواں باب

سلطنت آصفیہ کی تعمیر کا آغاز

جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں دولت آصفیہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اسی نکتہ پر آتا ہے کہ حقیقی معنوں میں دولت آصفیہ کی تعمیر کا آغاز میر نظام علیخان آصف جاہ ثانی کے عہد میں ہوا۔
حکومت کی اہلیت اور حکمرانی کا دماغ اور قوت ایک ایسی شئے ہے جو ہر اس
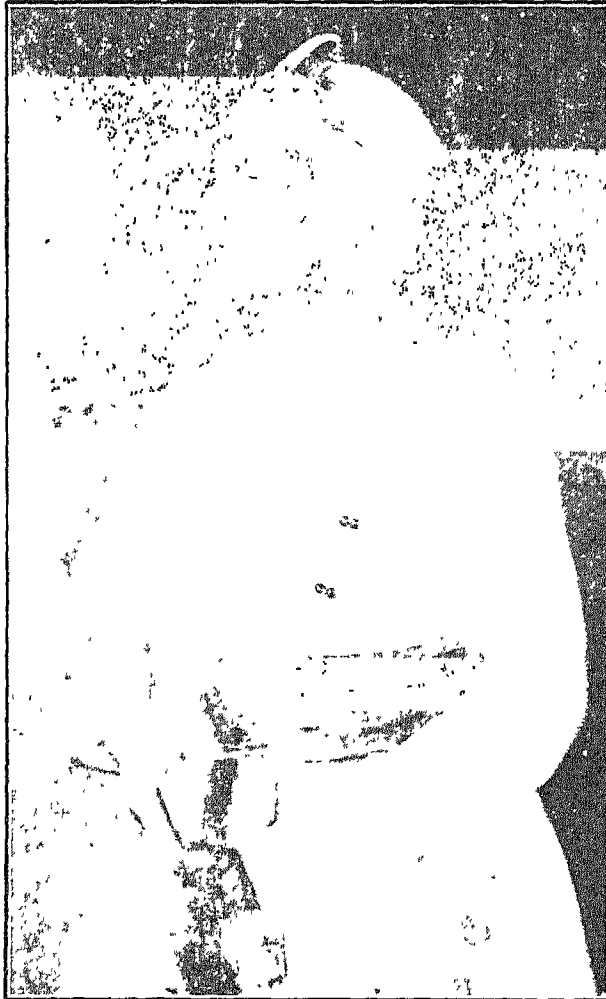
نواب میر نظام علی خاں بہادر آصف جاہ ثانی

شخص کو ملنا ضروری نہیں جو بادشاہ کے گھر میں پیدا ہو۔ یا یہ حیثیت ولیعہد ہی پیدا ہو۔ بلکہ یہ ایک خداداد نعمت ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیدیتا ہے۔

حضرت میر نظام علیخاں صاحب جو آصف جاہ ثانی کے لقب سے ملقب ہوئے اور جنھوں نے دولت آصفیہ کی تعمیر میں حیرت انگیز حصہ لیا۔ حضرت آصف جاہ اوّل کے چوتھے صاحبزادے تھے جو ۱۷۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ ہجری تاریخوں کے لحاظ سے ان کی پیدائش کا سنہ یکم شوال ۱۱۴۶ھ بتایا جاتا ہے۔

ان کا نام نظام علیخاں رکھا گیا۔ لیکن بعض مورخوں کا خیال ہے کہ ان کا نام حفیظ الدین خان تھا جس سے تاریخ بھی نکلتی ہے۔ میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا وہ تاریخ میں نظام علیخاں کے نام سے مشہور ہیں۔

وہ فطرتاً بڑے بہادر، اولوالعزم، مدبّر اور دور اندیش تھے۔ اگر آصف جاہ اوّل کی وفات پر سلطنت آصفیہ خانہ جنگی کی مصیبتوں میں مبتلا نہ ہوجاتی اور شروع ہی سے حضرت میر نظام علیخاں اورنگ نشین ہوتے تو ان کی حکمرانی کا زمانہ نہایت شاندار ہوتا۔ اور سلطنت آصفیہ کی تاریخ کی صورت ہی دوسری ہوتی۔ لیکن خدا تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت خانہ جنگی کا ابتلا آیا اور خطرناک طور پر آیا۔ مگر میر نظام علیخاں کی بہادری، جراءت اور اولوالعزمی نے سلطنت کو جانے سے بچالیا۔ اندرونی فتنہ پردازی ہی کم نہ تھی۔ کہ بیرونی دشمنوں نے بھی موقعہ کی نزاکت سے فائدہ اٹھایا۔ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اسے فنا کردینی چاہتی تھی۔ فرانسیسیوں اور انگریزوں کی رقابت بھی اس حکومت پر موثر تھی۔ ابتداً فرانسیسیوں نے اپنا رسوخ بڑھایا۔ اور بالاخر انگریز دولت آصفیہ میں دخل پانے میں کامیاب ہوگئے۔ اور اس طرح پر میر نظام علیخاں کے لئے صرف ہمت اور جراءت سے ہی کام نہیں بنا تھا، بلکہ یہاں ایک اولوالعزم و دور اندیش مدبّر کی حیثیت سے بھی نمودار ہونا تھا۔ اور جہاں تک ان کی قابلیت کا سوال ہے وہ اس خصوص میں کامیاب ہوئے اور انھوں نے

نہ صرف سلطنت آصفیہ کو فنا ہونے سے بچا لیا بلکہ اُس کی بنیادوں کو مضبوط اور مستحکم بنا دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس سلوک سے محفوظ رہی۔ جو ۱۸۵۶ء میں لکھنؤ کے ساتھ ہوا!

میر نظام علیخاں کی مدبرانہ حیثیت

جیسا کہ میں نے شروع میں ہی لکھا ہے میر نظام علیخاں اپنے باپ کے چوتھے بیٹے ہونے کی وجہ سے تخت و تاج کے مالک نہ تھے۔ انہیں حکومت اپنی قابلیت اور لیاقت سے ملی۔ ان کی مدبرانہ شان کا ہر رنگ میں نمایاں مظاہرہ ہوا وہ ایک جری دل اپنے پہلو میں رکھتے تھے اور حقیقی معنوں میں شجاع تھے۔ وہ اسی وقت تخت نشین ہو گئے ہوتے جب انہوں نے نواب مظفر جنگ کے وقت پٹھانوں کے فتنہ کو فرو کیا۔ اور جس میں داد شجاعت دیتے ہوئے وہ خود بھی زخمی ہو گئے تھے۔ اراکین دربار انہیں اس قابل سمجھتے تھے۔ لیکن نواب شیر جنگ، منیر الملک کے دادا نے اسے مصلحت اور رواج کے خلاف سمجھا۔ اور نواب صلابت جنگ کو مسند نشین کر دیا۔ نواب صلابت جنگ کے عہد کی حالت، اندرونی اور بیرونی ریشہ دوانیوں کا ذکر میں چوتھے باب میں کر آیا ہوں۔ ایسے نازک ماحول میں میر نظام علیخاں کی فراست اور سیاسی تدبر کی آزمائش ہو رہی تھی اور یہ انکی قابلیت اور معاملہ فہمی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ

سلطنت آصفیہ کو فنا ہونے سے بچا سکے

مرہٹے اور میر نظام علیخان

میر نظام علیخان نے بیرونی دشمنوں سے مرہٹوں کو دیکھا کہ وہ دولت آصفیہ کو ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان میں بھی کچھ خانگی نزاعات تھیں۔ مدبر اعظم میر نظام علیخاں نے ان اندرونی نزاعوں سے فائدہ اٹھایا اور یہ فائدہ ایسے رنگ میں نہیں اٹھانا چاہا جو سیاسی اخلاق سے ہمیشہ درست اور صحیح یقین کیا جاتا۔ مگر ایک مخلص مسلمان کی عام اخلاقی شان سے شاید مناسب نہ ہوتا۔

میر نظام علیخاں نے اس موقعہ کو ایک جنگی جرنیل کی حیثیت سے جارحانہ حملے کے لئے موزوں سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک بڑی فوج لے کر پونا پر حملہ کر دیا۔ مرہٹہ فوج رگھوناتھ راؤ ہلکر اور گائیکواڑ کی سرکردگی میں مقابلہ کے لئے آئی۔ مگر ناکام رہی۔

اس موقعہ پر میر نظام علیخاں نے اپنی صائب تدبیری سے کام لیا۔ اور بار نے کی بجائے بھگانے کو غنیمت سمجھا۔ پچاس ہزار کا ملک اور دولت آباد کا قلعہ لے کر اس جنگ کو ختم کر دیا۔ مگر اس کے بعد رگھوناتھ راؤ نے موقعہ پا کر پھر جنگ کی ٹھان لی۔ اس وقت بھی یہ اتحاد ثلاثہ آصفی دولت کو مٹانے پر تلا ہوا تھا اس نے بالآخر میر نظام علیخاں کے ایک ملازم بھونسلہ جی کو ۳۲ لاکھ مالیہ کا علاقہ دینے کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس موقعہ پر میر نظام علیخاں گوداوری سے گذر رہے تھے۔ وہ خود تو دریا سے پار ہو چکے تھے مگر بقیہ فوج راجہ پرتاب ونت وزیر اعظم کے ساتھ دوسرے کنارے پر تھی۔ بھونسلہ جی غدار نے اس وقت حملہ کر دیا اور اس حملہ میں میر نظام علیخاں کا مشہور وزیر اور کمانڈر راجہ پرتاب ونت مارا گیا۔ میر نظام علیخاں نے انتقامی کوششوں میں کمی نہ کی، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ موقع نازک ہو رہا ہے تو میر نظام علیخاں نے سمجھا کہ اب تہور اور شجاعت کے بدلہ تدبر اور حکمت کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہ خود رگھوناتھ راؤ سے ملے۔ اور صورت حالات کو ایسے موثر اور دل نشین انداز میں پیش کیا کہ مرہٹہ سردار باوجود اپنی کامیابی کے صلح کر لینے ہی میں اپنی اور قومی عافیت کو محسوس کرنے لگا۔ اور وہ بالکل آمادہ ہو گیا کہ بہت بڑا علاقہ نظام علیخاں کے سپرد کر دے۔ لیکن اس کے مشیروں نے اسے روک دیا تاہم میر نظام علیخاں کی ملاقات اور واقعات اور حالات کو پیش کرنے کے انداز اور سلوک نے اسے ایسا مجبور کر دیا تھا کہ

آخر دس لاکھ کا علاقہ دیکر ۱۷۶۲ء میں اس نے صلح کر لی

یہ تھا میر نظام علیخاں کا تدبر اور معاملہ فہمی۔

شاہان دہلی کی رخنہ اندازیاں شاہان دہلی کی حالت تو دن بدن نازک ہوتی جارہی تھی اور وہ محض شاہان شطرنج تھے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں شاہی اقتدار بلکہ شاہ سازی کی مشین تھی وہ نہایت ناعاقبت اندیش اور شوریدہ سر دولت مغلیہ اسلامیہ کے نادان دوست تھے۔ وہ جو قدم اٹھاتے ایک نئی آفت پیدا کرنے کا محرک ہوتا۔ دکن کا علاقہ اب تک خاندانِ آصفیہ سے متعلق تھا۔ اور اس خاندان کے جلیل القدر حکمرانوں نے قیمتی قربانیوں سے اسے سنبھالے رکھا تھا۔ اور کبھی اس علاقہ کی حفاظت اور صیانت کے لیئے دہلی سے کسی قسم کی مدد نہ لی۔ حضرت نظام الملک آصف جاہ اوّل کی وفاداری اور اخلاص سلطنت کی تاریخ میں لازوال اور عدیم المثال ہے کہ باوجودیکہ اس علاقہ کو خود انہوں نے بچایا تھا۔ اور وہ جب چاہتے اپنی خود مختاری کا اعلان کرکے بادشاہ بن جاتے مگر نہیں۔ انہوں نے دولتِ تیموریہ سے اُسے وابستہ رکھنا ضروری سمجھا۔ اور اپنے لئے اسی کو باعث فخر یقین کیا کہ

آپ شاہانِ دہلی کے وائسرائے ہیں

یہی نہیں نادر شاہ نے آصف جاہ اوّل کی قابلیت کو دیکھ کر شہنشاہ ہند بنانا چاہا اور دہلی کا تخت و تاج پیش کیا۔ مگر حضرت آصف جاہ کے اخلاص اور وفاداری کو دیکھو کہ وہ اتنی بڑی ترغیب سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور دہلی کے تاجدار ہی کو شہنشاہ ہند بنائے رکھا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ ہمیشہ اپنے عمل سے اس اخلاص کا ثبوت دیا۔ اور مرتے وقت اسی اخلاص پر اس وصیت پر مہر کردی

۔ کہ میرا جانشین

ہر حال میں بادشاہ دہلی کا وفادار رہے

لیکن اب دہلی کے تخت پر شاہجہاں اور عالمگیر نہ تھے تخت و تاج اب ایسے ہاتھوں میں تھا جو اس کی قدر و قیمت نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اس سے کھیلنے اور ہنسی کرتے تھے۔

بہرحال دہلی دربار نے اپنی حماقت اور عاقبت نا اندیشی کا اس وقت مظاہرہ کیا جب اس نے ۱۷۶۵ء میں شمالی سرکار کا علاقہ انگریزوں کو دیدیا۔ اور ایک فرمان دیکر انہیں دکن بھیجدیا۔ اور اس طرح پر دکن کا ایک قیمتی حصہ دولت آصفیہ کے قبضہ سے نکل گیا۔ اور انگریزوں کا ہاتھ مضبوط ہوگیا۔

انگریزوں سے مقابلے میر نظام علیخان کو مرہٹوں کی شورشوں اور ریشہ دوانیوں سے ہی فرصت نہ تھی کہ یہ دوسرا مرحلہ پیش آیا۔ انہوں نے ہرچند کوشش کی کہ اپنی آبائی سلطنت کی اس حصہ کو واپس لیں مگر انگریزی فوج کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ گئی۔ ۱۷۶۶ء میں پھر ایک بڑے پیمانہ پر انہوں نے حملہ کی تیاری شروع کی جسے دیکھ کر انگریز بھی گھبرا گئے۔ اور حکومت مدراس کی طرف سے ایک وفد صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا گیا۔ اور اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲ر نومبر ۱۷۶۶ء کو حکومت انگریزی (جو اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے موسوم تھی) اور دولت آصفیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا۔ چونکہ یہ معاہدہ دولت آصفیہ اور سلطنت انگریزی کے تعلقات میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اسکی اہم دفعات کا خلاصہ یہاں دیا جاتا ہے۔

دولت آصفیہ سے انگریزوں کا پہلا معاہدہ

کمپنی اور نظام کا معاہدہ ۱۷۶۶ء

اس عہدنامہ میں یہ شرائط تھیں ، اور ان کے علاوہ کچھ رقعہ جات ہیں ۔ جو اعلیٰحضرت میر نظام علیخاں بہادر اور انگریزی افسروں کے نام ہیں ۔ عہدنامہ کے فریقِ ثانی یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جان کالیسیو صاحب بہادر جنرل تھے ۔ اس عہدنامہ کی اہم دفعات حسبِ ذیل ہیں ۔

دفعہ اوّل :۔ فریقین وعدہ کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی اعانت کریں گے ۔ اور ایک فریق کے دوست یا دشمن کو دوسرا اپنا دوست یا دشمن تصور کریگا ۔

دفعہ دوم :۔ اعلیٰحضرت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایلور ، سکاکول ، راجہ مندری ، مصطفیٰ نگر ، اور مرتضیٰ نگر کے علاقے عطا کرکے جو احسانِ عظیم کیا ہے اس کے معاوضہ میں کمپنی وعدہ کرتی ہے کہ وہ اعلیٰحضرت کو ہر جائز اور صحیح ضرورت کے وقت امداد دینے کیلئے ایک فوج تیار رکھے گی ۔

دفعہ سوم :۔ کمپنی وعدہ کرتی ہے کہ جب اعلیٰحضرت کو فوجی امداد کی ضرورت نہ ہوگی تو وہ راجہ مندری ، ایلور اور مصطفیٰ نگر کے علاقے کے معاوضہ میں سالانہ پانچ لاکھ کی رقم ادا کرتی رہے گی ۔

سکاکول اور مرتضیٰ نگر کے علاقے جب اس کے قبضہ میں آ جائیں گے تو ان کے لئے بھی دو لاکھ سالانہ کی رقم ادا کی جائیگی ۔ (مرتضیٰ نگر کا علاقہ اس وقت بسالت جنگ بہادر کی جاگیر میں تھا)

دفعہ ششم :۔ کمپنی کی مجوزہ امدادی فوج کا خرچ اس طرح ادا کیا جائیگا ۔ اگر مطلوبہ

فوج کا خرچ پانچ لاکھ سے کم ہوگا تو کمپنی بقیہ رقم اعلیحضرت کو ادا کریگی۔ اور اگر خرچ زیادہ ہوگا تو کمپنی نواب صاحب کو حساب سمجھا کر اپنے ذمہ لیگی۔ سکاکول اور مرتضیٰ نگر کے قبضہ میں آجانے کے بعد ان کے متعلق واجب الادا رقموں پر بھی حسب بالا انتظام جاری ہوگا۔ نواب صاحب ازراہ عنایت سکاکول اور مرتضیٰ نگر کا بقایا معاف فرماتے ہیں۔

دفعہ یازدہم:- ہیرے کی کانیں اور ان کے متعلقہ دیہات اب تک اعلیحضرت حضور نظام سے متعلق رہے ہیں کمپنی وعدہ کرتی ہے کہ وہ اب بھی اعلیحضرت ہی سے متعلق رہینگے۔

دفعہ چہاردہم:- فریقین شرائط مندرجہ بالا پر قائم رہیں گے۔ مرقومہ ۱۹ جمادی الثانی ۱۱۸۱ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۷۶۶ء۔ مقام حیدرآباد

دولت آصفیہ کی پوزیشن | اس معاہدہ کی دفعہ اول کے پڑھنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دولت آصفیہ کی پوزیشن برابر کی ہے۔ لارڈ ہیسٹنگز نے اعلیحضرت میر عثمان علیخان (خلد اللہ ملکہ) کی پوزیشن پر جو اعتراض کیا ہے۔ حالات کے تبدیل ہو جانے سے الفاظ کے معنی بگاڑ لئے جائیں تو یہ جدا امر ہے لیکن اصلی حقیقت کو کوئی صاحب عقل سلیم نظر انداز نہیں کر سکتا کہ معاہدہ اول کے وقت فریقین مساوی حیثیت میں کھڑے تھے۔

عہدنامے توڑنے ہی کے لئے ہوتے ہیں | انگریزی مدبر سر ایڈمنڈ برک سے کہا تھا کہ عہدنامے توڑنے ہی کے لئے ہوتے ہیں۔ اور گزشتہ جنگ عظیم میں عہد ناموں کو پرزۂ کاغذ سے تعبیر کیا گیا۔

شاید یورپ کا فلسفہ اخلاق یہ ہو سکے لیکن اسلام جس فلسفہ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اس میں معاہدات کی رعایت کو بہت بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ایک مومن کے لئے معاہدات کی رعایت رکھنا لازمی قرار دیا گیا ہے کمپنی بہادر نے اس پہلے ہی معاہدہ کی کہاں تک رعایت کی یہ

* افسوس اس کتاب کی اشاعت کے وقت ہمارا ڈرینڈ نگ ختم ہو گئے (عثمانی)

ایک دردناک کہانی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ معاہدات کی تاریخ ہند میں نہایت قابل افسوس ہے۔

کمپنی نے اس پہلے معاہدہ کی پوری پابندی نہ کی۔ اولاً خراج کی مقررہ رقم کئی سال تک ادا نہ کی۔ اور دوسرے جب ۱۷۶۶ء میں میر نظام علیخاں نے انگریزوں سے معاہدہ کے موافق ٹیپو سلطان کے مقابلہ کے لئے مدد مانگی تو انہوں نے انکار کر دیا۔

دوسرا معاہدہ اور دوسری بدعہدی | ۲۲ فروری ۱۷۶۸ء کو دوسرا معاہدہ ہوا جس کی رو سے کمپنی نے نظام کو سات لاکھ سالانہ کا خراج دینا منظور کیا۔ اور اس کے بدلے میں کمپنی کو بالاگھاٹ کرناٹک کی تسخیر میں مدد دینے کا وعدہ کیا۔ ۱۷۶۵ء سے لیکر چھ سال تک مزید دو لاکھ کی رقم کمپنی نے منظور کی کہ نظام اسے شمالی سرکار کے قبضہ میں مدد دیں۔

مرتضیٰ نگر یا گنتور کے قبضہ کے بعد کمپنی پر چار لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم واجب الادا قرار دی گئی ساتھ ہی یہ بھی طے پایا تھا کہ اگر چھ سال کی رقومات کے خاتمہ پر کمپنی کے تصرف میں کوئی خلل پیدا نہ کیا گیا۔ تو وہ مزید سات لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم ادا کرتی رہیگی (تاریخ برگس جلد اوّل صفحہ ۱۷)

کمپنی کی دوسری بدعہدی | ۱۷۶۸ء سے لیکر ۱۷۷۴ء تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ مرہٹوں کے ساتھ نظام کی ایک مختصر سی جھڑپ ہوئی جس کے بعد بارہ لاکھ کا علاقہ سرکار نظام کو مرہٹوں کے حوالہ کرنا پڑا مگر جب مرہٹہ سردار نے میر نظام علیخان سے ملاقات کی تو یہ علاقہ واپس کر دیا۔

۱۷۷۴ء میں انگریزوں نے شکایت کی کہ بسالت جنگ گنتور میں فوج جمع کر رہا ہے جب اعلیٰحضرت میر نظام علیخان آصف جاہ کے پاس شکایت پہنچی تو جواب ملا کہ دولت آصفیہ ۱۷۶۶ء کے عہدنامہ کی پابندی کا عزم کر چکی ہے اور اس سے قطعاً انحراف

نہ کریگی۔ اور اس کے ساتھ ہی بسالت جنگ بہادر کے پاس ایک آدمی بھیجدیا گیا کہ وہ اپنے معاندانہ ارادوں سے باز آ رہے۔ ۱۷۷۹ء میں نواب حیدر علیخاں والیٔ میسور کی طرف سے انگریزوں کو اضطراب پیدا ہوگیا اور انہوں نے میر نظام علیخاں صاحب سے استصواب کیے بغیر بالا بالا بسالت جنگ بہادر سے ایک عہدنامہ کر لیا جس کی رو سے بسالت جنگ بہادر نے انگریزوں کو گنٹور میں فوج رکھنے کی اجازت دیدی۔ یہ معاہدہ کی ہلکی ہلکی خلاف ورزی تھی۔ جس کو میر نظام علیخاں بہادر کسی حالت میں بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

واقعات صاف اور ظاہر ہیں۔ اس سے اس پالیسی کا پتہ چلتا ہے جو اندر ہی اندر کام کر رہی تھی اور مسلمانوں کی بدقسمتی تھی کہ وہ صرف ظاہری حالات پر نظر کرتے اور دوراندیشی سے کام نہ لیتے تھے۔

بسالت جنگ بہادر اگر اس کے عواقب اور نتائج پر نظر کرتے تو وہ میر نظام علیخاں بہادر کی مرضی کے خلاف یا ان کے علم کے بغیر قدم نہ اٹھاتے۔ لیکن ایک جاری شدہ تقدیر کا کون مقابلہ کر سکتا تھا۔

بسالت جنگ سے معاہدہ کرنے کے بعد انگریزوں کو خیال پیدا ہوا کہ یہ طریقِ عمل درست نہیں اس لئے انہوں نے مدراس سے ہالینڈ کو حیدرآباد بھیجا کہ میر نظام علیخاں صاحب سے بھی اس معاہدے پر دستخط کرائے جائیں۔ میر نظام علیخاں نے نہایت دلیری اور شاہانہ جرأت سے جواب دیا کہ

میرے بھائی کے ساتھ معاہدہ کرنے میں جو میری رشتہ ہے انگریزوں نے ۱۷۶۸ء کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے اور انگریز مذکورہ بالا معاہدے کے پابند رہنا چاہتے ہیں تو انہیں گنٹور سے فوجیں ہٹا لینی چاہئیں اگر ایسا نہ کیا گیا تو [illegible]

تو میں جبراً انہیں نکال دینے پر مجبور ہونگا۔ (برگس جلد اوّل صفحہ ۴۲)۔

انگریزوں کی طرف سے صرف یہی نہیں چاہا گیا تھا کہ بسالت جنگ کے معاہدے کی توثیق کرالی جائے۔ بلکہ یہ بھی ریذیڈنٹ کے توسط سے چاہا گیا کہ اعلیحضرت کمپنی کو وہ سالانہ پیشکش معاف کردیں جو شمالی سرکار کے علاقے کے معاوضہ میں واجب الادا تھی۔ میر نظام علیخاں صاحب کو اس درخواست پر بھی غصہ آنا قدرتی امر تھا۔ اس لئے انہوں نے صاف کہدیا کہ

کمپنی شاید معاہدے کی پابندی نہیں کرنا چاہتی

لہٰذا

مجھے جنگ کے لئے تیار ہوجانا چاہئے

خواہ اسے انگریزی پالیسی کا نتیجہ کہا جائے یا اعلیحضرت میر نظام علیخاں صاحب کی جرأت و استقلال اور رعب و شوکت کہ انگریزی سفیر نے جب واقعات کی رپورٹ اوپر کی تو انگریزی حکومت نے فوراً ایک گذارش اعلیحضرت کی خدمت میں پیش کی اور مدراس گورنمنٹ کی غیرذمہ دارانہ روش پر اظہار افسوس کیا جس کی وجہ سے کمپنی کے دعاوی خلوص کو اعلیحضرت نظام کی نظروں میں مشتبہ ہونا پڑا۔ اور گنٹور کا ضلع فی الفور دولت آصفیہ کے حوالہ کردیا۔

میر نظام علیخاں کا جلالی اقدام

اعلیحضرت میر نظام علیخاں کے اندر شاہانہ اسپرٹ تھی۔ اور وہ اپنی قوت اور حوصلہ پر نازاں تھے۔ اسی اثنا میں سنہ ۱۷۸۲ء میں بسالت جنگ کا انتقال ہوگیا۔ اب سنہ ۱۷۶۸ء کے معاہدہ کے موافق انگریزوں نے گنٹور پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر نظام کے

کارندوں نے فی الفور قبضہ کر لیا۔ اور کمپنی کے کارندوں کو روک دیا۔ اس لئے کہ کمپنی کے سابقہ معاہدوں میں جو پیشکش ادا کرنے کا معاہدہ تھا۔ اس کا بہت بڑا حصہ بقایا چلا آتا تھا۔ اور عملاً گویا کمپنی معاہدہ کو توڑ چکی تھی۔

باہمی سمجھوتہ کی صورتیں۔ واقعات صحیح تھے اور کمپنی پر معاہدہ کی عدم پابندی کا اعتراض معقول اور مسٹر جی گرانٹ ناقابل شکست تھا۔ اس لئے اس وقت کے رزیڈنٹ نے یہ تجویز کی کہ گنٹور پر دولت آصفیہ کا قبضہ رہے۔ اور وہ اپنا قرضہ وصول کرتی رہے۔ جب قرضہ بیباق ہو جائے تو علاقہ کمپنی کو واپس کر دیا جائے۔

گورنر مدراس (لارڈ میکانٹنی) نے ایک مکتوب خاص میں حضور نظام کو یقین دلایا کہ

واجب الادا رقم آئندہ باقاعدہ ادا ہوتی رہیگی

مگر یہ باتیں بے نتیجہ رہیں۔ حکومت ہند مقامی رزیڈنٹ مسٹر گرانٹ کی اس قسم کی تجاویز سے اتفاق نہیں کرتی تھی وہ چاہتی تھی کہ صورت مل جائے۔ چنانچہ وہ زور دے رہی تھی کہ کوئی موثر کارروائی کی جائے۔

مگر مقامی رزیڈنٹ مسٹر گرانٹ حالات کو بہتر سمجھتا تھا۔ کاش اس وقت کوئی موثر کارروائی ہو جاتی اور دولت آصفیہ ہمیشہ کے لئے ایک بلند مقام پر کھڑی ہو جاتی آخر مسٹر گرانٹ تو اپنے ضمیر کو بچانے کے لئے مستعفی ہو گئے۔ اور مسٹر جانسن مقرر ہوئے۔

اعلیٰحضرت میر نظام علیخان اپنی فراست اور دور بینی سے حالات کا مشاہدہ کر رہے تھے وہ آج اور کل میں نمایاں فرق [illegible] مسٹر جانسن رزیڈنٹ کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ [illegible] اور کرناٹک کے علاقے واپس کر دیے [illegible] کے سامنے یہ سوال آیا تو انہوں نے رزیڈنٹ کی مخالفت اور [illegible] کی جس کا نتیجہ یہ ہوا

کہ اسے ۱۷۸۵ء میں اپنے عہدہ سے علیحدہ ہونا پڑا۔

ان ایام کی خط و کتابت اور تاریخ کو واقعات کی روشنی میں پڑھنے سے اعلیحضرت میر نظام علیخاں کے تدبر و دوربینی، استقلال، اور قوت و جلال کا پتہ ملتا ہے۔ یہ سلسلہ ۱۷۸۸ء تک چلا گیا۔ اور کاغذی بحث کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ لارڈ کارنوالس گورنر جنرل ہند تھے۔ انہوں نے کپتانی جان کناڈے کو، جنکو دولت آصفیہ نے دلاور جنگ کا خطاب دیا تھا۔ ۱۷۸۸ء میں رزیڈنٹ بنا کر بھیجا۔ اور کہا گیا کہ بقایا کا جلد تصفیہ کر دیا جائے۔ اور گنٹور کا علاقہ لے لیا جائے۔

میر عالم کی سفارت

معاملات کی نوعیت چونکہ بگڑ رہی تھی اس لئے یہ تجویز کی گئی کہ دولت آصفیہ کا سفیر خود کلکتہ جا کر گورنر جنرل سے تصفیہ کرے۔ اس خدمت کے لئے میر ابو القاسم جو دولت آصفیہ کی تاریخ میں میر عالم کے نام سے مشہور ہیں۔ تجویز ہوئے۔ اور وہ کلکتہ گئے۔ اور حساب فہمی کے بعد یہ فیصلہ کر آئے کہ انگریز نو لاکھ سولہ ہزار چھ سو پینسٹھ ۶۵ روپے حضور نظام کو ادا کر دیں اور گنٹور کا علاقہ واپس دیدیا جائے۔ یہ وہ خدمت تھی جس نے میر عالم کو انگریزوں کی نظروں میں معزز بنایا۔ اور انگریز ہمیشہ میر عالم اور اس کے خاندان کے حامی رہے۔

کاش میر عالم اس سفارت پر نہ گئے ہوتے۔ اور یا وہ اپنے بادشاہ کے حوصلہ اور عزم کے تاثرات سے کام کرتے۔ بہر حال وہ دولت آصفیہ کے سفیر تھے۔ اور تاج آصفی ان کے فیصلہ کا پابند تھا۔ اس لئے یہ فیصلہ تو ہو گیا۔ مگر اس فیصلہ نے

دولت آصفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا

[illegible] انگریزوں کی [illegible] اور انگریز میر عالم اور اس کے [illegible]

یہ موقعہ اس پر تنقید کا نہیں اس کے لئے "سلسلہ وزرائے دولت آصفیہ" میں ایک مخصوص حصّہ ہے۔ غرض اس تصفیہ نے انگریزوں کے قدم کو مضبوط کر دیا۔

میر نظام علیخاں کے آخری سالوں کی مصروفیت | اس فیصلہ کے بعد ظاہر ہے انگریزوں کی پوزیشن مضبوط ہوگئی اور اس نے لڑائیوں کے ایک سلسلہ کو جاری کر دیا۔ چنانچہ ۱۷۸۹ء میں ٹیپو سلطان کے ساتھ انگریزوں نے جنگ چھیڑ لی۔ اور اس موقعہ پر دولت آصفیہ سے ایک معاہدہ کر کے اپنی طاقت کو اور بھی محفوظ اور مضبوط کر لیا۔ اگر دولت آصفیہ اس موقعہ پر دولت انگلشیہ کے ساتھ نہ ہوتی تو جنوبی ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ مگر مشیت ایزدی کچھ اور مقدر کر چکی تھی۔ اعلیحضرت میر نظام علیخاں صاحب کے فرزند رشید ہونے والے آصف جاہ نواب سکندر جاہ دیوانِ دولت آصفیہ کے ساتھ مل کر اس جنگ میں شریک ہوئے اور انگریزوں کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں بڑی تقویت پہنچی۔ جنگ ختم ہونے پر ٹیپو سلطان سے جو علاقہ لیا گیا اس میں سے کچھ حصہ دولتِ آصفیہ کو بھی مل گیا۔ لیکن اب انگریزی حکومت اپنے ہاتھ پاؤں نکالنے لگی۔

کرنول کا علاقہ | کرنول دولت آصفیہ کے ماتحت تھا لیکن حیدر علیخان نے اپنے عہد اقبال وایام کامرانی میں اس پر قبضہ کر لیا۔ اور وہ دولت آصفیہ کا باجگذار ہوگیا۔ ۱۷۹۲ء میں انگریزوں نے ٹیپو سلطان سے کرنول کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ اس کی واپسی کا حق اگر تھا تو دولت آصفیہ کو تھا۔

ٹیپو سلطان نے اسلامی غیرت اور حق پسندی سے کام لے کر آخر یہ تسلیم کیا کہ میں کرنول دولت آصفیہ کو واپس کر دیتا ہوں۔ اسی سے یہ لیا ہوا ہے۔ اور وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ بہرحال اسلامی سلطنت کے قبضہ میں جائے اور وہ فائدہ اٹھاوے۔

ادھر میر نظام علیخاں کو بھی اپنے آبائی علاقہ کے لینے پر اصرار تھا۔ لیکن لارڈ کارنوالس مخالفت کر رہا تھا۔ مگر اعلیحضرت نظام نے اپنی دانائی سے پہلے رن مست خاں کو نواب بنایا۔ پھر اس کے چھوٹے بھائی کو مسند نشین کر دیا۔ میر نظام علیخاں بہادر ہوا کا رخ پہچانتے تھے۔ مگر اس قسم کی سیاسی پیچیدگیوں نے مطلع کو جنگ آلودہ کر دیا۔

مرہٹوں سے مقابلہ اور اسی اثنا میں مرہٹوں سے جنگ چھڑ گئی۔ یہ ۱۷۹۵ء کے واقعات ہیں۔ خدا کی قدرت کہ اسی جنگ میں جو دولت راؤ سندھیا سے ہوئی۔ آصفی فوج کو شکست ہوئی۔ اور میر نظام علیخاں کو قلعہ بند ہونا پڑا۔ مرہٹوں کے سخت محاصرہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی من مانی شرائط پر صلح کرنی پڑی اور دولت آباد کا قلعہ معہ متعلقات ۲۵ لاکھ سالانہ کی آمدنی کا علاقہ دینا پڑا۔ تین کروڑ تاوان جنگ منظور کیا اور ارسطو جاہ وزیر اعظم کو یرغمال میں دیا گیا اور اس طرح پر اس محاصرہ سے نجات پا کر آپ حیدر آباد آئے۔

انگریزی امداد کا انکار اس جنگ کی روانگی کے وقت میر نظام علیخاں نے برطانوی رزیڈنٹ سے خواہش کی تھی کہ وہ امدادی فوج روانہ کرے۔ مگر رزیڈنٹ نے باوجودیکہ معاہدات کی رو سے وہ امدادی فوج دینے کا پابند تھا انکار کر دیا۔

میر نظام علیخاں بہادر نے حیدر آباد واپس آ کر حکم دیا کہ جب انگریزی فوج موقعہ کام نہیں آتی تو اس کے حیدر آباد میں رکھنے کا کیا فائدہ۔ اسے ہٹا لیا جائے۔ چنانچہ

شاہی فرمان کی تعمیل ہوئی

عزم شاہانہ واقعات کی بے پناہ رو اس زور سے خلاف ہو رہی تھی کہ اگر میر نظام علیخاں کے بجائے کوئی اور شخص ہوتا تو وہ اس مقابلہ میں کھڑا نہ رہ سکتا۔ مگر عزم و استقلال کا پیکر اپنی جگہ سے نہ ہٹا۔ اور اس کو یہ بے حد خیال تھا کہ مرہٹوں سے اس شکست کا انتقام لیا جائے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی دولت کو واپس لیا جائے۔ میر نظام علیخاں بہادر نے

اپنے پروگرام ترتیب افواج کو تبدیل کر لیا۔ اور کوشش کی کہ نئی افواج کو فرانسیسی جنیلوں کے زیر تربیت تیار کیا جائے چنانچہ موسیو ریمان کی خدمات اس سلسلہ میں نمایاں ہیں۔ گورنر جنرل ہند نے جب حالات کا رُخ بدلتے دیکھا تو دولت آصفیہ پر دباؤ ڈالنا چاہا کہ وہ فرانسیسی افسروں کو علیحدہ کر دے۔

مصیبت تنہا نہیں آتی میر نظام علیخان بہادر کے لئے یہ ایام سخت ابتلا کے تھے ایک طرف مرہٹوں سے شکست کھائی تھی۔ انگریزی امدادی افواج نے مدد سے انکار کیا۔ اور جب جدید فوج کی ترتیب شروع کی تو اس کی مخالفت ہونے لگی۔ یہ مشکلات درپیش تھیں کہ بعض دشمنان ملک و ملت کے منصوبوں نے ایک نئی آفت پیدا کر دی۔ اور وہ گھر کی ہی بغاوت تھی یہ بغاوت خود میر نظام علیخان بہادر کے صاحبزادہ اکبر عالیجاہ نے کی۔ اس بغاوت کے اسباب پر بحث کرنے والوں نے بہت کچھ نکتہ آفرینیاں کی ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ ایک خطرناک سازش تھی۔ اس کی تہ میں کوئی بھی ہو وہ

دولت آصفیہ کا خطرناک دشمن تھا

اس موقعہ پر میر نظام علیخان بہادر انگریزی افواج کی امداد کے لئے مجبور ہوئے گو موسیو ریمان نے قبل اس کے کہ انگریزی افواج پہنچیں بغاوت کو فرو کر دیا تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انگریزی افواج کی واپسی کے لئے عالیجاہ کو آلۂ کار بنایا گیا تھا۔ عالیجاہ نے اپنے آپ کو میر عالم کے حوالہ کر دیا۔ اس کی شرافت اور نجابت نے اجازت نہ دی کہ بغاوت کے بعد جلیل القدر باپ کے سامنے ہوا سلئے زہر کھا کر جان دیدی۔

عہدِ انحطاط کا آغاز ان شورشوں کے مقابلہ میں میر نظام علیخاں بہادر کی ہمت و جرأت ہمیشہ تاریخ میں قابلِ احترام رہیگی۔ اور دولت آصفیہ کے حق نمک خواروں نے

حق نمک کا غیر مناسب استعمال کیا تاریخی مبصر اس پر افسوس کرتے رہیں گے۔

واقعات کی اس رفتار نے انگریزی ہاتھ کو بہت مضبوط کر دیا تھا۔ ان حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کمپنی نے لارڈ و لزلی جیسے انسان کو ہندوستان کا گورنر بنا کر ۱۷۹۸ء میں بھیجا۔ جس کی زندگی کا مقصد انگریزی اقتدار اور تسلط کی وسعت تھی۔ اور اس مقصد کے لئے وہ ہر روک کو دور کرنے کے لئے ہر طریق کو صحیح سمجھتا تھا۔ اس نے ہندوستان کی ریاستوں پر قبضہ کرنے کے لئے باقاعدہ امدادی فوجوں کا سلسلہ شروع کیا اور اس کا آغاز حیدرآباد سے ہوا۔ وہ دن دولت آصفیہ کی تاریخ میں ایک منحوس دن سمجھا جائیگا۔ میلکم حیدرآباد میں اسسٹنٹ رزیڈنٹ بن کر پہنچا۔ اور یکم ستمبر ۱۷۹۸ء کو ایک معاہدہ ہوگیا۔ جس کی رو سے امدادی فوج متعین کر دی گئی اور اس کے خرچ کے سلسلہ میں سرکار آصفیہ پر چوبیس (۲۴) لاکھ سترہ ہزار کا سالانہ بار پڑ گیا۔

فوج پیسرم موسیو ریمان کا اس معاہدے سے پہلے انتقال ہوگیا تھا اس کی قبر اب تک سلطان پیٹھ میں موجود ہے۔ اور آج بھی اس کی قبر کو دیکھ کر یہ اقرار ہوتا ہے کہ دولت آصفیہ کا ایک وفادار اور بہادر سپاہی تھا اور اس نے حیدرآباد کی ریاست کو عالیجاہ کی بغاوت کے وقت بچا کر دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ حیدرآباد کی بے قاعدہ فوج جو پیسرم کے نام سے پکاری جاتی ہے یہ حقیقتہً موسیو ریمان کی ہی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

حیدرآباد کی امدادی افواج کا کام ۱۷۹۹ء میں حیدرآباد کی اس امدادی فوج سے سلطان ٹیپو کے مقابلہ کا کام لیا گیا۔ اور اسی جنگ میں شیر میسور سلطان ٹیپو شہید ہوگیا اور میسور کی ریاست سابق راجاؤں کے حوالہ کر دی گئی۔ اور باقی علاقہ کو انگریزوں نے نظام کے ساتھ بانٹ لیا۔ یہ تقسیم کیسی ہوئی! اس بحث کی ضرورت نہیں۔ اس طرح پر اس امدادی فوج کو ایک اسلامی سلطنت کے برباد کرنے کے

کام میں لایا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میر نظام علیخاں اس وقت مجبور تھے ورنہ وہ ایک اسلامی سلطنت اس طرح پر مٹنے نہ دیتے۔ انگریزوں نے امدادی فوج کی اسکیم کو بہت مفید پایا اس لئے اس جنگ سے فارغ ہوتے ہی سنہ ۱۸۰۰ء میں ایک اور معاہدہ کرکے دو بٹالین کا اور اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن قارئین کرام کو تعجب ہوگا کہ جو علاقہ دولت آصفیہ کو میسور اور سرنگاپٹم کے معاہدات کے بعد ملا تھا وہ اس امدادی فوج کے اخراجات کے لئے انگریزوں ہی کے حوالہ کر دیا گیا اور اسی کو تعلقات کی درستی کے لئے دلیل بنایا گیا۔ اس طرح پر کہ دولت آصفیہ کے ذمہ بقایا نہ رہیگا۔ اور حکومت انگریزی کو مطالبہ نہ کرنا پڑیگا۔ دوستانہ تعلقات اچھے رہیں گے۔

انگریزی سیاست کی اس موقعہ پر بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اور مسلمان بادشاہ کی مجبوری پر دل میں درد پیدا ہوتا ہے۔ بے شک اس معاملہ کی یہ بہترین تاویل ہوسکتی ہے لیکن ساری دنیا اندھی نہیں۔ اور ایسے لوگ ہر زمانہ میں موجود ہیں جو واقعات کو دیانت کی آنکھ سے دیکھتے ہیں بلا خوف تردید یہ کہا جائیگا کہ یہ صرف اس علاقہ کو لینے کے لئے ایک تدبیر اور حیلۂ سیاسی تھا۔

تجارتی معاہدہ اور میر نظام علیخان کی وفات میر نظام علیخان بہادر ان حالات کو دیکھتے تھے۔ پیرانہ سالی تو ان کی راہ میں روک نہ تھی۔ مگر وہ ملک کی اندرونی حالت پر نظر کرتے تھے اپنے ارباب حل و عقد کے اخلاص و وفاداری کو دور اندیشی سے پرکھتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ انگریزی اقتدار بڑھ رہا ہے۔ اور انگریزی سیاست نے دولت آصفیہ کے اندر اپنے مخصوص دوست پیدا کر [illegible] انگریزوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر سنہ ۱۸۰۲ء میں ایک تجارتی [illegible] فریقین کا مال واسباب تجارت [illegible] کے ملک میں آنے جانے لگا [illegible]

آمدنی پر جو اثر ڈالا ہے وہ ظاہر ہے۔

آخر وہ وقت آگیا کہ دولت آصفیہ کا یہ جلیل القدر سلطان اور معمار اس دنیا سے رخصت ہو۔ آپ کی وفات ۷؍ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۸ھ مطابق ۷؍ اگست سنہ ۱۸۰۲ء کو ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ستر سال چھ ماہ اور سترہ یوم کی تھی۔ ۴۲ برس تک حکومت کی۔

عام اخلاق

میر نظام علیخاں ایک بلند ہمت اور غیور دل اور مستقل مزاج سپاہی تھا۔ وہ ایک دوراندیش، معاملہ فہم مدبر تھا۔ نہایت نیک نیت اور دین دار مسلمان تھا۔ اسلامی غیرت اور شجاعت کا ایک پیکر تھا۔

ان کی سترہ اولادیں تھیں جن میں سات صاحبزادے اور دس صاحبزادیاں تھیں۔ نواب اکبر علیخان بہادر دوسرے صاحبزادے سکندر جاہ کے لقب سے آصف جاہ ثالث ہوئے۔ آپ کے عہد میں ہی پہلی مرتبہ خاندان پائیگاہ سے رشتہ مناکحت جاری ہوا۔ چنانچہ آپ کی صاحبزادی بشیر النساء بیگم صاحبہ پہلی شاہزادی تھیں جو خاندان پائیگاہ ہی میں بیاہی گئیں۔

نواب میر نظام علیخان صاحب کو عمارتوں کے بنوانے کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ ان کے زمانہ میں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ پنج محلہ انہوں نے ہی تعمیر کرایا۔ یہ بھی آپ کی خصوصیات میں داخل تھا کہ بعض عمارات جو آپ کے بعض خاص خدام کے زیر انتظام تعمیر ہوئیں ان کے نام بھی ان کے نام پر رکھدیئے۔ مثلاً عشقی محل آپ کے ایک خانساماں عشقی یار خاں کے زیر اہتمام تعمیر ہوا تھا۔ اس لیے ان کے نام پر اس کا نام عشقی محل رکھدیا گیا۔ ایسا ہی نوازش محل کہ اس کے مہتمم نوازش علیخان تھے۔ آپ کی بیگمات نے بھی بعض عمارتیں تیار کرائیں۔ غرض عمارتوں کا شوق بہت تھا۔

اب ہم عہد آصفیہ کی تاریخ کے اس حصہ میں آرہے ہیں جہاں انگریزی اقتدار

بڑھتا چلا گیا۔ اور وہ حکومت جو ایک حلیف کا مقام رکھتی تھی۔ اور عہد ناموں کی رو سے وہ اب بھی حلیف ہے۔ اور خود اعلیحضرت میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ کا خطاب یارِ وفادار اس پر پوری روشنی ڈالتا ہے۔ مگر با این اس واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انگریزی حکومت نے اپنے اقتدار کو بڑھا لیا۔

آصف جاہی صدر المہام | میں آگے چلنے سے پیشتر ایک مختصر سا نوٹ مسئلہ وزارت پر بھی لکھ جانا چاہتا ہوں۔ اگرچہ تفصیلی بحث کے لئے وزرائے آصفیہ میں ایک باب مخصوص ہے۔

حضرت نواب آصف جاہ اول کے عہد سلطنت میں کوئی شخص خاص عہدہ مدار المہامی پر فائز نہ تھا بلکہ مختلف مقتدر امراء مختلف خدمات مالی۔ ملکی۔ اور فوجی پر مامور تھے۔ اور پھر وقتاً فوقتاً کام کی نوعیت اور وقتی ضروریات نے ایک خاص مدار المہام یا دیوان کی ضرورت کو پیدا کر دیا۔ اور حالات وقت کے لحاظ سے مختلف آدمی ان عہدوں پر مامور رہے۔ جو ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔ حضرت آصف جاہ ثانی کے عہد میں دراصل راجہ پرتاب ونت عرف وٹھل داس دیوان تھے جب وہ ایک جنگ میں مارے گئے تو نواب سید لشکر خان کو مقرر کیا۔ وہ ایک مرتبہ معزول ہو کر دوبارہ دیوان ہوئے۔ اس وقت وہ نواب رکن الدولہ میر موسیٰ خان کہلائے۔ اور آخر قتل ہو گئے۔ پھر نواب صمصام الملک اور نواب وقار الدولہ تین سال تک دیوان رہے۔ ۸ شعبان المعظم ۱۱۹۴ھ کو نواب اعظم الامراء ارسطو جاہ مشیر الملک کو سرکار آصفیہ سے چتر سرفراز ہوا۔ اور یہی چتر گویا قلمدانِ وزارت کا پیش خیمہ تھا۔ ۱۲۱۵ھ میں مستقل دیوان ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد دو ماہ کے لئے راجہ رگھوتم راؤ مقرر ہوئے۔ نواب میر عالم جن کی یادگار تالاب میر عالم ہے بہت عرصہ تک مدار المہام رہے ارسطو جاہ جب مرہٹوں کے پاس دو سال تک بطور کفالت رہے۔

اس وقت بھی نواب میر عالم ہی تھے۔ ان کے عہد میں انگریزی سلطنت سے تعلقات اتحاد و دوستی کی صورت میں تبدیل ہو گئے۔ انگریزی حکومت کے بھی معتمد تھے اور انگریزی حکومت نے ہمیشہ انکے خاندان کی حمایت اور ہمدردی کی ہے۔ یہ مدار المہام فوت ہوئے تو ان کے بعد ان کے داماد نواب سالار جنگ اعظم کے گرامی قدر والد بزرگوار نواب منیر الملک بہادر مدار المہام مقرر ہوئے۔ اور راجہ چندو لال صاحب ان کے مددگار تھے اور کل ملکی و مالی کام ان کے ہی مشورے سے طے ہوتے تھے۔ اس لئے وہ ان کی حیات میں وکیل کار تھے ان کی وفات پر قدرتاً قلمدان دیوانی راجہ صاحب کے سپرد ہوا اور وہ چوبیس ۲۴ سال تک اس معزز ترین عہدہ پر مامور رہے۔ نہایت ذہین اور فطین امیر تھے انگریزوں کے ساتھ ان کے تعلقات بہت ہی مخلصانہ تھے وفات سے دو سال پہلے مستعفی ہو گئے۔ راجہ رام بخش صاحب کو یہ اعزاز نصیب ہوا۔ مگر آخر وہ معزول ہو گئے اور نواب سراج الملک بہادر جو نواب سالار جنگ بہادر کے چچا تھے۔ دیوان مقرر ہوئے دو سال کے بعد وہ خود علیحدہ ہو گئے۔ اور یہ قرعہ نواب سیف جنگ محمد امجد علیخان امجد الملک کے نام پڑا۔ مگر یہ ایک ماہ چند یوم سے زیادہ نہ رہے۔

اس طرح یہ دیوانی ایک عجیب عہدہ بنا ہوا تھا حقیقت میں مدار المہام کی شان اور اس کا عہد تو نواب سالار جنگ اعظم کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ یہ مختصر نوٹ میں نے صرف عام معلومات کے لئے لکھدیا ہے۔ اور دانشمند پڑھنے والا اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے مفصل بحث میں وزرائے دولت آصفیہ میں انشاءاللہ کرونگا۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت آصف جاہ سوم

"مغفرت منزل"
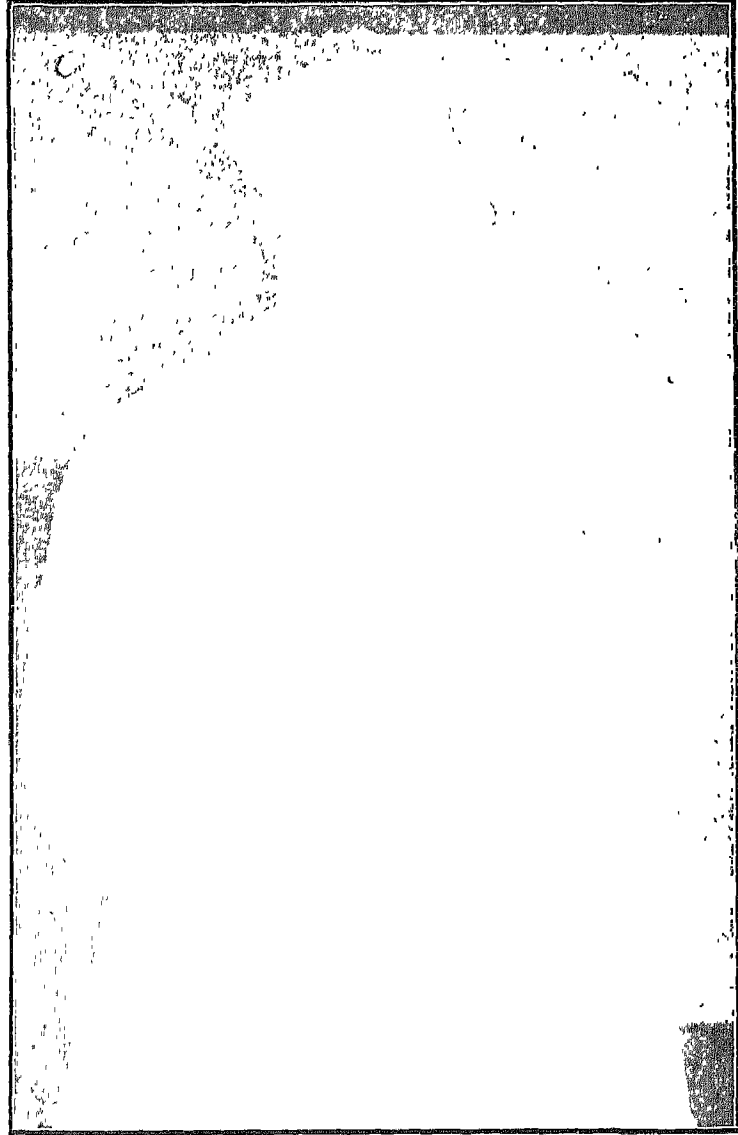
چھٹا باب

نوابِ سکندر جاہ (آصفجاہ سوم) اور نواب ناصر الدولہ (آصفجاہ چہارم)

دولتِ آصفیہ کی تاریخ کے اس عہد میں اب ہم آرہے ہیں جہاں سے میں اور بھی اختصار کے ساتھ گذرنا چاہتا ہوں اس لئے کہ اس کتاب کا موضوع صرف اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ کے سوانح حیات اور سیرۃ کا لکھنا ہے۔

نواب سکندر جاہ (آصف جاہ سوم) کا اصلی نام نواب میر اکبر علیخان بہادر تھا یہ یکم رجب المرجب ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۷۶۸ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کا عہد سیاسی پیچیدگیوں اور مختلف قسم کے امتحانات کا عہد تھا۔

نواب سکندر جاہ بہادر کی تعلیم و تربیت حضرت آصف جاہ دوم کے زیر سایہ ہوئی اور انہی کی نگرانی میں فنونِ سپاہ گری میں کمال حاصل کیا۔ اور جب بالغ و کامل ہو گئے تو ہمیشہ جنگوں میں والد بزرگوار کے ساتھ رہے اور مختلف معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ وہ ایک سپاہی اور ایک مدبّر کے اوصاف سے موصوف تھے۔ نہایت تنومند اور بہادر تھے۔ جسم بھی کثرتی اور ورزشی تھا فصاحت اور بلاغت کا بھی خدا تعالیٰ نے شجاعت کے ساتھ بہرہ وافر عطا فرمایا تھا طبیب بھی تھے اور علم طب سے خاص طور پر دلچسپی رکھتے تھے۔

ان کی شجاعت و دلیری کا سکہ دشمنوں کے دل پر بھی تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد اعیانِ دولت اور ارکانِ سلطنت نے اورنگ آصفی آپ ہی کے پیش کیا اور ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۱۸ھ کو آپ تخت نشین ہوئے۔

وزارت کا تنازعہ | نواب سکندر جاہ کے عہد میں سب سے بڑا تنازعہ وزارت کا پیدا ہوا۔ اعظم الامرا ارسطو جاہ جیسا کہ پچھلے باب میں قارئین پڑھ چکے ہیں بطور یرغمال مرہٹوں کے پاس تھے۔ وہ ۱۷۹۷ء میں وہاں سے واپس آئے اور بدستور وزیر اعظم رہے لیکن وہ آصف جاہ ثانی کی وفات کے دس ماہ بعد فوت ہوگئے۔ اس وقت وزارت کے لئے ایک تنازعہ پیدا ہوگیا۔ اعلیحضرت اس وقت مہی پت گورنر برار کو وزیر اعظم بنانا چاہتے تھے لیکن انگریزی حکومت کا تقاضہ تھا کہ نواب میر عالم ہی کو مدار المہام بنایا جائے۔ اس لئے کہ وہ انگریزی حکومت کے بہت بڑے خیر خواہ تھے۔ اور وہاں سے ان کی خدمات کی قدر دانی بھی ہوتی تھی۔ مہی پت انگریزی اقتدار کا دشمن تھا۔ اس وجہ سے اس کی تائید نہیں ہوسکتی تھی۔ اعلیحضرت آصف جاہ ثالث نے ان حالات میں نواب میر عالم ہی کو مدار المہام مقرر کیا۔

ہلکر کی سکیم اور آصفجاہ ثالث کی وفاداری | مہی پت حیدرآباد سے نکل کر ہلکر کے پاس گیا اور ہلکر نے درخواست کی کہ وہ اپنی فوج لیکر حیدرآباد پر حملہ کرکے انگریزوں کو نکال دے گا اور خود دولت آصفیہ سے تعلقات دوستی قائم رکھیگا۔

اعلیحضرت آصف جاہ ثالث اس تجویز سے اتفاق نہ کر سکے۔ اور اس کی وجہ ظاہر تھی کہ وہ انگریزوں سے دوستی اور اتحاد کے معاہدات کے پابند تھے اور کسی قربانی پر بھی ان کو ترک نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری طرف اس کی کیا ضمانت تھی کہ حیدرآباد پر حملہ انگریزوں ہی کے نکالنے کے لئے ہوگا۔ لڑائیوں کا فلسفۂ اخلاق ہمیشہ دوسرا ہوتا ہے۔ فاتح اور مفتوح کے مقامات جب بدل جاتے ہیں تو فاتح اپنی

شرائط پیش کرتا ہے۔ غرض اعلیٰحضرت نے عاقبت اندیشی اور مومنانہ فراست سے یہی مناسب سمجھا کہ حیدرآباد کے امن کو برباد نہ کیا جائے اور غداری اور بیوفائی کے داغ سے دولتِ آصفیہ کو بچایا جائے اس لئے ہلکر کی درخواست آپ نے حقارت کے ساتھ رد کر دی۔ اور مہی پت کو بھی غدار قرار دیا۔ جس وقت کہ یہ جھگڑا اچل رہا تھا۔ نواب میر عالم کو بھی اپنی جان کا خطرہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ رزیڈنسی میں جا رہے تھے۔ آخر مہی پت کو کسی نے قتل کر دیا۔ اور ۱۸۰۸ء میں نواب میر عالم کا بھی انتقال ہو گیا۔

وزارت کا تنازعہ پھر شروع ہوا | نواب میر عالم کی وفات کے بعد پھر وزارت کا تنازعہ زندہ ہو گیا۔ انگریز اب چاہتے تھے کہ وزارت شمس الامراء کو دیجائے اور راجہ چندو لال بدستور پیشکار رہے نواب سکندر جاہ بہادر۔ راجہ چندو لال کے متعلق تجویز کے توموافق میں تھے۔ مگر وزارت کا شمس الامراء کو دیا جانا انہیں منظور یا پسند نہ تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مدار المہامی کی خدمت نواب منیر الملک بہادر کے سپرد ہو جو میر عالم کا داماد تھا۔

قارئین کرام کو تعجب ہوگا کہ ایک طرف تو انگریزی حکومت نواب میر عالم کی بہت بڑی طرفدار تھی۔ دوسری طرف جب منیر الملک کی مدار المہامی کا سوال آیا تو اس نے اس کی طرفداری نہیں کی۔

چونکہ نواب سکندر جاہ بہادر اس پر مستقل مزاجی سے قائم تھے اس لئے حکومت انگریزی کو با دلِ ناخواستہ نواب منیر الملک بہادر کی مدار المہامی تسلیم کرنی پڑی۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے فیصلہ بھی کر لیا کہ منیر الملک بہادر ایک تحریری اقرار دیں کہ وہ کسی معاملہ میں دخل نہ دے گا۔ اور بست وکشاد کے تمام معاملات راجہ چندو لال سے متعلق رہیں گے۔ (برگس جلد اول صفحہ ۹۲)

راجہ چندو لال | راجہ چندو لال کا ذکر اس زمانہ کی تاریخ میں کثرت سے آتا ہے۔ بلکہ ایک زمانہ میں تو ان کا ایسا اقتدار اور اثر تھا کہ حیدرآباد ہی چندو لال کا حیدرآباد

مشہور تھا۔ مجھے یہاں صرف اس قدر ہی کہنا ہے کہ راجہ چندو لال کے کارنامے دولت آصفیہ کی تاریخ میں ایک نمایاں باب رکھتے ہیں راجہ چندو لال نہایت ہوشیار اور مدبر انسان تھا۔ اس کی ترقیات کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی خدمات سے ترقی کرتے گئے۔ اور سنہ ۱۸۰۱ء میں نواب میر عالم کے خاص معتمد بن گئے اور سنہ ۱۸۰۶ء میں اُسے پیشکار بنا دیا گیا۔ میر عالم ہی کی وجہ سے راجہ چندو لال کے تعلقات انگریزوں سے بڑھے۔ اور بہت بڑھے انگریزوں نے ہمیشہ ایک مخلص اور وفادار دوست کی خیر خواہی اور سرپرستی اپنا فرض سمجھا راجہ چندو لال کی نیت پر حملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں لیکن مورخین عموماً یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کا عہد دولت آصفیہ کے لئے برکت اور ترقی کا عہد نہ تھا اور نتائج مایوسی بخش ہیں۔

اِن حالات نے دولتِ آصفیہ کی سیاسی حالت پر جو اثر پیدا کیا وہ ظاہر ہے انگریزی اقتدار دن بدن بڑھنے لگا۔

رزیڈنسی سے جھگڑا | نواب سکندر جاہ بہادر کے دو صاحبزادوں شمس الدولہ اور مبارز الدولہ کا سنہ ۱۸۱۵ء میں رزیڈنسی سے کچھ جھگڑا ہو گیا جس میں کشت و خون بھی ہوا۔ اس کا نتیجہ انگریزی اقتدار کے بڑھانے کا موجب ہوا۔ دونوں شہزادوں کو تو قلعہ گولکنڈہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ اور دوسرے لوگوں کو (جن پر اس شورش میں حصہ لینے کا الزام ثابت ہو گیا) سزائے موت دی گئی۔

نواب سکندر جاہ کی خانہ نشینی | اس وقت تک نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث بہت بے بس ہو گیا تھا۔ اور راجہ چندو لال کا اقتدار انگریزی حمایت میں اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ ایک موقع پر حضرت آصف جاہ ثالث نے راجہ چندو لال سے بعض رقوم کا حساب طلب کیا تو رزیڈنٹ درمیان میں مداخلت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کہ یہ وزیر اعظم کے معاملات میں بیجا مداخلت ہے۔

اعلیحضرت کے قلب پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ آپ نے محل سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ بعض اوقات چار سال تک باہر نہیں آئے۔ نواب سکندر جاہ بہادر ان حالات کو دیکھتے تھے اور خاموش تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ حیدر آباد کی زمین انسانی خون سے لالہ زار بن جائے۔

حیدر آباد کی مالی تباہی کا آغاز | ایک طرف انگریزی اقتدار بڑھ رہا تھا۔ دوسری طرف ریاست کی مالی حالت تباہی کی طرف جا رہی تھی اس کی تمام تر ذمہ داری راجہ چندو لال پر آتی ہے ان کا ڈیفنس اس معاملہ میں خواہ کچھ بھی ہو۔ مالی تباہی نے ریاست کی حالت نہایت خطرناک بنا دی۔ حیدر آباد میں ایک کمپنی ولیم پامر اینڈ کو کے نام سے قائم ہوئی جو ریاست کو قرض دیتی تھی۔ نومبر ۱۸۲۳ء میں چارلس مٹکاف نے جو حیدر آباد کے رزیڈنٹ تھے حساب کرایا تو اس کمپنی کے مطالبات ۷۸۰۶۰۰ تک پہنچے ہوئے تھے اور بیس لاکھ حکومت انگریزی کا بقایا تھا۔ اس طرح پر ریاست خطرناک قرضہ کے بوجھ میں دبی ہوئی تھی۔ اور اخراجات اندھا دھند ہو رہے تھے۔ جن پر کسی قسم کا کنٹرول نہ تھا۔ اور نہ کسی کو خیال آتا تھا کہ اگر یہی لیل ونہار رہے تو انجام کیا ہوگا جسے خیال آسکتا تھا اور آتا تھا۔

وہ شاہ شطرنج تھا

اس مصیبت سے نجات کی ایک تدبیر سوچی گئی جو سیاسی اغراض اور نقطۂ خیال سے ایک خطرناک تدبیر تھی اور وہ یہ کہ دولت آصفیہ سے شمالی سرکار کا مقررہ پیشکش (سات لاکھ سالانہ) ہمیشہ کے لئے معاف کرالیا گیا۔ اور اس کے بدلہ میں ایک مشت ۱۱۱۶۶۶۶۶ کی رقم دیدی گئی۔ اس کے نتائج پر غور کرو کہ اگر آج تک حساب کیا جائے تو قریباً آٹھ کروڑ کے سرکار انگریزی نے اس رقم کے بدلہ

اب تک لے لیا اور وہ علاقہ بھی آخر ہضم ہو گیا۔

اس مالی تباہی کے اسباب اور علل پر اگر بحث کیجائے تو نہایت ہی دردناک کہانی ہو جاتی ہے۔ ولیم پائر کمپنی کے قرضہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قرضہ دراصل حکومت انگریزی سے طلب کیا گیا تھا اور اس کی مقدار ۶۰ لاکھ تھی مگر حکومت نے یہ قرضہ اس ولیم پائر اینڈ کمپنی سے دلایا جس کی شرح سود بھی بہت زیادہ تھی۔ اور اس نے چار سال ہی کے بعد ایک زرخطیر کا دعویٰ اصل معہ سود کے کر دیا جس کا وہ تصفیہ ہوا جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ ایک طرف دولت آصفیہ مرض بیمار کی صورت مالی تباہی کے مرض میں مبتلا تھی۔ دوسری طرف ایسے فسادات کھڑے ہو گئے تھے۔ جنہیں اگر سیاسی عقلمندی سے کام نہ لیا جاتا تو حکومت آصفیہ کا خاتمہ ہو جاتا۔ نواب صاحب کے زمانہ میں بعض لڑائیاں بھی ہوئیں جن میں انہوں نے سرکار انگریزی کی ہر طرح حمایت کی۔

ان تمام حالات نے نواب سکندر جاہ جیسے عظیم الجثہ مضبوط اور شیر دل انسان کی صحت کو خطرہ میں ڈال دیا اور ۲۱ رمئی ۱۸۹۲ء کو صرف اٹھاون سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔

نواب سکندر جاہ کو بھی تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ چو محلہ (حسنات محل متعلق حویلی قدیم) اور بہت سی شاہی عمارتیں آپ نے تعمیر کرائیں۔ آپ کے نو صاحبزادے اور آٹھ صاحبزادیاں تھیں۔

صاحبزادوں میں سے نواب میر فرخندہ علیخان بہادر نواب ناصر الدولہ آصفجاہ رابع کے نام سے تخت نشین ہوئے۔

نواب ناصر الدولہ بہادر

نواب ناصر الدولہ بہادر نواب مغفرت منزل کے بڑے صاحبزادے تھے جو حضرت فضیلت النساء بیگم صاحبہ (المعروف چاندنی بیگم) کے بطن سے ۲۴ رمضان المبارک ۱۲۰۸ھ کو محمد آباد (بیدر) میں پیدا ہوئے تھے۔ بچپن ہی میں ناصر جنگ ناصر الدولہ کا خطاب عطا ہوا۔ اور ۲۰ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کو اورنگ نشین آصفی ہوئے۔

راجہ چندو لال صاحب نے آپ کی سرپرآرائی کی منادی کرائی ارکان دولت اور رزیڈنٹ (مسٹر مارٹن) نے پیش ہو کر نذریں گزرانیں۔

انگریزی اقتدار کا ایک اور قدم بڑھا "بابدولت" اور "نیاز مند"

حالات وقت کی جو رفتار تھی وہ اوپر بیان ہو چکی ہے نواب سکندر جاہ کی وفات نے سرکار دولت مدار کو موقعہ دیا۔ اور ارکان دولت آصفی نے اپنی نیک نیتی اور خیر خواہی سرکار دولت کا ثبوت دیا۔ اب تک سرکاری خط و کتابت میں اعلیٰ حضرت کی طرف سے بابدولت اور گورنر جنرل اپنی تحریروں میں نیاز مند لکھا کرتے تھے۔ لیکن اس موقعہ تخت نشینی پر فیصلہ ہو گیا کہ آئندہ بابدولت اور نیاز مند کی اصطلاحیں ترک کر دی جائیں۔ اور فریقین ایک دوسرے کو مساوی حیثیت سے خطاب کریں۔

نواب منیر الملک اور مہاراجہ چندو لال بدستور اپنے عہدوں پر مامور رہے لیکن درحقیقت سیاہ و سفید کے مالک

راجہ چندو لال ہی تھے

ایک نئے فتنہ کا آغاز

نواب سکندر جاہ کے عہد سلطنت میں بعض انگریز نگراں مقرر تھے لیکن نواب ناصر الدولہ بہادر کے آغاز سلطنت کے ساتھ ہی ان کو علیحدہ کر دیا گیا۔ اس وقت تو وہ خاموش رہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے دولت آصفیہ کی اندرونی بدنظمیوں کی شکایت شروع کی یہ ایک پروپیگنڈہ تھا۔ جو دولت آصفیہ

کے خلاف کیا گیا۔ بلکہ دولت آصفیہ کے خلاف پروپگنڈہ کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا پروپگنڈہ ہے۔ اس پروپگنڈہ کے لئے انگلستان کو بہترین مقام تجویز کیا گیا۔ اور اس کا نتیجہ حسب مراد نکلا۔ چنانچہ ۱۸ نومبر ۱۸۳۵ء کو لنڈن سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے اعلیحضرت نظام کو ایک الٹی میٹم دیا کہ زیادہ دیر تک دولت آصفیہ کی بدنظمیوں کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی بدنظمی فی الحقیقت بھی تو اس کی ذمہ داری دولت انگلشیہ اور اسکے مقرر کردہ مدار المہام پر عائد ہونی چاہیے۔ جس کو انگریزوں نے گویا ڈکٹیٹر بنا رکھا تھا۔ اور ہر وقت اس کی حمایت کرتے تھے۔ مگر مشکل تو یہ تھی کہ اورنگ نشین دولت آصفیہ جانتا تھا کہ مجھے کس حد تک بے بس کر دیا گیا ہے ارکان دولت کی حالت کیا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی گفت و شنید کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ بعض اضلاع میں حکومت انگریزی کی طرف سے خاص ایجن مقرر کئے جائیں جو تحصیل مالگزاری کے افسروں کی نگرانی کریں۔

برگس لکھتا ہے کہ یہ ایجن بھی آخر کار وزیر سلطنت اور اس کے کارندوں کے ہاتھ میں آلہ کار بن گئے اور اصلاح کی یہ سعی بھی خاک میں ملگئی۔ ۱۸۴۰ء میں پھر سلطنت آصفیہ کا معاملہ ڈائرکٹروں کے سامنے پیش ہوا۔ مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ ارکان دولت کے تغافل اور سہل انگاری نے حالات کو ایسی صورت میں تبدیل کر دیا کہ حکومت انگریزی کا اقتدار دن بدن بڑھتا چلا گیا اور حضرت نظام اگر چاہتے بھی کہ اصلاح کریں تو ان کے لئے اگر ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور تھا۔

ایک عجیب و غریب سازش سلطنت انگریزی کو یہ خیال صحیح یا غیر صحیح طور پر پیدا ہو گیا تھا یا پیدا کر دیا گیا تھا کہ دولت آصفیہ انگریزوں کو نکال دینا چاہتی ہے۔ اگر کوئی صاحب عقل و دانش حالات کی رفتار پر غور کرے تو یہی کہو گے کہ خود حکومت انگریزی کا اپنا

طریق عمل ہی اسے دوسروں کی آنکھ سے نظر آتا تھا۔ دولت آصفیہ اگر انگریزوں کو نکالنا چاہتی تو اس کے لئے ابتدائی عہد میں بہترین موقعے تھے اسکی وفاداری، اخلاص اور عہد ناموں کی پاسداری کا تو یہ حال ہے کہ ہلکر کی درخواست نامنظور کردی اور شیر میسور کی اعانت سے انکار کر دیا۔ مگر باوجود ان حالات کے اسے ہمیشہ یہ شبہ ہوتا رہا کہ دولت آصفیہ ان کے اخراج کے درپے ہے اس لیے دولت آصفیہ کو ہر طرح کمزور کر دینے کے لئے کسی موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا گیا۔

اسی سلسلہ میں ۱۸۳۹ء میں ایک فرضی سازش کا انکشاف کیا گیا جس کا سہرا انلور کے ایک انگریز مجسٹریٹ کے سر ہے گو اس سازش کے فرضی وجود کو بعض غداران دولت ہی نے پیدا کیا ہوگا۔

وہ سازش یہ تھی کہ نواب ناصر الدولہ کے بھائی نواب مبارز الدولہ بہادر انگریزوں کے نکالنے کی سازش کر رہے ہیں۔ میں اپنے نقطۂ خیال سے کہتا ہوں کہ اگر نواب مبارز الدولہ کو ایسا خیال پیدا بھی ہوا ہو تو کیا وہ اپنے ملک کو غیروں کے اقتدار اور اثر سے بچانے کے فطری جذبات نہ رکھتا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بات نہ تھی۔

ان ایام میں حضرت مولانا سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کی مذہبی تنظیم اور عملی اصلاح کا کام کرتے تھے آپ کے ایک خلیفہ مولانا ولایت علی مرحوم عظیم آبادی حیدرآباد بھی آئے۔ اور انھوں نے مسلمانوں کی اصلاح اور اتباع کتاب و سنت کا وعظ کہا نواب مبارز الدولہ بہادر بھی ایک دیندار مسلمان کی حیثیت سے مولانا ممدوح سے ملے اور آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اور نواب صاحب اور آپ کے رفقاء نے احکام اسلامی کی عملی پابندی کا عہد کر لیا انگریزوں کو اس تحریک میں وہابی تحریک کے جراثیم بغاوت نظر آتے تھے اسلئے

نواب صاحب اور آپ کے رفقاء پر بغاوت کا الزام قائم کردیا۔ یہ کوئی سازش نہ تھی اور نہ سیاسی تحریک سے اسے کوئی تعلق تھا۔ بہر حال اسے سازش بنادیا گیا اور نواب مبارز الدولہ اور ان کے دس رفقاء کو اس وقت تک کے لئے قید کردیا گیا۔ جب تک کہ حکومت کے نزدیک ان کی رہائی مناسب نہ ہو۔ اور آخر موت نے انہیں اس قید سے آزاد کردیا۔

ایک تباہی خیز مصیبت مہاراجہ چندو لال کی حکومت اور اقتدار کار از فیاضیوں میں مخفی تھا۔ لیکن یہ سلسلہ کب تک جاری رہ سکتا تھا۔ آخر ساہوکاروں وغیرہ سے جب روپیہ ملنا بند ہوگیا تو جرمانوں۔ قرقیوں۔ ضبطیوں اور اس قسم کی دوسری تدبیروں سے روپیہ جمع کیا جانے لگا۔ آخر یہ سلسلہ بھی کب تک جاری رہ سکتا تھا۔ دو سال کا پیشگی مالیہ بھی وصول ہو چکا تھا۔ ساہوکار اب مہاراجہ کے وعدہ پر بھی اعتبار نہ کرسکتے تھے۔ ان حالات میں مہاراجہ چندو لال نے دولت انگلشیہ سے ایک کروڑ روپیہ قرض مانگا اور وعدہ یہ کیا کہ ملک کی مالگزاری میں سے سترہ لاکھ ہر سال ادا کرتا رہونگا۔ لیکن جب یہ کہا گیا کہ اس قرضہ کے لئے سلطنت آصفیہ کی مالی حالت کا پورا نقشہ پیش کرنا پڑیگا۔ تو انہوں نے اس درخواست کو واپس لے لیا۔ آخر جب سب طرف سے مایوسی ہوئی تو نواب ناصر الدولہ سے عرض کیا کہ کچھ روپیہ دیا جائے۔ اسے وہ کہاں سے دیتے آمدنی کے مداخل ومخارج پر تو خود راجہ صاحب کا قبضہ واقتدار تھا۔ آخر مہاراجہ چندو لال تو استعفیٰ دینے پر مجبور ہو گئے۔

نواب ناصر الدولہ بہادر کی ہمت اور حوصلہ کی داد دینی چاہیئے کہ مصائب کے اس بلاخیز تلاطم میں انہوں نے مہاراجہ چندو لال کے استعفیٰ کو منظور کرنے میں تامل نہ فرمایا جو ۲۰ ستمبر ۱۸۴۳ء کو دیا گیا تھا۔ اگر کسی اور سلطنت کا مقابلہ ہوتا تو خدا جانے کیا حشر ہوتا۔ ایک آزاد کمیشن تحقیقات کیا فیصلہ کرتی مگر آصفی خاندان کی موروثی اور

طبعی نرمی اور فراخدلی نے عملی اظہار کیا۔ کہ راجہ چندولال کا استعفیٰ منظور کر کے ایک ہزار ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا اور پیشکاری کی خدمت اس کے بھتیجے۔

راجہ رام کشن کے حوالہ کر دی

سراج الملک کی وزارت چندولال کے استعفیٰ پر آخر سراج الملک وزیر بن گیا جو منیر الملک سابق وزیر کا بیٹا اور میر عالم کا نواسہ تھا۔ نواب منیر الملک بہادر ۲۵ لاکھ کا قرضہ چھوڑ گئے تھے۔ حضرت نواب ناصر الدولہ نے یہ سب قرضہ خود ادا کیا۔ گو ابتداً ساری جائداد مکفول کر لی تھی لیکن سنہ ۱۲۶۳ھ میں مکفولہ جائداد ان کے بیٹے سراج الملک کو دیدی۔ سراج الملک کی وزارت کے تھوڑی دیر بعد پھر اس میں تغیر و تبدل ہوا۔ اور نواب شمس الامراء امیر کبیر امجد الملک اور راجہ رام بخش پیشکار مدار المہامی کے کام انجام دیتے رہے۔ مگر بالآخر ۲۸ شعبان سنہ ۱۲۶۷ھ مطابق جون سنہ ۱۸۵۱ء کو سراج الملک دوبارہ وزیر ہو گئے۔ اور آخر وقت تک وزیر رہے۔

مالی حالت کی خرابی دولت آصفیہ کی مالی حالت میں ایسی خرابی کے جراثیم پیدا کر دیئے گئے تھے کہ درست ہونے میں نہ آتی تھی۔ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۵۰ء تک دولت انگلشیہ کا قرضہ ۷۰ لاکھ تک جا پہنچا تھا۔ اور اس کے علاوہ اور بھی قرضے تھے حکومت نے نواب ناصر الدولہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ انہوں نے پچاس لاکھ فوراً ادا کر دیا۔ لیکن اس کے بعد پھر قرضہ بڑھنے لگا۔ اور فوج کی تنخواہ بقایا رہنے لگی۔ سنہ ۱۸۵۲ء کے موسم گرما میں ۸ ماہ کی تنخواہ باقی تھی۔ اور ۲۴ فیصدی سود پر بھی قرضہ ملنا مشکل تھا۔ لارڈ ڈلہوزی کا زمانہ تھا انہوں نے بے طرح دھمکیاں دینی شروع کیں کہ یا تو روپیہ دو یا اس کے بدلہ میں علاقہ دیدو۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوا تو حکومت جس حصہ پر چاہے گی قبضہ کر لیگی۔ میں اس واقعہ کی

تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ یہ نہایت ہی دردناک کہانی ہے۔ اور سودخواروں کی سختیوں کا ایک اچھا مرقع ہے برگس نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد میں اس خط و کتابت کو درج کر دیا ہے جو اس معاملہ کے متعلق ہے اس کو پڑھ کر سنگدل سے سنگدل انسان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کس طرح خود اپنی مرضی سے مقرر کرائے ہوئے اہلکاروں کے ہاتھوں کی تباہ کی ہوئی سلطنت کے بے گناہ تاجدار کی بے بسی سے ہر ممکن فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ خط و کتابت کا انداز نہایت تکلیف دہ ہے برگس نے اس ساری خط و کتابت کو شائع کر کے آنے والی نسلوں کو صحیح فیصلہ کا موقع دیدیا ہے۔

آخر اس مصیبت کا برائے نام خاتمہ اس عہدنامہ پر ہوا کہ جو ۱۸۵۳ء کا معاہدہ ہے جسکی رو سے برار کا علاقہ امدادی فوج کے خرچ اور قرضہ میں حکومت انگلشیہ کے حوالہ کر دیا گیا۔ اس وقت حکومت انگلشیہ کی پوزیشن ایک امین کی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ یہ امانت مستقل قبضہ کی صورت میں منتقل ہو گئی۔ اور اب قریباً ایک صدی گذرنے کے بعد اعلیحضرت میر عثمان علیخان ساعی ہیں کہ

میری دولت مجکو واپس ملے اور خدا کے فضل سے امید ہے کہ وہ ملجائے گی

۲۷ مئی ۱۸۵۳ء کو سراج الملک کا انتقال ہو گیا اور وزارت کا قلمدان اس عظیم القدر انسان کے ہاتھ میں آیا جو حیدرآباد کی تعمیر کی تاریخ میں غیر فانی شہرت کا مالک ہے اور جو حق رکھتا ہے کہ اسے

سالارجنگ اعظم کہا جائے

نواب سالارجنگ اعظم نے جو اصلاحات کیں وہ انکی اپنی حیات سالار کی

حضرت آصف جاہ چہارم

" غفران مآب "
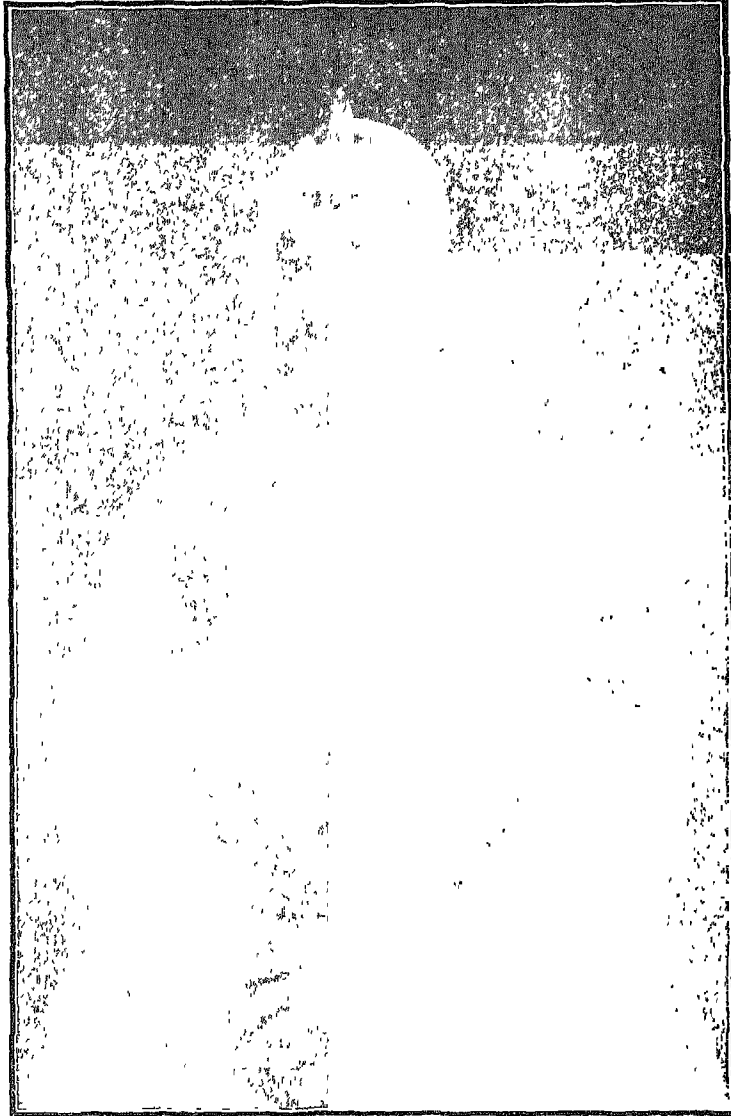
امانت ہیں۔

نواب ناصر الدولہ کے اخلاق | نواب ناصر الدولہ بہادر عمیم الاخلاق اور فیاض طبیعت کے انسان تھے۔ فقراء اور مشائخین سے اُن کو خاص عقیدت تھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح انہیں بھی عمارتوں کا شوق تھا۔ چنانچہ چادر گھاٹ کا پل اور راحت محل انہیں کی عہد میں تعمیر ہوا۔ اور بھی بعض عمارتیں تیار کرائیں۔ اور بعض کی اصلاح و مرمت کرائی۔

وہ اپنے عہد کے بہادر اور تنومند آدمیوں میں شمار ہوتے تھے۔ رعایا کی فلاح و صلاح کا انہیں بے حد خیال تھا۔ شعبان ۱۲۷۳ھ میں بمقام سرور نگر علیل ہوئے۔ اور وہاں سے حیدرآباد تشریف لائے۔ یہاں پہنچکر ۲۲ رمضان ۱۲۷۳ھ کو اسہال کے عارضہ سے ۶۶ سال چند ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا اور مکہ مسجد کے صحن کے شاہی قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ نے ۲۸ سال ۱۰ ماہ ۸ یوم سلطنت کی اور ۲ صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے جن میں سے

نواب میر تہنیت علی خان بہادر افضل الدولہ آصفجاہ خامس ۱۲۸۲ھ
ہوئے۔ اور دوسرے صاحبزادے میر جہانگیر علیخاں بہادر روشن الدولہ ۲۷ ربیع الاول کو فوت ہو گئے۔

ساتواں باب

نوابِ افضل الدولہ بہادر آصفجاہ پنجم

آپ کا اصلی نام نواب میر تہنیت علیخاں بہادر تھا۔ اور آپ نواب ناصر الدولہ بہادر غفران منزل کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو حویلی قدیم میں حضرتہ دلاور النساء بیگم صاحبہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور والد بزرگوار کے انتقال کے بعد ۳۰ سال کی عمر میں ۲۴ رمضان ۱۲۷۳ھ کو سریر آرائے دولت آصفیہ ہوئے۔

عہد حکومت اور عہد ابتلاء

نواب افضل الدولہ بہادر کا عہد حکومت گوناگون مشکلات اور مختلف قسم کی ابتلاؤں میں ہوا۔ حکومت آصفیہ کی مالی حالت تشویش ناک تھی ہی کہ ہندوستان میں غدر کی آگ بھڑک اٹھی اور ایسے وقت میں یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا کہ دولت آصفیہ کا طرز عمل کیا ہو۔

مگر نواب افضل الدولہ بہادر نے اپنے صائب الرائے مشیر اعظم نواب مختار الملک سر سالار جنگ کے مشورہ اور اپنی اولوالعزمی کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ یہی امتحان کا وقت ہے اور معاہدات کی رعایت جو ایک مومن کا فرض ہے ایسے ہی وقت

دیکھی جاتی ہے۔ اس لئے کچھ بھی ہو حکومت انگریزی کی امداد کرنی چاہیئے۔ یہ فیصلہ ایسا نہ تھا کہ مخالفت پیدا نہ کرتا۔ چنانچہ خود بلدۂ حیدرآباد میں بھی آتش بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اور بعض مفسدہ پردازوں نے محلات مبارک اور حیدرآباد خاص میں بلوہ کرنا چاہا۔ طرّہ باز خاں اور الہ دین نامی دو مفسدون نے چار پانچ سو آدمی لے کر ریذیڈنسی پر حملہ کر دیا۔

مگر اعلیٰحضرت نے نہایت تدبّر و دانش سے اس کی روک تھام کی۔ اور جہاں تک مفسدہ پرداز ملے انہیں پکڑ کر حکومت انگریزی کے حوالہ کر دیا۔ طرّہ باز خاں بچ کر نکل رہا تھا۔ کہ مارا گیا۔ اور الہ دین انڈمان بھیج دیا گیا۔

حکومت انگریزی کا اعتراف یہ زمانہ نہایت نازک تھا۔ اور اگر نظام حکومت انگریزی کی مدد نہ کرتا۔ تو اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کہ انگریزی حکومت سخت خطرہ میں تھی۔

شریف الطبع اور منصف مزاج یوروپین مصنفوں اور دوسرے انگریزوں نے صاف الفاظ میں اعتراف کیا کہ دولتِ آصفیہ نے اس زمانہ میں حکومت انگلشیہ کی

ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچا لیا

اور بعض انگریزی حکام نے یہاں تک کہا کہ

اگر نظام حیدرآباد ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم نہ رہ سکتی

حقیقت میں دولتِ آصفیہ کی یہ بہت بڑی قربانی تھی۔ اسے اس وقت

ہندوستان میں اپنی حکومت کے قائم کر لینے کا بہت اچھا موقعہ تھا۔ اور یہ خیالی بات نہیں۔ اگر نظام اس وقت

تختِ ہند کا دعویدار ہوجاتا

تو ہندوستان اسے تسلیم کر لیتا۔ اور اس کے ساتھ ہوتا۔ مگر نواب افضل الدولہ بہادر نے ایسے ابتلا کے وقت اپنے تمام سیاسی مقاصد اور مفاد کو قربان کرکے ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے اپنے معاہدات کو قائم رکھا اور۔

تاجِ برطانیہ کی حمایت کی

اور انگریزی سلطنت کو ہندوستان سے صرف نکلنے سے ہی نہیں بچایا۔ بلکہ اس کے ہاتھ اور مضبوط کر دیئے فلسفہ سیاست کے ماہرین اُسے کسی نظر سے دیکھیں اور یقیناً کہیں گے کہ نظام نے بڑی غلطی کی مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ

نواب افضل الدولہ سلطان دکن کی اخلاقی فتح تھی

بغاوت فرو ہو جانے کے بعد گورنر جنرل نے لکھا کہ ایسے نازک وقت میں حق وفاداری اور ثابت قدمی آپ کی طرف سے ادا ہوئی ہے۔ اس پر گورنمنٹ ہند آپ کی نہایت مشکور ہے۔ اور وعدہ کرتی ہے کہ آئندہ اس وفاداری کی نسبت اور طریقہ سے بھی خوشنودی کا اظہار کریگی۔

اور بظاہر اس کا اظہار عملی رنگ میں اس طرح پر ہوا کہ ڈسمبر سنہ ۱۸۶۰ء میں شورا پور اور رائچور کے علاقے دولت آصفیہ کو واپس دیدیئے۔ اور پچاس لاکھ کا قرضہ بھی معاف ہو گیا۔ (گو اس قرضہ کے وجود کے متعلق اب تک اختلاف چلا آتا ہے)
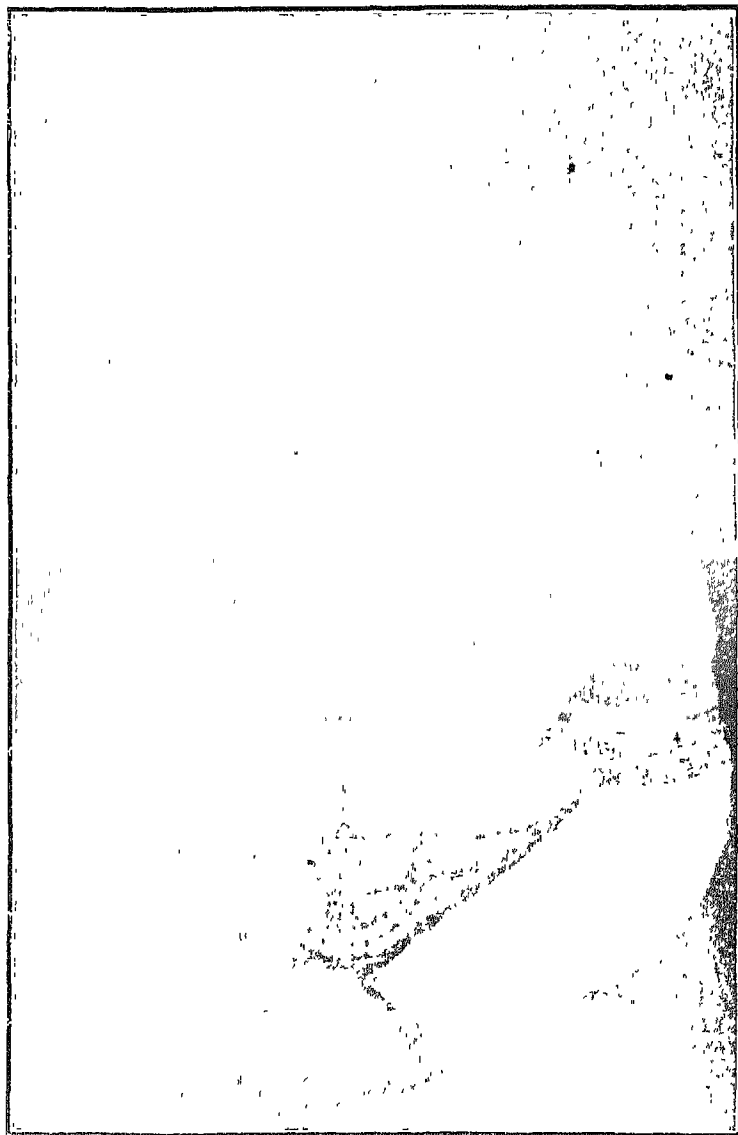
حضرت آصف جاہ پنجم
" مغفرت مکان "

۱۸۶۱ء میں گورنر جنرل نے دس ہزار پونڈ کے تحائف نواب افضل الدولہ بہادر کے حضور پیش کئے۔ تین تین ہزار پونڈ کے تحائف شمس الامراء بہادر اور سالار جنگ بہادر کو بھی پیش کئے۔ اس موقعہ پر ملکہ وکٹوریہ نے جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب بھی اعلیحضرت کو دیا۔

متفرق واقعات | نواب افضل الدولہ بہادر کے عہد حکومت کا یہی سب سے بڑا کارنامہ ہے اور بعض متفرق معمولی واقعات ہیں جو چنداں قابل لحاظ نہیں۔ بعض انتظامی تبدیلیاں جو حکومت کی بہتری کو اصلاح کی طرف لے جا رہی تھیں ابھی عمل میں آئیں۔ بعض شوریدہ سر لوگوں نے اعلیحضرت اور نواب مختار الملک سالار جنگ میں کشیدگی پیدا کرانے کی بھی کوشش کی۔ اور ایک حد تک وہ لوگ کامیاب بھی ہو گئے۔ لیکن رزیڈنٹ نے درمیان میں آکر صفائی کرادی۔ اگرچہ پورے طور پر نہ ہوئی تاہم وہ خطرناک پہلو بھی اختیار نہ کر سکی۔

ولی عہد کا تولد اور اصلاحی کام | ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ کو اعلیحضرت میر محبوب علیخاں صاحب حضرت واحد النساء بیگم صاحبہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے اور اسی سال دولت آصفیہ کی عملی انتظامی اصلاح کا سلسلہ قائم ہوا یعنی صوبے۔ تعلقے۔ اور اضلاع قائم ہوئے۔ اور ہر تحصیل میں تحصیلدار مقرر ہوئے۔

اکثر تعلقہ جات قرضہ اور فوج کی تنخواہوں میں ساہوکاروں اور جمعدار ان عرب کے قبضہ میں تھے۔ اعلیحضرت نے ان قرضہ جات کی ادائیگی کا انتظام کر کے انہیں اپنے قبضہ میں لیا۔ اور خزانہ شاہی قائم کر کے ماہ بماہ تنخواہوں کے ادا کرنے کا انتظام فرمایا اس وقت کل پانچ صوبہ سترہ اضلاع علاوہ علاقہ برابر کے قائم ہوئے تھے

صیغہ عدالت، صیغہ چوبینہ۔ دار الضرب۔ طبابت۔ محکمہ صفائی محکمہ تعلیمات وغیرہ وغیرہ بھی اسی زمانہ میں قائم ہوئے۔ بلدہ اور اضلاع میں پولیس کا انتظام ہوا۔ فوج جو پہلے بے قاعدہ تھی اُسے باقاعدہ بنایا۔ شراب اور سیندھی جو عام

طور پر فروخت ہوتی تھی اسے قانون کے حدود میں لایا گیا۔

عادات و اخلاق | آپ کو بھی عمارات کا بہت شوق تھا۔ اور متعدد محلات تعمیر کرائے گئے شہر میں متعدد عمارتیں بنیں۔ مکہ مسجد کے صحن میں پتھر کا ممبر بچھایا گیا۔ افضل گنج کا پل معہ دروازہ تعمیر ہوا۔ بازار افضل گنج آباد کیا گیا۔ افضل گنج کی مشہور مسجد افضل المساجد اور شفاخانہ افضل گنج تعمیر ہوئے۔ غرض آپ کو عمارات کا بہت شوق تھا۔

آپ اپنے مخلص اور وفادار کارکنوں کی ہر طرح قدر دانی اور عزت افزائی کرتے تھے۔ سخاوت اور عطا کے لئے آپ کا ہاتھ بہت لمبا تھا۔ دینی کاموں میں اپنے عقیدے سے موافق حصہ لیتے تھے۔ محرم میں تین لاکھ روپیہ خیرات کرتے تھے۔ امرا اور جاگیردار ہی خطابات اور جاگیریں نہیں پاتے تھے بلکہ فقرا اور اہل حاجت بھی محروم نہ رہتے تھے بارہ[۱] سال ایک ماہ اور بیس روز حکومت کی بیالیس[۲] سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور جمعہ کا دن ۱۲/ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ تھی۔ مکہ مسجد میں آپ دفن ہوئے۔ وفات کے وقت اعلیحضرت میر محبوب علیخاں بہادر کے علاوہ چھ شہزادیاں فرخندہ فال زندہ تھیں اور اس وقت کہ میں یہ تذکرہ لکھ رہا ہوں۔ ان میں سے صرف بادشاہ حضرتہ جہاندار النساء بیگم صاحبہ زندہ ہیں۔

وفات کے وقت اعلیحضرت میر محبوب علیخاں بہادر کی عمر صرف اڑہائی سال کی تھی۔ کہتے ہیں کہ اعلیحضرت مرحوم جب پیدا ہوئے تو کسی فقیر نے کہدیا تھا کہ وہ اپنے بچے پر نظر نہ ڈالیں اس لئے آپ نے اسکی پوری پابندی کی۔ بہر حال مرنے والے میں بہت بڑی خوبیاں تھیں۔ اور وہ ایک خاص شخصیت کے مالک تھے اس وقت تک دربار کی کیفیت اپنے اندر ایک شاہی شان رکھتی تھی۔ انگریز افسر بھی مقررہ سلام بجالانے کے پابند تھے۔ مگر رفتہ رفتہ تبدیلیاں ہوتی گئیں۔

آٹھواں باب

اعلیحضرت میر محبوب علیخان آصفجاہ ششم

خاندانِ آصفیہ میں اعلیحضرت میر محبوب علیخاں صاحب کو یہ خصوصیت اور امتیاز حاصل ہے کہ آپ اڑھائی سال کی عمر میں سلطانِ دکن ہوئے آپ کی پیدائش ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ کو بوقتِ شب ہوئی۔ اور ابھی آپ کی عمر اڑھائی سال ہی کے قریب ہوئی تھی کہ یکایک نواب افضل الدولہ بہادر کا انتقال ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۸۶۹ء بروز جمعہ ہوا۔

اسی وقت خاندان شاہی کی روایات کے موافق محل سرائے اور بلدہ کے دروازے بند کر دئے گئے۔ جو نواب مختار الملک سالار جنگ بہادر کے حکم سے اس وقت کھولے گئے جبکہ اعلیحضرت میر محبوب علیخان بہادر کے تخت نشین ہونے کی منادی شہر میں کی گئی اور اس طرح پر

"شاہ مُرد و شاہ زندہ باد"

کی مشہور ضرب المثل کو دہرایا گیا۔

حاشیہ ۱ مطابق ۱۸ اگست ۱۸۶۶ء۔

رسم تعزیت و دربار جلوس | قدرت کا تماشا دیکھئے کہ اڑھائی سال کی عمر کے سلطان کو اپنے بادشاہ باپ کی تعزیت کا پرسا لینے اور اپنی مسند نشینی کے فرائض ادا کرنے پڑے۔

۱۵ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ کو حضرت مغفرت مکان (نواب افضل الدولہ بہادر) کی رسم زیارت ادا ہوئی اور اسی روز دوپہر کے وقت منجھلی بیگم صاحبہ کی حویلی میں دربار تعزیت منعقد ہوا۔ خرد سال بادشاہ مسند پر رونق افروز تھا۔ اور تمام امرائے دولت اور عہدہ داروں نے بموجودگی مسٹر سانڈرسن رزیڈنٹ ماتم پرسی کی نذریں پیش کیں۔ اور دوسرے روز دوشنبہ تخت نشینی کا دربار منعقد ہوا۔

دربار آصفیہ کی پوری شان نمایاں تھی۔ امرائے دربار آصفیہ و عہدہ داران دارکان دولت اور جلیل القدر انگریز افسر اور سردار موجود تھے اڑھائی برس کا سلطان دکن سفید جامہ اور گرندار دستار شاہی زیب تن کئے ہوئے انا کی گود میں تشریف لائے۔ اور مسند نشین ہوئے۔ آپ کے تشریف فرماتے ہی نذریں پیش ہوئیں۔ اور مبارک باد کے شادیانے بجنے لگے۔

کونسل آف ریجنسی کا قیام | حیدرآباد کا اڑھائی سالہ سلطان جو پورے طور پر کلام کی بھی طاقت نہ رکھتا تھا امور سلطنت کو سرانجام دینے سے فطرتاً قاصر تھا۔ اس لئے مہمات ملک داری کے انصرام کے لئے مختار الملک سر سالار جنگ اعظم (جنہنے حیدرآباد کی تاریخ میں شاندار کام کیا ہے) اور نواب عمدۃ الملک امیر کبیر شمس الامراء رفیع الدین خان بہادر عرف منجھلے میاں کی ایک کونسل آف ریجنسی مقرر کردی گئی۔ اور تمام امور سلطنت ان فطرتاً ہوا خواہان دولت آصفیہ کے ذریعے سرانجام پانے لگے۔ اعلیحضرت کی تربیت و نگہداشت کی ذمہ داری بہت بڑا کام تھا۔ نگران و نائیشان ازلی نے اس فرض کو جس دیانت اور اخلاص کیساتھ ادا کیا اس نے

تاریخ آصفیہ میں انہیں دائمی زندگی بخشی ہے

تسمیہ خوانی | خورد سال مگر جوان بخت سلطان جلد جلد ترقی کرنے لگا۔ ۱۰ ارشعبان ۱۳۰۶ھ* کو نہایت شان و شوکت سے آپ کی تقریب بسم اللہ ہوئی۔ اس موقعہ پر روایات دولت آصفیہ کے موافق ہر طبقہ کے لوگوں کو اعلیٰ قدر مراتب انعامات و صدقات تقسیم ہوئے۔ شہر میں چراغاں کیا گیا۔ اور رزیڈنٹ صاحب بہادر نے بھی آکر مبارکباد پیش کی۔ اب خورد سال جوان بخت سلطان سمجھنے لگا تھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ پر بہت بڑی ذمہ داریاں عائد کر رکھی ہیں۔

دوسرے تعلیمی حالات | غرض آپ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور یہ سلسلہ دینی تعلیم سے شروع ہوا۔ مولوی محمد زمان خاں صاحب شاہجہانپوری نے آپ کو الف۔ ب کی تعلیم شروع کرائی۔ اور انہوں نے سورۃ فاتحہ اور بعض اردو کی کتابیں شروع کرائیں ایک مشہور خطاط مولوی مظفر الدین صاحب خوشخطی لکھانے کے لئے مامور ہوئے۔ جو سہ پہر کو تختی لکھوایا کرتے تھے۔ آپ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تمام شاہانہ تربیت کے لئے ہر قسم کے مناسب اور موزوں انتظامات تھے۔

جب آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو مختلف انگریزوں کے مشورے سے کپتان جان کلارک کو آپ کی انگریزی تعلیم کے لئے آتالیق مقرر کیا گیا۔ مگر وہ اگلے سال چلے گئے تو انکے بھائی کپتان جان کلاڈ کے سپرد یہ خدمت کی گئی ۱۸۹۱ء تک اس جوان بخت سلطان نے جو اپنے پیارے نام کی طرح سب میں محبوب تھا۔ انگریزی اور فارسی میں اچھی قابلیت پیدا کرلی۔ اور اسی سلسلہ میں سواری نشانہ بازی اور دوسرے کرتب بھی آپ کو بقدر ضرورت سکھائے گئے۔

حاشیہ* ۔ حضور مرحوم کی تعلیم کے متعلق آپ کے استاد نواب سرور الملک مرحوم کا بیان انہیں کے الفاظ میں نہایت دلچسپی سے پڑھا جاویگا جسکو میں انکی توزک "مائی لائف" کے اردو ترجمہ کارنامہ سروری سے دیتا ہوں (صفحہ ۱۳۷ تا ۱۴۴)

جہاں بانی کی تعلیم | سر سالار جنگ اعظم نے (جو حقیقی معنوں میں خان بابا کا کام کر رہا تھا) اپنے خورد سال بادشاہ کو امورِ سلطنت کی تعلیم دینے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے امورِ سلطنت کے متعلق ایک مجموعہ معلوماتِ سلطنت خود مرتب کیا۔ اور اس طرح پر دولتِ آصفیہ کے خورد سال فرمانروا کو اس اہم فرض کے لئے تیار کیا جو عملاً اس کے سامنے آنے والا تھا۔ سلطنتوں اور حکومتوں کی تاریخ میں ایسے مواقع پر عہدہ دار اور نگران کار حرص و لالچ کی وجہ سے بعض اوقات غدار اور بے وفا ثابت ہوتے ہیں مگر سر سالار جنگ اعظم کی زندگی ایک کوہِ وقار وفادار انسان کی زندگی ہے جس نے خورد سال سلطان کے عہدِ طفولیت میں تعمیرِ حیدر آباد کے لئے قابلِ یادگار ایثار اور محنت سے کام لیا۔

میری پہلی باریابی[1]

دوسرے روز سہ پہر کو حسب الطلب میں پابوس خاص یعنی جامۂ نیمہ و دستار و کمر اول وزارت پناہ کی خدمت میں پہونچا۔ مجھ کو اس لباس میں دیکھ کر بہت خندہ زن ہوئے مگر جامے کی قطع و بُرید اور اس کے بندوں کو ناپسند فرمایا بعدہٗ وہاں سے سیدھا در دولت شاہی پر حاضر ہوا۔ باہر کے جلوخانہ پر میانہ چھوڑا اور پاپیادہ جامے کو سنبھالے ہوئے کئی جلوخانے طے کر کے خلوت میں پہنچا۔ وہاں دو ہر صاحب یعنی تہنیت یار الدولہ و مستحکم جنگ میرے منتظر تھے۔ اوّل ہم سب نے نمازِ عصر پڑھی۔ بعدہٗ تہنیت یار الدولہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کا نام روشن بنگلہ تھا وہاں چلے گئے کچھ عرصے کے بعد جب حضور پر نور برآمد ہوئے تو انہوں نے مجھ کو طلب کیا۔ چھوٹا سا دالان چھوٹی سی انگنائی دالان میں کلی مسند بچھی ہوئی اس پر حضور کلاہ زر نگار بر سر، انگرکھا دکھنی وضع کا در بر، لمبی لمبی چوٹیاں تا بہ کمر عمر شریف کوئی آٹھ برس

---

[1] درجانشیہ۔ تاریخ باریابی ۲۲ محرم ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء۔ اس باریابی کے تین سال بعد سالگرہ مبارک کی تقریب میں میرے بچوں کو سرپیچ مرصع اور سو روپیہ منصب برکابِ سعادت عطا ہوا۔

سرسالار جنگ اعظم نے اپنے بیٹے امیر کبیر کے بیٹے اور بعض دوسرے امراء کے بیٹوں کو نظام ششم کا مصاحب اور ہم جماعت بنا دیا۔ تاکہ وہ سوسائٹی کی ذمہ داریوں اور ادب کو مدنظر رکھ سکیں۔ اور وہ فطری جذبات جو بچوں میں اپنے ہمجولیوں سے کھیلنے اور باہم بات چیت میں آزادی اور بے تکلفی کے ہونے میں مرنہ جائیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ سالار جنگ اعظم کا یہ

نظام تربیت کامیاب ثابت ہوا

اور اس خورد سال بچے نے جوان ہو کر جب زمام سلطنت کو براہ راست اپنے ہاتھ میں لیا تو اسکی عظیم الشان شخصیت نے اپنے طرز عمل اپنی قوت فیصلہ اپنے جود و سخا اور غریبوں سے پوری ہمدردی اپنے اعیان دولت کی وفاداری اور اخلاص کی صحیح قدردانی عام علم دوستی اور نفع رسان فطرت سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸۔ جلوہ افروز تھے۔ دو تین ماما ئیں سفید ململ برف ڈوپٹوں میں لپٹی ہوئیں پس پشت استادہ بڑے میاں اور ان کے بیٹے دست بستہ روبروئے مسند بیٹھے ہوئے، اول لفظ جو حضور پرنور نے ارشاد فرمایا یہ تھا کہ "انگریزی بولی کیسی ہوتی ہے سناؤ" میں نے انگریزی میں عرض کیا کہ I pray for your Highness long life and prosperity اس کے بعد فوراً برخاست فرما گئے۔ وہاں سے اول وزارت پناہ کی خدمت میں برائے نذر حاضر ہوا اور وہاں سے حسب الحکم کپتان صاحب کی خدمت میں گیا۔ دو تین روز سے ملاقات کی نوبت نہ آئی تھی بہت تپاک سے ملے اور تمام حالات سن کر وہ اور ان کی بی بی دونوں ہنستے رہے۔ بالخصوص میرے جامہ و نیمہ پہنے ہوئی شکل پر بہت قہقہے لگائے۔

روز اول درس مبارک۔ ملاقات کپتان صاحب۔ | علی الصباح میں حسب قرار داد در دولت فلک رفعت شاہی پر حاضر ہوا اور بگھی خانہ سے اتر کر چو محلہ مبارک میں پہنچا۔ آفتاب محل میں تہنیت یار الدولہ مستحکم جنگ۔ اکرام جنگ عرض بیگی معز الدین و فصیح الدین صاحب حاضر تھے۔ نیچے کے دالانوں میں حکیم باقر علی خان و سیح الدوران خان و

در حاشیہ۔ شاید ۱۵ محرم مگر سنہ یاد نہیں ۱۲

ایک محبوب عالم سلطان کا مقام حاصل کرلیا

ایک عجیب روایت | اعلیٰحضرت میر محبوب علیخاں کو جیسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ دولت آصفیہ میں آپ سب سے پہلے سلطان ہیں جو اڑھائی برس کی عمر میں بادشاہ ہوئے۔ اسی طرح ایک روایت کی بنا پر آپ آصفی کنگڈم میں ایک ہی بادشاہ ہیں جنہوں نے باپ کو اور جس کو باپ نے کبھی نہیں دیکھا۔

میں نے اس روایت کی مورخانہ تحقیقات نہیں کی۔ لیکن ایک طبقہ میں یہ مشہور ہے کہ نواب افضل الدّولہ بہادر کو کسی فقیر نے کہدیا تھا کہ وہ اپنے بچے پر نظر نہ ڈالیں۔ اور نواب افضل الدّولہ بہادر مرحوم نے اس فقیر کی ہدایت کی پوری پابندی کی۔

حاشیہ صفحہ ۱۱۹۔ ڈاکٹر محمد اشرف و غلام دستگیر چار چامے بچھائے ہوئے بیٹھے تھے ان سب سے مصافحہ وغیرہ ہوا۔ اتنے میں ایک کم سن گورے چٹے "امیر زادے" دوہرا بدن جامہ و نیمہ دربر و دستار طرّہ دار[۱] آصف جاہی برسر چند مصاحبین کے ہمراہ حاضر ہوئے معلوم ہوا کہ یہ ظفر جنگ فرزند خورشید جاہ شریک درس حضور پرنور ہوئے ہیں۔ اُسی وقت ہرکارہ نے خبر دی کہ کپتان صاحب چار بیتار تک آپہونچے۔ منتظم جنگ استقبال کے واسطے دروازہ پر جاکھڑے ہوئے۔ تہنیت یار[۲] الدولہ نے چوبدار کو حکم دیا کہ محل میں اطلاع کردو جلد حضور پرنور برآمد کئے جائیں۔ اس عرصہ میں کلارک صاحب بھی آگئے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ سب کو یہ خیال تھا کہ حضور پرنور پہلی بار انگریز سے ملتے ہیں مبادا مرعوب ہوجائیں۔ مگر میں نے نواب وزارت پناہ کا اطمینان کردیا تھا اور اب حضور پرنور بھی سواری

در حاشیہ[۱] مشہور یہ ہے کہ بادشاہ اورنگ زیب حضرت آصفجاہ کو نواب چین قلیچ خاں پکارا کرتے تھے اور کمال مہربانی کے باعث خاص

اپنی پگڑی عنایت فرمائی تھی چنانچہ یہ پگڑی اس وقت سے ہر رئیس کے زیب سر مبارک رہی مگر آخر عہد سلطنت میں میر محبوب علیخاں جنت آرام گاہ نے یہ پگڑی ترک فرماکر ایک بلند بیتی پگڑی زیب سر فرمائی شاید یہ پگڑی اقبال الدّولہ وقار الامراء نے ایجاد کی تھی جو اب عام طور پر باندھی جاتی ہے گو قدیم خاندانوں میں اب تک اپنی اپنی خاندانی پگڑیاں باندھی جاتی ہیں ۱۲

[۲]۔ ۱۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۰۶ھ کو انتقال کیا۔

حضرت آصف جاہ ششم
"غفران مکان"

تعلیم و تربیت کا اجمالی بیان اعلیحضرت میر محبوب علیخان جو چھٹے آصفجاہ ہوکر اڑھائی سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے تھے۔ شاہانہ انتظام اور مخلصانہ احتیاط و نگرانی میں اپنی عمر کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ نواب مختار الملک سر سالار جنگ اور امیر کبیر شمس الامراء کو قدرتی طور پر اس دن کا بے صبری سے انتظار تھا۔ جب کہ یہ بچہ سلطان جوان ہوکر عنان حکومت ہاتھ میں لے۔ آپ کی ہر تقریب پہ پہ انتہا خوشی کا اظہار ہوتا تھا ۶ ربیع الثانی ۱۲۹۱ھ بہ حیثیت بادشاہ آپ کا پہلا دربار سالگرہ ہوا جس میں بہت سے امراء اور عمائدین کو خطابات ملے۔ ایسا ہی ۸ جمادی الثانی ۱۲۹۱ھ کو آپ پہلی مرتبہ پالکی میں سوار ہوئے۔ اور اسی ماہ کی ۹ تاریخ کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰ - ہوادار رونق افروز ہوئے۔ چند ماما ئیں پیچھے پیچھے تھیں کپتان صاحب نے استقبال کرنا چاہا۔ میں نے ان کو روک دیا۔ خلاصہ اینکہ دائیں جانب کے درہ میں گول میز اور کرسیاں پہلے سے رکھ دی گئی تھیں میں اور کلارک صاحب ظفر جنگ اور مستحکم جنگ کرسیوں پر بیٹھے باقی کل حاضر باشان و ماما ئیں وغیرہ ملازمین سامنے سے ہٹ گئے۔ حضور پرنور کے چہرۂ مبارک سے خوف تو ظاہر نہ تھا مگر متحیر تھے کہ میں نے جیبوں میں سے دو تین تصاویر خوش رنگ نکالیں اور وہ سامنے رکھ کر ان کی نسبت باتیں بنانے لگا۔ یہاں تک کہ ظفر جنگ اور حضور پرنور ہنس پڑے۔ اس وقت باجازت کپتان صاحب میں نے کہا کہ اب حضور تشریف لے جائیں۔ کلارک صاحب مجھ سے بہت خوش ہوئے اور مجھ کو ساتھ لیکر چو محلہ کے پس پشت کل پھیروں کے وسیع میدان کو دیکھ کر کہا کہ یہاں لان ٹینس بنوانا چاہیے۔ کپتان صاحب انگریزی میں کہتے گئے میں اردو میں مستحکم جنگ کو سمجھاتا گیا۔ دوسرے دن میں ایک کتاب نفیس جلد کی جانوروں کی تصویر والی اور ان کی نسبت حکایات والی لے کر گیا جب ہم سب پھر میز پر بیٹھے، میں نے وہ کتاب کھولی۔ شیر کی تصویر نکلی۔ انگریزی پڑھتا گیا اور اپنی زبان میں بیان کرتا گیا کوئی پندرہ منٹ بعد حسب اشارہ کپتان صاحب میں نے کہا کہ چھٹی ہے اب تشریف لے جائیے۔ خوش خوش صحبت برخاست ہوئی۔ دوسرے روز میں سلیٹ پنسل وغیرہ بھی لیتا گیا۔ اول حکایات خوانی ہوئی بعد اس کے میں نے سلیٹ سامنے رکھ کر شیر کی تصویر دانستہ خراب کھینچی۔ ظفر جنگ نے اعتراض کیا۔ مستحکم جنگ اور کپتان صاحب ہنسنے لگے۔ حضور پرنور نے میرے ہاتھ سے پنسل چھین لی اور خود اس کی اصلاح میں مشغول ہوئے۔ الغرض تین چار روز میں

جلوس کے ساتھ پہلی مرتبہ زیبا باغ آصف نگر تشریف لیگئے۔ اس موقعہ کے لئے خاص انتظامات کیے گئے تھے۔ اور دو طرفہ فوج کھڑی تھی اور تقریباً سارا شہر اپنے بادشاہ کو دیکھنے کے لئے موجود تھا۔ یہ باتیں بطور کھیل یا تفریح کے نہ تھیں بلکہ حیدرآباد کے مدبر اعظم جس کو حیدرآباد کا پرنس بسمارک کہا جاتا ہے، نے اسے شاہی تربیت کے لئے ضروری سمجھا تھا۔ حیدرآباد کے بادشاہ کو سکھانا تھا کہ پبلک تقریبوں میں کیا ہوتا ہے۔ اس کی سیر و تفریح بھی کچھ ضوابط و قواعد رکھتی ہے۔

اسی طرح آپ ایک مرتبہ اسی مہینے کی ۲۰ تاریخ کو اپنے حشم و خدم کے ساتھ کوہ پیکر ہاتھی پر سوار ہو کر رزیڈنسی تشریف لے گئے۔ اور وہاں حسب دستور

اعلیحضرت کیلئے سلامی ہوئی

یہ سال و ماہ اسی قسم کی مصروفیتوں میں گذرتے گئے۔ ۲۲ محرم ۱۲۹۳ھ بروز دوشنبہ آغا مرزا جو بعد میں نواب سرور الملک کے خطاب سے ملقب ہوئے۔ آپکے اتالیق مقرر ہوئے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱۔ ہم سب ایسے بے تکلف ہو گئے کہ گویا مدت العمر سے ساتھ رہے تھے۔ وزارت پناہ مجھ سے ایسے خوش ہوئے کہ ایک گھڑی مع زنجیر بذریعہ مستحکم جنگ حضور پرنور کے پاس بھیجی کہ مجھ کو عطا فرمائیں اور کپتان کلارک صاحب نے خاص ڈنر کی دعوت کی جس میں نواب وزیر مع چند ملازمین مثل سید حسین صاحب بلگرامی میر ریاست علی اور امراء میں نظام یار جنگ وغیرہ مدعو ہوئے۔ میں نے اس شب کو عمامہ فرخ آبادی سر پر رکھا تھا جس پر سید حسین صاحب نے مجھ کو کاکنی لہ خطاب دیا اور واقعی صحیح خطاب دیا۔ اس واسطے کہ اتنی بڑی کامیابی کے بعد میں اپنی ہنسی بھول گیا تھا اور اتراتا پڑا پھرتا تھا۔ سید صاحب کے اس خطاب نے چونکا دیا۔ اور عمامہ اتار کر پگڑی سر پر رکھ لی۔

خلاصہ اینکہ دوسرے روز میں نے حروف انگریزی کا درس شروع کر دیا اور ظفر بیگ کو دھمکا دھمکا کر میں نے حضور پرنور کی نظروں میں اپنا وقار بھی قائم کرلیا۔ اب درس کا دستور یہ تھا کہ میں اور کپتان صاحب اور حضور پرنور و

درحاشیہ لہ لندن کے نوجوان رنگیلوں کا لقب کاکنی (Cockney) ہے۔

آپ کے سپرد کام ہوا کہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرائیں نواب سرور الملک کے خاندان کو
اس خدمت پر ہمیشہ ناز رہیگا۔ اور یہ جائز فخر ہوگا۔ میں ان تمام تقریبات کا چھوڑتا ہوں جو
حضور کی تربیت شاہانہ کے لئے عمل میں آتی تھیں مثلاً بزرگوں کی درگاہوں پر جانا اور اظہار عقیدت
اور اخلاص کے لئے نذرانہ چڑھانا یا دادو دہش کے عرفی سبق ان کو دئے جاتے تھے مختلف قسم کی
سواریوں میں سوار ہونے کے عملی آداب سکھائے جاتے تھے مقصد وحید یہی تھا کہ دولت آصفیہ
کا سلطان جوان ہو کر تمام امور سلطنت سے واقف اور اپنے عالی مرتبہ مقام کے لحاظ سے
عملی زندگی رکھتا ہو۔ میں جب اعلیحضرت کی تربیت کے ان انتظامات اور واقعات
میں سے گذرتا ہوں تو مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور نواب مختار الملک کے اخلاص
اور محبت کو دیکھ کر وجد کی حالت پیدا ہوجاتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲۔ ظفر جنگ ساتھ بیٹھے تھے۔ اور مستحکم جنگ وغیرہ کل حاضر باش نیچے کے بیوتات میں اپنے اپنے چار جامے بچھا کر حاضر رہتے تھے۔ دس بجے سے قبل درس برخاست ہوجاتا تھا۔ اور میں وہاں سے اٹھکر مدرسہ وزارت میں حاضر ہوجاتا تھا۔ بہت دن نہ گزرے تھے کہ نواب وزارت پناہ نے اس عذر سے کہ حاضر باشان در دولت شاہی سے میں خانگی کام نہیں لیتا۔ میری حاضری معاف فرمائی۔ میں نے اپنے برادر عزیز دافر تمیز مرزا رفیع الدین بیگ سلمہٗ[۲] کو وہاں ملازم رکھا دیا۔ یہ امر ایک شخص اکبر علی نامی کو جو دست گرفتہ سید حسین صاحب تھا اور ابتدائی تعلیم میں چندروز میرا ہم درس بھی کیننگ کالج میں رہا تھا ناگوار گزرا اور اب اس کی بدولت وہ پریشانی دامن گیر ہوئی کہ تادم تحریر ہذا اس میں گرفتار ہوں۔ یعنی اس ہی مرحوم نے مجھ میں اور سید حسین صاحب میں نااتفاقی کی بنا ڈالی جو روز بروز بڑھتی گئی۔ کئی بار یہ نوبت پہونچی کہ میں ڈیوڑھی مبارک سے نکالا جاؤں مگر ہر بار پروردگار عالم رحیم و کریم جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھ کو بلا میری جستجو و کوشش کے بچالیا۔ اور ایک میں ہی استاد حضور پرنور کا ہوں کہ درس کی ابتدا میرے ہاتھ پر ہوئی اور ختم بھی میرے ہاتھ پر ہوا دوسرے استاد بیچ میں شریک ہوئے یا قبل ختم غائب ہوگئے اور ایک میں ہی خوش قسمت ہوں کہ برابر مورد الطاف شاہی رہا

درحاشیہ[۲]۔ مرزا رفیع الدین بیگ یہ دوسرے چچا مرزا عاشور بیگ کے منجھلے بیٹے۔ انتقال بمقام علی گڑھ ماہ رمضان ۱۳۴۹ھ

بال بال بچے | بڑے آدمیوں کی تاریخ حیات کو اگر ہم غور سے پڑھیں تو اس میں حیرت انگیز واقعات ہوئے ہیں کہ وہ کس طرح خطرناک مقامات اور حالات میں سے بال بال بچ جاتے ہیں ۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ کو ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا جس میں حضرت محبوب الملک بال بال سلامت رہے آپ جب سیر کو نکلتے تو امرائے عظام میں سے کوئی ایک آپ کی خدمت میں حاضر رہتا اس روز نواب اقبال الدولہ بہادر کی ڈیوٹی تھی ۔ مگر نواب سلطان الملک بہادر کی ناسازی طبیعت کے سبب وہ شریک نہ ہو سکے اور نواب محتشم الدولہ بہادر اور مسٹر کلارک ٹیوٹر آپ کے حضور میں شریک نشست تھے یکایک نواب صمصام الدولہ بہادر کے جلوخانہ کے قریب گھوڑے بدکے اور میر جملہ کے تالاب کی طرف بگ ٹٹ ہو کر بھاگے ۔ کوچ مین راستہ میں گر گیا اور گاڑی کا اول بھی ٹوٹ گیا ۔ اور خطرۂ عظیم پیدا ہو گیا ۔ لیکن آپ بالکل بے خوف وخطر پورے استقلال سے بیٹھے رہے ۔ اسی حالت میں ایک حبشی نے جو مقدم جنگ جمعدار عرب کے ملازموں میں تھا گھوڑے کے پیر پر تلوار ماری جس کی وجہ سے وہ دائرہ میر کے قریب رکے اور

حضور صحیح سلامت گاڑی سے اترے

اور نواب محتشم الدولہ بہادر کی گاڑی میں سیر کرتے ہوئے ایوان شاہی میں داخل ہوئے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳ ۔ اپنا رعب قائم رکھنے کے لئے ایک قدیم انگریزی تدبیر میرے ذہن میں آئی ۔ جس کو "وہپنگ بوائے" کہتے ہیں ۔ یہ تو ناممکن تھا کہ میں ہر وقت ظفر جنگ کو دھمکاتا رہتا اس واسطے کہ بعد ذات بابرکات حضور پرنور جملہ امرا میں ان کا مرتبہ اعلیٰ تھا اور سزا دینی تو دھمکی سے زیادہ ناممکن تھی ۔ پس تجویز یہ قرار پائی کہ چند منصب داران رکاب سعادت بچے بھی حاضر رہیں ۔ اور ان کو علیحدہ درس دیا جائے گویا ایک مکتب مختصر میری نگرانی میں قائم کیا جائے ۔ اور ان کی درس دہی کے واسطے میں نے مرزا رفیع الدین بیگ کو اپنی بیش دستی میں لے لیا ۔ ان میں سے صرف ممتاز علی کا نام یاد رہ گیا جو اب بخطاب ممتاز یار جنگ افسر الملک بہادر کی دامادی سے ممتاز ہیں ۔ ان بچوں کو میں روزانہ دھمکاتا اور اکثر وقتیں بید بھی لگا دیا کرتا تھا ۔ کسی وقت میں یہ عام دستور

اس چھوٹی سی عمر میں آپ نے اپنے شاہانہ عزم و استقلال کا جو نمونہ دکھایا وہ ہمیشہ یادگار رہیگا۔

نواب گورنر جنرل سے ملاقات کے لئے سفر اسی سال ۲۰ ذیقعدہ کو آپ معہ حشم و خدم آپ دہلی تشریف لے گئے یہ سفر اس زمانہ کی مراسم مروجہ کے لحاظ سے کیا گیا۔ امرائے دولتمند اور حضرت والدہ النساء بیگم صاحبہ بھی ساتھ تھیں۔ عید الضحیٰ دہلی میں ہوئی اور دربار عید وہیں منعقد ہوا اور معمول کے موافق امرائے دولت اور دوسرے اہلکاروں نے جو ساتھ تھے نذریں پیش کیں۔ واپسی پر حیدرآباد میں پورے جلوس کے ساتھ آپ کی سواری ایوان شاہی میں داخل ہوئی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴۔ یورپ میں تھا کہ شاہزادوں کی ادب آموزی کے واسطے Whipping boy تجویز کئے جاتے تھے۔ اگرچہ شاہان دہلی میں اس کے خلاف دستور تھا۔ چنانچہ طلا جیون، عالمگیر کی خوب گوشمالی کرتے تھے۔ الغرض صبح سے دوپہر تک درس انگریزی اور بعد دوپہر درس مولوی محمد زمان خان صاحب شہید یہ اوقات درس کے مقرر ہو گئے سہ پہر کو منشی مظفر الدین خوشنویس تختی لکھوایا کرتے تھے۔

مولانا محمد زماں[1] خاں شہید نہایت احباب پرست آدمی تھے اکثر اہل حاجت اُن کے ذریعہ کامیاب ہوتے رہتے تھے۔ ایک روز ایک غریب الوطن امیدوار کو اپنے ساتھ وزیر با تدبیر کے پاس لیگئے اور فرمایا کہ آپ تو محتاج الملک لفظاً و معنیً ہیں۔ میں محتاج الملک کو آپ کی ملاقات کے واسطے لایا ہوں۔ نواب صاحب نے فوراً معقول منصب سررشتہ دیوانی سے جاری فرمادیا۔ میں بھی اُن کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ رائے یہ قرار پائی کہ میرے مشورہ سے علاوہ درس قرآن مجید کچھ درس فارسی بھی شروع کر دیا جائے اور وقتاً فوقتاً بقدر فرصت میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہوں ایسے باخدا تھے کہ اُن کا فقیرانہ رعب تمام اہل بلدہ پر حاوی تھا۔

اُن کی شہادت کا بھی عجیب قصہ ہے۔ طلبہ ہر طرف سے اُن کے پاس معقولات و منقولات پڑھنے کو آتے تھے۔ منجملہ ان کے ایک مہدوی پٹھان نوجوان سید نصرت صاحب کا مرید بھی ان کا شاگرد تھا۔ مولوی صاحب نے ایک مجلد کتاب

در حاشیہ [1] مرزا شاہ علی بنڈہ اندرون بلدہ۔ برادر کلاں مولوی مسیح الزمان خان۔ مولانا محمد زماں خاں بتاریخ ۹ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ شہید ہوئے ۱۲

اسی طرح یہ سلسلۂ تربیّت جاری رہا اور ۱۶؍ صفر ۱۳۰۱ھ کو اعلیٰحضرت لارڈ رپّن وائیسرائے ہند کی ملاقات کے لئے کلکتہ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں نواب سر خورشید جاہ بہادر، نواب وقار الامراء بہادر، نواب شمس الملک بہادر، راجہ نرندر بہادر پیشکار (منصرم مدار المہام)، نواب میر لائق علیخان بہادر عماد السلطنۃ، نواب میر سعادت علیخان بہادر شجاع الدولہ، مہاراجہ راجہ کشن پرشاد بہادر، نواب صمصام الملک بہادر، نواب افسر الملک بہادر، نواب محبوب یار جنگ بہادر وغیرہ وغیرہ امراء و ارکان و اعیانِ دولت ہمراہ تھے۔ کلکتہ میں مسلمانوں نے آپ کے ورود پر اظہار مسرت کیا۔ اور انجمن مسلمانان کلکتہ نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵۔ تردید مذہب مہدوی میں تصنیف فرمائی تھی جس سے مہدوی پٹھانوں کو غصہ آیا۔ سید نصرت صاحب بھی مولانا کے شاگرد رشید بہت ذی علم اور مہدوی پٹھانوں کے امام اور پیش نماز تھے۔ انھوں نے اس کتاب کے جواب کے واسطے اپنے مریدین سے چندہ طلب کر کے ایک عربی کتاب تجاتجا بمبئی اور مصر وغیرہ مقامات سے جمع کیا تھا۔ مگر یکایک اس نوجوان مہدوی کو ایسی حمیّت مذہبی آئی کہ اپنی جان نثار کرنے کو مستعد ہوگیا۔ اس کی والدہ نے اس دن اس کو نہلایا بالوں میں تیل ڈالا، سرمہ آنکھوں میں لگایا۔ پھول کے ہار گلے میں ڈالے اور ایک چھُرا دے کر کہا کہ بیٹا شہید ہو اور ہم کو بخشواؤ، وہ اس وقت پہونچا کہ مولوی صاحب مسجد میں بعد ظہر قرآن پڑھ رہے تھے۔ اس نے اول دو رکعت نماز ادا کی اور پھر آہستہ آ کر اس قوت سے چھُرا مارا کہ مولوی صاحب کا دل و جگر سب کٹ گیا۔ نواب وزارت پناہ ان ایّام میں کلکتہ برائے ملاقات صدر صوبہ دار ممالک ہند گئے ہوئے تھے، اور نواب مکرّم الدولہ ان کے بھانجے مسند وزارت پر نیابۃً متمکن تھے کہ یکایک بلدہ فرخندہ بنیاد میں ایک شور و غل مچ گیا۔ مگر وہ لڑکا کسی حکمت سے نکلکر چنچل گوڑہ میں سید نصرت صاحب کی خدمت میں پہونچ گیا۔ اہل بلدہ اور بالخصوص مندوزئی پٹھانوں اور عربوں نے بدلہ لینے کے واسطے کمریں باندھ لیں۔ بلدہ کے دروازے بند ہوگئے۔ چار مینار پر توپیں پہونچ گئیں۔ مکرّم الدولہ مرحوم نے کمال استقلال سے اس مرحلہ کو طے کیا اور اہل بلدہ سے وعدہ کر لیا کہ نواب وزارت پناہ کی واپسی پر پورا بدلا لیا جائے گا۔ چنانچہ نواب وزارت پناہ نے آ کر کل مہدوی پٹھانوں کو داخل بلدہ ہونے کی ممانعت کلّی کر دی اور سید نصرت صاحب کو ان کے مکان میں قید کر دیا۔ مجرم کو سزائے قتل

ایک تہنیت نامہ بھی پیش کیا۔ وائسرائے سے ملاقات کے بعد آپ نے وہاں کی نمائش دیکھی
واپسی پر کلکتہ میں محبوب شاہی مل کا سنگ بنیاد رکھا۔ واپسی پر شہر کو دلہن کی طرح آراستہ
دیکھا۔ اور بہ نفسِ نفیس منصور نامی ہاتھی پر سوار ہوکر رات کو چراغاں کا معائنہ کیا۔

تخت نشینی | آخر وہ دن آگیا جس کا انتظار تھا۔ آپ بالغ ہوگئے یہ ۱۸۸۴ء کا واقعہ ہے۔
۷ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ کو اعلیٰحضرت باقاعدہ سریر آرائے دولت آصفیہ ہوئے۔ اور اس
موقعہ پر جو شاہانہ رسوم مقرر تھیں آپ نے بہ نفسِ نفیس روایات خاندانِ آصفی کے ماتحت انجام
دیں۔ میں تمام اِن امور کی تفصیل کو چھوڑتا ہوں۔ جو اس موقعہ پر سرانجام پائے۔ وائسرائے نے
ایک شاندار تقریر کی جو ایسے موقعہ پر ایک رسمی چیز سمجھی جاتی ہے عملاً گویا آج سے بعد آپ کا

عہدِ حکومت شروع ہوا

عہدِ حکومت | میں آپکے عہدِ حکومت کے تاریخی اور تفصیلی واقعات بیان نہ کرنے کے لئے عذر کرنے پر مجبور ہوں
اس لئے کہ یہ کتاب تفصیلات کے لئے صرف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶۔ دی گئی وہ ہنستا کھیلتا گورکھا[1] ملی کے نیچے اپنے مذہب پر تصدق ہوگیا۔ نہیں معلوم حوروں کی
گود میں گیا یا اژدہائے آتش فشاں کے پیٹ میں گیا۔ بہرحال میرا نقصان کر گیا کہ میرا ایک زبردست قدر دان میرے ہاتھ
سے نکل گیا۔ اُن کی جگہ ان کے برادر خورد مولوی مسیح الزماں خاں مرحوم جو پہلے آستانۂ وزارت میں میرے خواجہ تاش
تھے، یہاں بھی میرے خواجہ تاش بنائے گئے۔ مولوی صاحب نے آتے ہی اپنے بھائی شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر
اعتراض شروع کئے اور بہت جلد مستحکم جنگ کو انتظام ڈیوڑھی مبارک سے معطل کرکے کل کارخانجات کو سوائے
اصطبل و بگھی خانہ اپنے قبضہ میں کرلیا اور اس قدر اپنا رعب و داب گرد و اطراف میں جمایا کہ نواب وزارت پناہ
بھی اُن سے کنیانے لگے۔ اور مجھ سے تو اس قدر مخالفت کرتے رہے کہ ڈیوڑھی مبارک میں مجھ جیسے کی عابا سا ایک
رہ گئی۔

درحاشیہ [1] یہ مقام موسیٰ ندی کے شمالی کنارے پر پل افضل گنج اور پرانے پل کے درمیان واقع تھا۔ اس مقام پر مجرمین قابل قصاص سے قصاص لیا جاتا تھا۔

حضرت میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ

کے سوانح حیات کی امین ہے مجھے اگر یہ سعادت اور عزت نصیب ہوئی کہ حیات محبوب لکھوں تو اس میں تمام تفاصیل کو جمع کرونگا۔ سر دست میں اہم واقعات کا مجملاً ذکر کرونگا۔

وزرا آپ کا عہد حکومت بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں عہد حیات ہندوستان کے مدبر اعظم سر سالار جنگ اوّل کے عہد میں شروع ہوا۔ انہوں نے اعلیٰحضرت میر محبوب علیخان بہادر کے ایام صغر سنی میں جس اخلاص اور وفاداری کے ساتھ کام کیا؛ اور آپ کی تربیت میں جو دلچسپی لی وہ بےنظیر ہے۔ سر سالار جنگ کا ارادہ تھا کہ اپریل ۱۸۸۲ء میں اعلیٰحضرت کو سیاحت یورپ کے لئے لے جائیں لیکن مشیت ایزدی کچھ اور چاہتی تھی۔ ۸ رفروری ۱۸۸۲ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور صرف ایک رات بیمار رہے۔ کہا جاتا ہے کہ رات کو دو بجے آپ کو ہیضہ ہو گیا۔ آپ کے بعد قدرتی طور پر سالار جنگ ثانی وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ مگر افسوس آپ کی عمر نے وفا نہ کی ۷ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ کو آپ وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ ۲۴ رجب ۱۳۰۴ھ کو آپ نے استعفیٰ دیدیا اور ۷ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ کو آپ نے رحلت فرمائی۔

سالار جنگ اوّل کی وفات کے بعد عہدہ وزارت ایک عجیب مشکلات کا موضوع رہا اور اس میں بہت بڑی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اعلیٰحضرت میر محبوب علیخاں مرحوم نے سالار جنگ ثانی کے استعفیٰ کے بعد مسند وزارت پر نواب سر آسمان جاہ بہادر کو ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ منصرم مدار المہام مقرر فرمایا۔ اور ۲۴ شوال ۱۳۰۵ھ کو انہیں منتقل کر دیا۔ مگر بعد میں کچھ حالات ایسے پیدا ہوئے کہ نواب سر آسمانجاہ بہادر نے ۴ جمادی الاوّل ۱۳۱۱ھ کو استعفیٰ داخل کر دیا۔ اور ان کی جگہہ قدرتی طور پر نواب سر وقار الامراء اقبال الدولہ بہادر وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ وہ اس سے پیشتر بھی منصرمانہ مدار المہام کی خدمات سر انجام دیتے رہے تھے۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ مدار المہام ہوئے۔ لیکن ۱۰ جمادی الاول کو وہ بھی مستعفی

ہوگئے۔

اس کے بعد اسی تاریخ کو مہا راجہ سرکشن پرشاد منصرم مدار المہام مقرر ہوئے۔ اور ۶ شعبان ۱۳۲۰ھ کو مستقل ہوگئے۔ اور آخر تک آپ ہی مدار المہام رہے۔

اس سلسلہ میں یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ جب نواب مختار الملک میر لایق علیخان بہادر نے استعفیٰ دیا تو بندگان عالی نے بہ نفس نفیس وزارت کے امور کو بھی سرانجام دیکر ثابت کردیا کہ

دکن کا فرمانروا بغیر وزیراعظم کے بھی کام کرنیکی قابلیت رکھتا ہے

ان ایام میں سر آسمان جاہ لندن میں دربار جوبلی کی شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے حضور نے بذریعہ تار نواب سر آسمان جاہ کو لندن میں ہی وزارت عظمیٰ کے تقرر کا حکم ارسال فرمایا۔

اصلاحی کارنامے | دولت آصفیہ کی تاریخ میں اصلاحی تاریخ کا دور بھی حقیقت میں دور محبوبی ہی میں شروع ہوا۔ مختلف محکموں کی اصلاح اور ان کی ترقیات کی اسکیم آپکے عہد کا جلیل الشان کارنامہ ہے اس کی تفصیلات اسی حیات محبوبی کے مقتضی ہیں جس کی طرف میں اوپر اشارہ کرآیا ہوں۔ دولت آصفیہ کی ترقیات کے لئے آپ نے ایک ایسی شاہراہ تیار کردی تھی جس پر چل کر آپ کے پیچھے آنے والے سلاطین بہت بڑا انقلاب حیدرآباد کی اصلاحی اسکیم میں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو معلوم ہوجائیگا کہ

حیدرآباد جدید کے معمار سلطان العلوم نے جو معجزہ دکھایا

وہ اسی بنیاد کا نتیجہ ہے

برار کا پٹہ | آپ کے عہد کی تاریخ دولت آصفیہ کی تاریخ میں بعض حیرت انگیز واقعات کوئے

ہوئے ہے انہیں میں سے ایک واقعہ برار کا دوامی پٹہ ہے جس کے متعلق واقعات اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اعلیٰحضرت کی مرضی کے خلاف دباؤ سے لارڈ کرزن نے حاصل کیا۔ یہ سنہ ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے چونکہ اعلیٰحضرت سلطان العلوم کے عہد عثمانی میں مسئلہ برار کا عملی حل ہونے والا ہے اور حیاتِ عثمانی میں شاید میں اسے تفصیل سے لکھ سکوں اس لئے یہاں اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ

لارڈ کرزن کی زندگی کا یہ واقعہ عبرتناک ہے

ہیرے کے مقدمہ میں شہادت | اعلیٰحضرت میر محبوب علیخان مرحوم کی زندگی کا یہ واقعہ بھی ایک غیر فانی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ ہیرے کے مقدمہ میں آپ نے بنفس نفیس شہادت دینے سے مضائقہ نہیں کیا آپ اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر شہادت سے بچ سکتے تھے۔ اور آپ کو اس کے لئے قانوناً مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن آپ نے

اغراض انصاف اور مذہب کو مقدم کیا

قرآن کریم کے رُو سے ہر مسلمان کا بلکہ ہر انسان کا شہادت حقہ کو ادا کرنا ضروری ہے اور جو شخص شہادت حقہ کا کتمان کرتا ہے وہ گنہگار ہے۔ اس لئے اعلیٰحضرت نے اس موقعہ پر اغراض انصاف کو مقدم کیا اور اپنے مذہبی فریضہ کا احترام ۔ اس مقصد کے لئے جو جریدہ آپ نے شائع کیا ہے وہ

ایک غیر فانی دستاویز آپ کی حق پسندی کی ہے

مختلف واقعات | حکومت انگلشیہ کے ساتھ آپ نے دوستانہ تعلقات کو پوری قربانی کر کے قائم رکھا اور ان تعلقات کو مضبوط رکھنے میں آپ نے معاہدات کا احترام اپنا نصب العین

بنایا جو ہر مسلمان کے لئے ایک خاص نشان ہے۔ ہر موقعہ پر دولت آصفیہ کے خاندان کی روایات کے موافق حکومت انگریزی کو پوری مدد دی۔ سرحد پر جنگ چھڑی تو اپنی خدمات پیش کیں۔ مصر میں انگریزی حکومت کو نازک حالات سے گذرنا پڑا۔ اس وقت بھی آصفجاہ ششم نے نہ صرف فوج پیش کی بلکہ بشرط ضرورت بہ نفس نفیس میدان جنگ میں جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ برما کی مہم میں بھی مدد دی اور سرحدی جنگ میں ۲۰ لاکھ نقد بھی دیا۔

موسی ندی کی طغیانی آپ کے عہد کا سب سے زیادہ درد انگیز واقعہ موسی ندی کی طغیانی ہے۔ حیدرآباد کی تاریخ میں موسی ندی کی طغیانیاں تو کوئی نیا واقعہ نہ تھا۔ رود موسی کی طغیانیوں کی تاریخ سنہ ۱۰۴۱ہجری تک جاتی ہے جبکہ عبداللہ قطب شاہی سلطان حکمران تھے۔ دولت آصفیہ میں سب سے پہلی طغیانی ۷ ربیع الثانی ۱۱۵۰ھ کو ہوئی۔ دوسری ۱۱۸۰ھ کو تیسری ۷ ربیع الثانی ۱۱۸۵ھ کو پھر ۱۲۲۴ھ بعہد نواب سکندر جاہ بہادر۔ دوبارہ پھر ۱۲۳۶ھ کو ہوئی۔ نواب ناصر الدولہ غفران منزل کے عہد سلطنت میں ۲۸ ربیع الثانی ۱۲۴۵ھ کو طغیانی آئی۔ پھر آپ کے عہد میں ۲۸ ذیقعدہ ۱۲۶۰ھ کو طغیان ہوا۔ ۲۲ رمضان ۱۲۶۲ھ کو بھی اس مصیبت سے شہر دوچار ہوا۔ حضرت نواب افضل الدولہ بہادر کے عہد میں ۲۹ محرم ۱۲۷۵ھ کو طغیانی ہوئی۔ اس طرح یہ اس ندی میں طغیانی کا سلسلہ گویا تین سو برس سے جاری تھا۔ لیکن اس مصیبت سے نجات اور آئندہ کے انتظام کا کوئی خیال نہیں ہوا۔ وقتی انتظام ہوتے رہے۔

یہ سعادت چونکہ اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر آصفجاہ ہفتم کے حصہ میں آنے والی تھی اس لئے وقتی ضرورت کا انسداد ہوتا رہا۔

اعلیحضرت میر محبوب علیخان مرحوم کے عہد میں ۱۲ ربیع ۱۳۲۱ھ رات کے دو بجے کثرت بارش کے سبب طغیانی ہوئی۔ یہ مصیبت نہایت دلگداز تھی۔ مگر یہ زیادہ دیر تک نہ رہی جو مکانات غربا وغیرہ کے منہدم ہو گئے تھے ان کی تعمیر وغیرہ کے لئے سرکار نے ۱۳۱۲ف کو

دو لاکھ روپے امداد میں دیدیئے۔ لیکن اس واقعہ سے بھی مستقل انسداد کی طرف توجہ نہیں ہوئی آخر ۱۱ رمضان ۱۳۲۶ھ کو جو طغیانی آئی وہ

قیامت کا نمونہ تھی

اس مصیبت سے خلق خدا پر جن تکالیف کا نزول ہوا قلم اس کے بیان سے قاصر ہے۔ اعلیٰحضرت اس مصیبت سے بے حد متاثر ہوئے۔ آپ نہ صرف ہر لحظہ حالات معلوم کرتے تھے بلکہ متعدد مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو کر مصیبت زدہ رقبہ میں جاتے اور لوگوں کو بہ نفسِ نفیس تسلی دیتے تھے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ عرصہ تک سجدہ میں گرے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس عذاب کے دور ہونے کے لئے دعا کرتے رہے۔ آپ کو اپنی رعایا کی تباہی کا بے حد صدمہ تھا۔

مصیبت زدگان کے لئے آپ نے شاہی محلات کو کھول دیا۔ اور بغیر کسی امتیاز کے ہر ایک کو آ کر پناہ لینے کی اجازت دیدی۔ کھانے اور کپڑے کے لئے لنگر خانے جاری کر دیئے ملازمین کو ایک ماہ کی پیشگی دیدی۔ دفاتر میں دس یوم کی تعطیل دیدی آپ نے جبرِ نقصانات کے لئے علاوہ ان انتظامات کے ایک لاکھ روپیہ نقد اور خزانہ ریاست سے پانچ لاکھ روپیہ دیا تاکہ تباہ شدہ لوگوں کو اصلاح حالات کا موقعہ ملے۔

اعلیٰحضرت کو ملک معظم پرنس آف ویلز اور دوسرے بہت سے ممتاز لوگوں کے پیغامات ہمدردی موصول ہوئے۔ اس موقعہ پر جو انتظام حضور نے فرمایا اس کی اہمیت کا پتہ تفصیلات سے ملسکتا ہے جو حیاتِ محبوب میں ملیں گی۔ غرض آپ نے اپنی غریب اور مصیبت زدہ رعایا کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ

یہ ہمدردی ہی تھی جسنے رعایا کو اس صدمہ میں زندہ رکھا

ورنہ بہت سی اموات خودکشیوں کی ہوجاتیں۔ طغیانی کی وجہ سے قریباً بائیس (۲۲) لاکھ روپیہ صرف کیا گیا۔ جس میں سے نو لاکھ سے زائد عام چندہ کا تھا۔ باقی اعلیحضرت کی جیب اور خزانہ سرکار عالی سے۔

غرض اس موقعہ پر حضور نے جس شفقت اور ہمدردی کا عملی ثبوت دیا اس کی نظیر

بہت کم ملتی ہے

وفات اور عام اخلاق | اعلیحضرت اپنے اخلاق اور جود و کرم کی وجہ سے بے حد عزیز تھے۔ وہ اپنی ہی مملکت میں نہیں۔ بلکہ باہر بھی محبوب تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اپنی رعایا کا بے حد خیال رہتا تھا اس کی راحت و آسایش کو وہ مقدم سمجھتے تھے۔ جو حاجت مند آپ کے پاس پہنچ جاتا وہ کبھی نامراد اور خالی ہاتھ واپس نہیں آیا۔ بلکہ جو مانگا سو پایا۔ مارگزیدہ کے متعلق آپ کے عمل کا خاص چرچا تھا۔ آپ نے اس مقصد کے لئے ایک خاص محکمہ کھول دیا تھا۔ عام حکم تھا کہ مارگزیدہ کوئی بھی ہو کسی وقت بھی آئے تو آپ کو فی الفور اطلاع کیجائے اور اگر سوتے بھی ہوں تو جگا دیا جائے۔ اس سے مخلوق کی نفع رسانی کی اسپرٹ کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی ذات بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھی سپاہیانہ فنون میں آپ ماہر تھے۔ اعلیٰ درجہ کے نشانہ باز اور شہسوار تھے۔ نہایت رحم دل۔ خوش مذاق۔ علم و فضل کے سرپرست اور ارباب علم کے مربی تھے۔ اور وہ تمام خصائل اپنے اندر رکھتے تھے جو ایک بلند پایہ انسان میں ہونے چاہئیں۔ کہا جاتا ہے کہ عمر بھر میں آپ نے ۲۵ کروڑ روپیہ خیرات کیا۔ سانپ کا عمل کہتے ہیں آپ نے ایک فقیر سے سیکھا تھا۔ اور شدید سردی کے زمانہ میں موسیٰ ندی میں کھڑے ہو کر وہ عمل کیا اور یہ حالت پیدا کرلی کہ جہاں کسی کو سانپ ڈستا اور وہ میر محبوب علی کا نام لے لیتا تو فوراً زہر اتر جاتا۔

آپ کی وفات کا واقعہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ آپ ملک تما پر مقیم تھے کہ ۳ رمضان ۱۳۲۹ھ بروز یکشنبہ دن کے تین بجے دفعتاً آپ پر غشی طاری ہوئی تھوڑی دیر تک یہی حالت رہی

اور اسی روز مغرب کے بعد دو چار اسہال ہوئے جو غیر معمولی تھے۔ اور ان کا سلسلہ برابر جاری رہا اور ہر اجابت پر حالت خراب ہوتی چلی گئی ڈیڑھ بجے شب کو حضرت والدہ صاحبہ کو ڈیوڑھی سے بلوایا۔

مہاراجہ صاحب بہادر مدار المہام رزیڈنٹ صاحب بہادر حکما و ڈاکٹر اور دوسرے اعیان دولت موجود تھے۔ برابر رات کے تین چار بجے تک یہی حالت رہی حکیم نابینا صاحب کا علاج ہو رہا تھا۔ آخر ۲۹ رمضان ۱۳۲۹ھ بروز دوشنبہ دن کے ساڑھے گیارہ بجے دولت آصفیہ کا محبوب بادشاہ بادشاہوں کے بادشاہ حضرت رب العالمین کے حضور میں بلایا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ خبر شہر میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور دولت آصفیہ کا دار الخلافہ آن واحد میں ماتم کدہ بن گیا۔ دن کے ڈیڑھ بجے آپ کا جسد مبارک موٹر میں رکھ کر ڈیوڑھی خلوت میں لایا گیا۔ اور رات ساڑھے گیارہ بجے مخصوص دروازہ سے جنازہ مکہ مسجد میں لایا گیا۔ اور جنازہ کی نماز کے بعد حضرت مغفرت مکان کے پہلو میں حیدرآباد کا محبوب بادشاہ سپرد خاک ہو گیا۔ اور اس نظارہ نے بتایا۔

چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

اس خبر نے تمام ہندوستان میں ایک ماتمی لہر پیدا کر دی مختلف شہروں میں ہڑتال ہو گئی۔ اور مختلف ادارے سوگ میں بند ہوئے۔ خود وائسرائے بہادر نے وائسریگل لاج کا جلسہ بال موقوف کر دیا۔ اور سرکاری دفاتر میں تعطیل عام ہوئی۔ ہندوستان کے پریس نے اس وفات پر ماتم کیا۔ انگلستان کے اخبارات میں بھی اظہار افسوس ہوا۔ حیدرآباد و ریاست کا تو کچھ پوچھو ہی نہیں متعدد تعزیتی پیغامات ہر حصہ ملک سے آئے۔

مرنے والا بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ اور اپنے نام کی طرح محبوب تھا۔ آپ کی وفات کے بعد دولت آصفیہ کے تخت پر وہ عظیم الشان انسان جلوہ افروز ہوا جس کے عہد سعادت کی تاریخ ہونے کا اس کتاب کو شرف ہے۔ یعنی قبل اسکے کہ میں حیدرآباد جدید کے عظیم الشان بانی کا تذکرہ حیات لکھوں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اجمالی طور پر ان حالات کا ذکر کروں جو اعلیحضرت مرحوم کے عہد حکومت میں مختلف قسم کی الجھنوں کا موجب ہو رہے تھے۔ انکے بیان کرنے سے میری غرض صرف یہ ہے کہ آصف جاہ ہفتم کی صائب تدبیری اور روشن خیالی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

اعلیحضرت مرحوم کے عہد میں دربار کی حالت عجیب تھی شروع سے لیکر آخر تک مختلف قسم کی سازشیں امراء و عمائد میں جاری رہیں اور ان کے باہمی اختلاف اور رقابت نے دفاتر کی حالت پر بھی اثر ڈالا اور ڈیرہ بندیاں قائم ہو کر ایک دوسرے کو شکست دینے کی ذہنیت کارفرما تھی۔ اسی وقت سے گویا یہ بات زبان زد ہو گئی کہ حیدرآباد میں دو بین اور دو شین کام کرتے ہیں۔ آپس کے اختلافات اور ذاتی نزاعوں نے مختلف اوقات میں مختلف قسم کے فتنے پیدا کر دیئے۔ جو بعض تو بالواسطہ موثر ہو سکتے تھے اور بعض بلا واسطہ مثلاً ہیرے کا مقدمہ تھا جس میں اعلیحضرت مرحوم کو بھی شہادت دینی پڑی اعلیحضرت مرحوم نے اسی موقعہ پر جو جریدہ شائع فرمایا وہ

عہد محبوبی کی شاندار دستاویز ہے

اگر میرے حصہ میں یہ سعادت آئی کہ میں حیات محبوب لکھ سکا تو میں نہایت تفصیل سے ان فتنوں کا ذکر کرونگا۔ اعلیحضرت مرحوم کے عزم و استقلال کا بھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے متعدد اور مختلف فتنوں میں آپ

طوفان میں چٹان

کی طرح کوہ وقار ثابت ہوئے انہیں فتنوں میں مسٹر مترا کے پمفلٹ سے پیدا شدہ فتنہ بھی تھا جس نے دربار کے اعلیٰ ارکین میں پارٹی فیلنگ اور باہم جدال کی سیرت پیدا کر دی تھی۔ سیزدہ سالہ رپورٹ بھی جلتی آگ پر تیل ڈالنے کا موجب ہوئی تھی اور اس نے بھی ایک طوفان بے تمیزی پیدا کر دیا۔

سردار ولیر الملک اور معدنیات کا مقدمہ بھی ایک تاریخی باب عہد محبوبی کا ہے جس سے اہلکاروں کی بلند پروازیوں اور کارسازیوں کا صحیح نقشہ سمجھ میں آتا ہے وقارِ حیات اور کارنامہ سروری کا مطالعہ اس عہد کی سیاسی بساط پر بہت اچھی روشنی ڈالتا ہے۔

حضرت آصف جاہ سابع نے حضرت مرحوم کے عہد میں اُمراء اور عمائد کی حالتوں پر ایک مبصرانہ نظر کی تھی اور جیسے آپ نے اسی زمانہ میں انگریزی حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات پر ایک دُور رس اور نتیجہ خیز نظر کر کے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ امرائے دولت اور وزرائے حکومت کے متعلق بھی ایک انقطاعی فیصلہ کر لیا تھا کہ حکومت میں کس حد تک ان کے دخل اور اثر کو رہنے دینا چاہیئے۔

جو شخص عہد عثمانی کی تاریخ کو اس نقطہ خیال اور ان حالات کی روشنی میں پڑھیگا جو اسوقت پیدا ہو چکے تھے وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ

آصف جاہ سابع نے تجدید حکومت کی ہے

گو کچھ شک نہیں کہ آپ نے اس شاہراہ اور اصول کو مکمل کیا جسکی داغ بیل حضرت مرحوم نے رکھی تھی مگر اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ یہ کام نہایت مشکل اور خطرناک تھا۔ قدرت نے بھی اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کے راستہ کو صاف کرنے میں بڑی مدد کی۔ امرائے پائیگاہ میں جو باہم نزاعیں تھیں انکا خاتمہ ان کے ساتھ ہو گیا۔

وزارت کے سوال پر جو جھگڑے ہوتے تھے وہ بھی نواب سر وقار الامراء بہادر کی وفات کیساتھ ختم ہوگئے۔ اور ان باہمی جھگڑوں نے آئندہ وزارت کے قلمدان کو امرائے پائیگاہ کے ہاتھ سے اور مدبر اعظم سر سالار جنگ کے خاندان سے بھی الگ کر دیا۔ اہلکاروں کی ریشہ دوانیوں کا بھی انسداد ہوگیا وہ لوگ جو پارٹی سازیوں کا مرکز سمجھے جا رہے تھے۔ یکے بعد دیگرے رخصت ہوگئے۔ اور حالات میں ایک نمایاں تبدیلی ہوگئی۔ جوان بخت اور جوان سال آصف جاہ ہفتم نے جب عنانِ حکومت ہاتھ میں لی تو مطلع صاف ہونے لگ گیا تھا کہ ہر قسم کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب عثمانی پوری شوکت اور جلال کے ساتھ ضیا بخش دولت آصفیہ ہوگیا۔

یہ مختصر سا تذکرہ مجھے محض اس لئے کرنا پڑا تاکہ عہد عثمانی کی شان پورے طور پر سمجھ میں آسکے۔

اعلیحضرت مرحوم اپنے وفا کیش خادم کے پورے قدر دان تھے اور ان کے ساتھ ہمیشہ کرم کی فیاضی کرتے تھے۔ خطا پوشی اور عفو تقصیر میں بھی کمال رکھتے تھے۔ موسیٰ ندی کی طغیانی نے جب حیدرآباد کے بعض حصوں کو تباہ کر دیا اسوقت اعلیحضرت مرحوم کی شفقت اور اپنی رعایا کی دلسوزی بیحد موثر تھی۔ آپ کئی دنوں تک سخت بیقرار رہے اور بارگاہ ایزدی میں بھی دعائیں کرتے تھے رعایا کے آسائش و آرام کے لئے اپنے خزانے کھولدیے اور شاہی عمارتیں پناہ گزینوں کے لئے کھولدی گئیں۔ غرض وہ نظارہ ایک دردانگیز اور رقت خیز نظارہ تھا جب وہ مرتبہ آپ رقبہ متاثرہ میں جاتے اور اپنی زبانِ فیض ترجمان سے اپنی محبوب رعایا کو تسلی دیتے اور ان حالات کو دیکھکر اشکبار ہوجاتے تھے۔ اس موقع پر کیا انتظامات کئے گئے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر مجھے یہ بتانا ہے کہ حضرت آصفجاہ سابع نے اس مصیبت عظمیٰ کو دیکھا اور اپنی بے بس رعایا کو آئندہ کے لئے اس قسم کے حملوں سے بچانے کا پروگرام بھی عمدہ وسیع پیمانہ پر بنا کر تجویز کر لیا جو آج ہم حمایت ساگر اور عثمان ساگر کی شکلوں میں دیکھتے ہیں۔ اور

حیدرآباد جدید کے دیکھنے والے سیاح کو کبھی سمجھ بھی نہیں آسکتی کہ موسیٰ ندی کی طغیانی نے کیا قیامت خیز اثر پیدا کیا تھا۔ اس خرابی میں تعمیر جدید کا ایک راز پوشیدہ تھا جو میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ کے ہاتھوں کھلنے والا تھا۔

جہاں بعض ارضی وسماوی آفات نے حیدرآباد پر حملہ کیا اور جہاں دولت آصفیہ کی سیاسی بساط پر امراء و ارکان دولت کے مہرے اپنی چالوں کا ایک خاص نقشہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہاں

حیدرآباد کے مستقبل پر تقدیر ہنستی تھی.

اور یہ سب کچھ ہونے والے سلطان کے لئے ایک درس عبرت تھا۔
حضرت محبوب دکن کے عہد سلطنت کا ایک شاندار واقعہ آپ کا جشن چہل سالہ سالگرہ مبارک بھی ایک خاص تقریب تھی۔ جو ۱۰ر شوال ۱۳۲۳ھ سے لیکر ۱۴ر شوال تک رہا۔ اس جشن کی دھوم دھام نے ایک مسرت کی عام لہر پیدا کردی تھی۔ اس جشن کا آغاز

جمعہ کی نماز سے ہوا تھا

حضرت مرحوم کے عہد میں بہت سی شاہی اور پبلک عمارات تعمیر ہوئیں اور بعض خریدی گئیں پہلی شاہی عمارتوں میں بعض اہم اضافے ہوئے۔

اعلیحضرت مرحوم خود تعلیم اور علم دوست تھے علمی قدردانی آپ کی ذات پر ناز کرتی تھی۔ شاعرانہ فطرت لیکر آئے تھے اور آصف تخلص فرماتے تھے۔ آپ کے کلام پر تبصرہ میرے مقصد اور امکان میں نہیں اور نہ اس تالیف کا موضوع ہے۔ البتہ آپ کے کلام سے آپ کی سیرۃ اور حسن کردار کا پتہ چلتا ہے مثلاً ایک شعر میں فرماتے ہیں

ایسے لوگوں میں نہیں ہم جو کہیں اور کریں
مرد جو کہتے ہیں وہ کرکے دکھا دیتے ہیں

اس شعر میں آپ کی قوت عمل کا ایک مظاہرہ ہے ایک دوسرے شعر میں فرماتے ہیں ؎

جو کامیاب نہو کوئی یہ نصیب اسکا　　نہیں قبول کی آصف نے التجا کسکی

یہ شعر وسعت حوصلہ فیاضی فراخ دلی کی شان کا مظہر ہے۔ غرض حضرت محبوب مرحوم اپنی رعایا کے اور رعایا ان کی محبوب تھی۔ میں صرف ایک اور واقعہ کا ذکر کر کے اسکو ختم کر دیتا ہوں اور یہ ایک

تاریخی سپاسنامہ ہے [۱]

جو اعلیحضرت مرحوم کو علیگڈھ کالج کے ٹرسٹیوں کی طرف سے دس سال کی عمر میں پیش کیا گیا جبکہ اعلیحضرت مرحوم دربار قیصری میں شرکت کے لئے تشریف لیگئے تھے۔

یہ سپاسنامہ اور اس کا جواب ایک نادر تاریخی حیثیت رکھتا ہے حضرت غفران مکان اپنی رعایا میں کسی قسم کی تفریق و امتیاز پسند نہ فرماتے تھے اور ہندو مسلم

حاشیہ [۱]۔ اس سپاسنامہ کے متعلق یہ اقتباس دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔ سپاسنامہ کا جواب اخوت اسلامی اور اخوت انسانی کے جن اعلیٰ جذبات کا امین ہے۔ مجھے اس پر کچھ بھی اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسی مثال ہو کہ کسی قوم کے بڑے بڑے عمر رسیدہ اکابر و اشراف نے اپنی قوم کی طرف سے کسی ایسی شخصیت کے حضور میں جس نے ابھی اس دنیا میں عمر کی صرف دس بہاریں دیکھی ہوں۔ کوئی سپاسنامہ پیش کیا ہو لیکن یہ نادر و قابل احترام مثال اس دارالعلوم کی تاریخ میں ہی پائی جاتی ہے۔ دولت آصفیہ نے اس دارالعلوم کی ابتدائی بنیاد و قیام سے ہی جو مرحمت خسروانہ فرمائی۔ اور جو گرانقدر امداد عطا کی (جس کا سلسلہ بیش از بیش ابھی تک قائم اور جاری ہے) اس کے لحاظ سے مجلس خزینۃ البضاعۃ نے یہ طے کیا کہ مجلس کے چند منتخب ممبر بمقام دہلی جبکہ اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخان بہادر دربار قیصری کی شرکت کے لئے تشریف لائیں حاضر ہو کر سپاسنامہ پیش کریں۔ جیسا یہ درخواست پیشگاہ خسروی سے منظور ہو گئی تو اصحاب مولوی سمیع اللہ خان کی سرکردگی میں بطور

دونوں کو اپنی دونوں آنکھیں تقین کرتے تھے اس خصوص میں عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنتہ وزیر اعظم دولت آصفیہ کا بیان ایک حقیقت و صداقت کی شان رکھتا ہے اور میں اسی پر اس باب کو ختم کرتا ہوں چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ

مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت غفران مکان علیہ الرحمتہ محبوب علی خان نے اس فقیر کو خلعت وزارت سے سرفراز فرمایا تو اپنی مدبرانہ روشن خیالی اور شاہانہ ہر دلعزیزی سے منجملہ دیگر بہت سی نصیحتوں کے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ ہندو و مسلم میری دو آنکھیں ہیں اگر ان میں سے کسی فرقہ کو نقصان پہونچا تو

گویا میری آنکھ کو نقصان پہونچا

ملک کی ترقی و تہذیب کے لیے ان دونوں فرقوں کے اتحاد و اتفاق کو اپنی

حکمرانی اور سلطنت کی قوت سمجھتا ہوں

یہی پولیسی ہمارے آقائے ولی نعمت حضرت ظل سبحانی آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ تعالی کی ہے (مہاراجہ سرکشن پرشاد) یمین السلطنتہ نے اعلیحضرت مرحوم و مغفور کے جس طریق عمل و نقطہ نظر کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ ایک ایسا امتیاز خصوصی ہے جس پر

بقیہ حاشیہ۔ ڈپوٹیشن کے دہلی حاضر ہوئے اور تیسری جنوری سنہ ۱۸۷۷ء کو یہ ڈپوٹیشن دربار میں باریاب ہوا۔ جب سب ممبر حاضر ہو گئے تو اعلیحضرت تشریف لائے۔ تمام ممبروں نے لوازم آداب و تعظیم کے بعد نذریں پیش کیں پھر مولوی سمیع اللہ خاں نے سپاسنامہ کو جو فارسی میں تھا پڑھا اور نقرئی کیس میں رکھ کر پیش کیا۔ اس کے بعد حضور نظام استادہ ہوئے اور نواب رشید الدولہ بہادر نے حضور ممدوح کی جانب سے جواب پڑھا جو تحریری تھا۔ اس کے بعد حضور نظام نے اپنے دست مبارک سے وہ جواب مولوی محمد سمیع اللہ خان کو عنایت فرمایا اور تمام ممبروں کو نہایت اخلاق و اعزاز سے رخصت کیا۔

اس اڈریس میں اعلیحضرت کی گورنمنٹ کی مرحمتوں کا شکریہ ادا کر کے مسلمانوں کی عام عقیدتوں کا اظہار کیا۔ اور دار العلوم کی عمارت دار العلوم اور اس میوزیم کا اپنے نام سے موسوم کرنے کی منظوری چاہی تھی۔ یہ سپاسنامہ بہت مختصر تھا لیکن اس کا ہر لفظ جوش و جذبات سے معمور تھا۔ اس میں ایک موقع پر ذیل کے شعروں میں ان تمام جذبات کو بھر دیا۔

آصفی کنگدم کو ہمیشہ جائز فخر رہیگا

دولت آصفیہ کی تاریخ میں یہ خصوصیت نمایاں ہے کہ سلاطین نے اپنی رعایا کے مختلف طبقوں میں باوجود مسلمان ہونے کے سلوک و مروّت میں کوئی امتیاز کبھی پیدا نہیں ہونے دیا۔ اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں بھی کسی خصوصیت کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ مذہب اور ضمیر کی آزادی کو انسان کا فطرتی حق سمجھ کر ہمیشہ عملاً تسلیم کیا۔

بہرحال علیگڑھ سے واپسی کے بعد دولتِ آصفیہ کو ہمیشہ علیگڑھ کی تعلیمی ترقیات کیساتھ دلچسپی ہوئی اور عملاً حیدرآباد نے جو نوازشات اس دارالعلوم پر کی ہیں وہ

بے نظیر ہیں

حیدرآباد کے شرفا نے اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے وہاں بھیجا اور علیگڑھ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو حیدرآباد کی حکومت نے سر آنکھوں پر جگہ دی اور ہر موقعہ پر حکومت نے اپنی فیاضی کا ہاتھ دراز کیا۔ اور اس وقت جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں

حضرت سلطان العلوم علیگڑھ یونیورسٹی کے چانسلر ہیں

اِس باب کو ختم کرنے سے پہلے میں بعض اہم تغیرات کا بھی ذکر مناسب سمجھتا ہوں جو

بقیہ حاشیہ۔

اے کہ توئی باعث اعزاز ما — ہست ز تو فخر و مباہات ما
بر سر ما ظلِ تو ظلِ ہما — تو ہنر اوار بود ماز
تخت نظام است منور ز تو — تاج دکن باد درخشان ز تو

جواب میں اس خلوص و عقیدت کا شکریہ تھا اور اخوت اسلامی کی طرف اس طرح اشارہ کرکے کہ۔

"مسلمانان ہر جا کہ باشند با ہمدگر برادر انند۔"

اخوت ملکی کو یوں بیان کیا تھا "بلکہ باشندگان یک ولایت باوجود اختلاف قوم و ملت اعضائے یکدیگر اند"

اس کے بعد اس قسم کی امدادوں کو اپنی حکومت کا فرض بنا کر میوزیم کی عمارت کو اپنے نام سے موسوم کرنیکی اجازت دی۔

عہد محبوبی کی تاریخ کا جزو اعظم ہیں

ان تغیرات میں سے ایک

حکومت کی زبان کا انقلاب تھا

اس وقت تک ریاست کی عدالتی اور حکومتی زبان فارسی تھی تمام فیصلے اور ہر قسم کی سرکاری مراسلت فارسی زبان میں ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ تلنگی اور مرہٹی کا بھی دور دورہ تھا بعض دفاتر ان زبانوں میں تھے اور افسرانِ اعلیٰ کو جو ان زبانوں سے واقف نہ تھے مشکلات پیش آتی تھیں اور اس دوعملی سے دفتری مشکلات ہی نہیں بلکہ حصول انصاف اور معاملات کے تصفیہ میں صیانت حقوق کا سوال خطرہ میں پڑ رہا تھا اس لیے تمام دفاتر میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے

آئندہ سرکاری زبان اُردو قرار پائی

اس انقلاب پر قدرتاً مختلف قسم کے خیالات کا اظہار ہونے لگا۔ اس وقت یہ بھی خیال تھا کہ ہم اپنی زبان (فارسی) کو جو فاتح قوم کی زبان ہے ضائع کر رہے ہیں۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ

یہ تغیر لازمی تھا

اس تغیر نے اردو کی اہمیت پیدا کر دی اور رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی کی کہ اب حیدرآباد کی ریاست کو اس پر بجا ناز ہے کہ

اس نے سب سے پہلے اُردو کو ذریعہ تعلیم بنا دیا

اس علمی اور لسانی انقلاب کے بعد جس انقلاب کو میں نہایت اہم سمجھتا ہوں وہ

وزارت کا انقلاب ہے

حیدرآباد کی وزارت ہمیشہ سے ایک ایسا عہدہ تھا کہ حکومت کی عنان اسی کے ہاتھ میں تھی اور حکمران رئیس دراصل برائے نام حکمران تھا۔ اعلیٰحضرت مرحوم کے عہد میں

عمائد و امرا اور عہدہ داران کی باہم چشمک نے ایک حیرت انگیز حالت پیدا کر دی جو انقلاب عظیم کی داعی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ تک تو اعلیحضرت مرحوم آپ ہی وزارت کا کام بھی کرتے رہے اور پھر مختلف اوقات میں وزارت میں انقلاب ہوتا رہا۔

اعلیحضرت مرحوم چاہتے تھے کہ وزارت کے منصب عظیم پر امرائے پائیگاہ مامور ہوں، اس لئے کہ اس خاندان کو دولتِ آصفیہ کے ساتھ وفاداری اخلاص اور فدائیت کا جائز ادعا تھا اور دولت آصفیہ بھی ایسا ہی یقین کرتی تھی۔ اس مقصد کے پیش نظر سالار جنگ کے خاندان سے وزارت امرائے پائیگاہ کی طرف منتقل ہوئی اور نواب سر آسمانجاہ بہادر خلعت وزارت سے سرفراز ہوئے وہ اس وقت ولایت میں تھے جب ان کا تقرر ہوا اور بذریعہ تار اطلاع دی گئی۔ لیکن نواب سر آسمانجاہ کا عہد وزارت کچھ کامیاب عہد ثابت نہ ہوا۔ میں اس کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا اور نہ یہ موقع ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ پائیگاہ کے خاندان کے لئے یہ امتیاز دائمی امتیاز ہو سکتا تھا اگر

سر آسمانجاہ کی وزارت کامیاب ہوتی

لیکن خدا تعالیٰ کی مشیت کچھ اور تھی۔ آخر وزارت میں پھر انقلاب ہوا اس مرتبہ بھی اعلیحضرت مرحوم نے پائیگاہ ہی کے خاندان کو مقدم کیا اور قلمدان وزارت

نواب سر وقار الامراء کو تفویض ہوا

لیکن انقلاب وزارت کے ساتھ جس خرابی کی بنیاد پڑ چکی تھی وہ مضبوط ہوتی گئی اور آخر کار نواب سر وقار الامراء بہادر مستعفی ہونے پر مجبور ہو گئے اور اس استعفیٰ کے بعد جلد ہی ان کی زندگی کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ اب وزارت میں انتہائی اور آخری انقلاب

ہوگیا اور۔

یہ سعادت میر عثمان السلطنت کے حصہ میں آئی

جو اس وقت تک وزیر اعظم ہیں۔

تیسرا انقلاب عہد محبوبی میں یہ ہوا کہ وزیر اعظم اور رزیڈنٹ کے مابین مراسلات کا جو طریق تھا وہ بالکل تبدیل ہو گیا جو دفتر اور کارکن اس خدمت پر مامور تھے وہ برائے نام رہ گئے اور طریق کار دوسرا ہو گیا اور دوسرے لوگ اس کے کارکن مقرر ہوئے۔ اس قسم کے انقلابات شہادت دے رہے تھے کہ

آئندہ سلطان دکن کا عظیم الشان مصلح ہوگا

اس لئے کہ ہر طرف سے آواز آرہی تھی

مصلحے باید کہ در ہر جا مفاسد زادہ اند

اعلیحضرت مرحوم اپنا کام کر چکے تھے اس لئے قدرت نے آپ کو آخری پیغام بھیج دیا اور آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات قدرتی طور پر ایک بہت بڑا صدمہ اور زبردست انقلاب تھا اور

حیدرآباد کے عہد جدید کا آغاز تھا
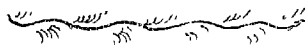
دوسرا حصہ

حیاتِ عثمانی

(اعلیحضرت میر عثمان علیخان آصفجاہ ہفتم کے سوانح حیات)

انٹروڈکٹری نوٹ

اب میں دولتِ بہیہ آصفیہ کے اس حصہ میں آیا ہوں جو اعلیحضرت میر عثمان علیخان آصف جاہ ہفتم سلطان دکن (خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ ومتعنا اللہ بطول حیاتہٖ آمین) کے حالات زندگی سے مخصوص ہے۔ اس حصہ میں میں آپ کے سوانح حیات کا محض واقعات کے رنگ میں ذکر کرونگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں کہیں کہیں میں سیرۃ عثمانی کے کسی پہلو کا بھی سرسری ذکر کروں لیکن درحصل سیرۃ عثمانی کے لئے اس کتاب کا تیسرا حصہ مخصوص ہے۔ اور بہ حیثیت سلطانِ دکن آپ نے جو کارہائے نمایاں کئے ہیں اور آپ کے عہد معدلت عہد میں جو علمی۔ اقتصادی۔ اخلاقی اور مادی ترقیات ہوئی ہیں ان کا ذکر ایک مخصوص جلد میں ہوگا جو برکاتِ عثمانی کے نام سے موسوم ہے اور وہ اسی حیاتِ عثمانی کی دوسری جلد ہے۔

حضرت آصف جاہ ہفتم کے سوانح حیات کی ترتیب میں میں نے واقعات اور حالات کی ترتیب کو سنین کی ترتیب کے لحاظ سے عموماً مدنظر نہیں رکھا بلکہ میں نے واقعات کو جمع کردینے کا کام کیا۔

اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ دولت آصفیہ کے اس جلیل الشان سلطان کی سیرۃ و سوانح پر مختلف اوقات میں اور مختلف زبانوں میں تالیفات ہوں گی کیونکہ

آصف جاہ ہفتم حیدرآباد جدید کا بانی ہے

بلکہ میں تو ایک بصیرت اور شعور کے ساتھ یہ جانتا ہوں کہ زمانہ آئندہ کا مورخ دولت آصفیہ کی تاریخ کو عہد عثمانی سے شروع کریگا۔ اور پہلے آصف جاہی سلاطین کا تذکرہ بالاجمال کیا جائے گا جسطرح یہ حضرت نظام علیخان آصفجاہ کا نام دولت آصفیہ کے بانی کی حیثیت سے لیا جاتا ہے آئندہ زمانہ کا مورخ حیدرآباد جدید یا دولت آصفیہ کے عہد جدید کا

بانی میر عثمان علیخان بالقابہ کو قرار دیگا

میں نے حضرت آصفجاہ ہفتم کے سوانح حیات کے جمع کرنے میں ایک اس امر کو بھی مدنظر رکھا ہے کہ سوانح حیات کے ان واقعات کو خواہ وہ کیسے ہی چھوٹے یا معمولی کیوں نہ ہوں ترک نہ کیا جاوے جو اعلیحضرت کی سیرۃ یا کریکٹر کے کسی پہلو کو علم النفس کی روشنی میں نمایاں کرتے ہوں سوانح نگار اپنے نقطۂ نظر کے ماتحت واقعات کو ترتیب دیتا ہے اور میں بھی اسی کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہوں لیکن میرے نظر جو چیز بالخصوص رہی ہے وہ یہ ہے کہ میں

امتیازی خصوصیات کو نمایاں کرسکوں

بہت ممکن ہے کہ اس خصوص میں بعض اہم واقعات نظر انداز ہو گئے ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ کمی نقش ثانی کے وقت پوری ہو سکے گی سردست تو میرا مقصد اسی قدر ہے کہ میں اس عظیم الشان وجود کو واقعات کی روشنی میں دنیا کے سامنے پیش کروں جس کی

ذات بہ حیثیت بادشاہ اسلامی دنیا ناز کرسکتی ہے

میں سمجھتا ہوں آنے والے اوراق حیات عثمانی کے پڑھنے والے اسی نقطۂ نظر سے پڑھیں گے جو میں نے اس تمہیدی نوٹ میں بیان کر دیا ہے ۔

عہد عثمانی اپنی گوناگون خصوصیات کے لحاظ سے دولت آصفیہ کی تاریخ میں ممتاز ہے اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ دولت آصفیہ میں اس شان اور پایہ کا کوئی سلطان نہیں گذرا تو اس سے میرا مقصد صرف نسبتی امتیاز کا اظہار ہے ورنہ دولت آصفیہ کے گزشتہ سلاطین اپنے عہد کے ماحول کے لحاظ سے اپنی جگہ

جلیل الشان سلاطین تھے

دولت آصفیہ کی امتیازی خصایص میں یہ امر نمایاں نظر آتا ہے کہ اس نے ہمیشہ وفاداری اور اخلاص اور معاہدات کے تحفظ کو ہاتھ سے نہیں دیا ورنہ اسے متعدد ایسے مواقع حاصل تھے کہ وہ ہندوستان کی حکومت میں

شاہنشاہیت کا درجہ حاصل کرتی

خصوصاً دولت مغلیہ کے آخری ایام میں وہ ہندوستان کی ایک عظیم الشان سلطنت ہو سکتی تھی میں اسوقت ان حالات پر بحث نہیں کرونگا اور نہ اسکا موقع ہے مجھے یہ کہنا ہے کہ

عہد عثمانی تاریخ آصفیہ کا عہد جدید ہے

اور یہ امر محض ایک شاعرانہ تخیل یا ممدوح کی مبالغہ آمیز مدح کے جذبہ کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت اور صداقت ہے جس کا انکار ایک بڑے سے بڑا کریٹک (نقاد) بھی نہیں کر سکتا ۔

اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کو خدا تعالیٰ نے یہ موقعہ دیا کہ وہ اپنے محترم اور رفیع المنزلت باپ محبوب دکن کے عہد حکومت کو بادشاہ ہونے سے پہلے اچھی طرح مطالعہ کر سکیں ۔ اعلیحضرت مرحوم کیلئے قدرت نے ایسے سامان پیدا نہ کئے انہوں نے اپنی حکومت کا آغاز ایسے حالات میں کیا کہ وہ آصفجاہ پنجم کے عہد حکومت اور دربار سے نہ صرف ناواقف تھے بلکہ وہ اسوقت اس حقیقت کو بھی نہ سمجھ سکتے تھے کہ

سلطنت کیا چیز ہے ؟

اس لئے کہ بہت ہی خورد سال تھے لیکن آصف جاہ ہفتم کو دربار آصفی کے امرار و اراکین کے طرز عمل اور ملک کی حالت پر ایک بصیرت افزا عبور ہو چکا تھا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ

عہد عثمانی ایک شاندار عہد ہے

مختلف قسم کی اصلاحات اور ترقیات کا سلسلہ ہر رنگ میں نمایاں نظر آتا ہے اور جیسا کہ میں نے پچھلے باب کے آخری اوراق میں دکھایا ہے کہ دربار آصفی کی کیا حالت تھی اور آصف جاہ ہفتم کے سامنے اصلاحات کے لئے کس قسم کی مشکلات کا سلسلہ تھا ان ساری باتوں کو یکجائی نظر سے دیکھنے کے بعد اس **رفیع المرتبت سلطان کی اولوالعزمی قوت فیصلہ اور جفاکشی اور صائب** تدبر کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں رہتا

الغرض

میں نے آپ کے سوانح حیات کو قلمبند کرنے میں کوشش کی ہے کہ واقعات کو بغیر کسی ترتیب کے جمع کر دیا جاوے تاہم میں نے واقعات کی ترتیب کو بالکل ترک بھی نہیں کیا بلکہ اسکا التزام رکھنے کی کوشش کی ہے عہد عثمانی کی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے انسان کو اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کی ذات میں بہت سے کمالات کا مجموعہ نظر آئیگا ۔ بہ حیثیت ایک علم دوست اور علم نواز انسان کے اسکی شان جداگانہ ہے ۔ ایک مدبر کی حیثیت سے وہ عہد حاضرہ کے کسی مدبر سے پیچھے نہیں ۔ اقتصادی معاملات کے رموز اور اسرار سے وہ اس حد تک واقف ہے کہ کوئی دوسرا کم ہوگا ۔ جہانبانی کے اصولوں سے وہ واقف ہی نہیں بلکہ اُن میں تجدید اور تکمیل کی روح پیدا کر دینے کی اہلیت اس میں موجود ہے میں اس قسم کے تمام پہلوؤں کو اسی کتاب کے تیسرے حصہ میں جو

سیرۃ عثمانی کا مرقع ہے

پیش کرنے کی بحمد اللہ سعی کرونگا ۔ اب میں اس تمہیدی نوٹ کو ختم کر کے

حیات عثمانی کے واقعات و حالات کو پیش کرتا ہوں

(عرفانی)

پیدائش اور ابتدائی حالات

اعلیحضرت میر عثمان علیخان صاحب آصف جاہ ہفتم ۲۹ رجمادی الثانی ۱۳۰۳ھ مطابق ۵ر اپریل ۱۸۸۶ء بروز سہ شنبہ رات کو ۹ بجے کے قریب حویلی[1] قدیم میں پیدا ہوئے۔ حویلی قدیم ہی ہیں آپ کے دادا نواب افضل الدولہ بہادر بھی پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت اعلیحضرت میر محبوب علیخان مرحوم کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔

حاشیہ[1]۔ حویلی قدیم اپنے نام کی مناسبت سے قدیم سے آصفی خاندان کا ایک شاہی محل ہے۔ اگرچہ اسکی تعمیر کی تاریخ کا پتہ نہیں مگر اسقدر ثابت ہے کہ نواب نظام علیخان غفران مآب کے زمانہ میں نواب رکن الدولہ وثنار الدولہ کی جائداد کے ساتھ یہ حویلی ضبط ہو کر قبضہ آصفی میں آئی تھی اور سب سے پہلے سلاطین آصفیہ میں سے نواب سکندر جاہ بہادر (مغفرت منزل) اپنے عہد ولیعہدی میں یہاں مقیم ہوئے۔ ولیعہد کے ایام آپ نے اسی حویلی میں گزارے لیکن جب آپ سریر آرائے اورنگ آصفی ہوئے تو آپ نے حویلی قدیم چھوڑ کر خلوت محل میں قیام فرمایا اس نقل مکانی سے پرانی حویلی کی شان اور آراستگی میں فرق آجانا ضروری تھا اس زمانہ سے اس کا نام حویلی قدیم ہوگیا۔ اپنے عہد حکومت میں جیسا کہ میں نے لکھا ہے حضرت مغفرت منزل یہاں رہتے تو نہ تھے مگر اسکو ایسی حالت میں نہیں چھوڑ دیا تھا کہ آپ کو خیال بھی نہ آتا ہو بر خلاف اسکے آپ اس میں کچھ نہ کچھ عمارتوں کا اضافہ کرتے تھے چنانچہ جلوخانہ۔ چوکی خانہ۔ کمان دروازہ کلاں اسی عہد سکندری کی یادگار ہیں۔

اعلیحضرت مغفرت مکان نواب افضل الدولہ بہادر بھی اسی حویلی قدیم میں پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے اعلیحضرت محبوب علیخان مرحوم کو اس شاہی مکان سے بہت محبت تھی اور زیادہ تر اسی مکان میں رہتے تھے اور آپ نے اسکی عمارتوں کی درستی اور تعمیر میں بڑا حصہ لیا اور اس کی سجاوٹ و آرائش کی طرف خاص توجہ رہی۔ اور آپ نے اس میں ایک عالیشان باؤنا قائم کیا جو اعلیحضرت کے قیام کے خاص نشان کو ظاہر کرتا تھا یہ پرچم آصفی لہراتا رہتا۔ اس وسیع محل میں علاوہ باغات کے نہایت شاندار عمارتیں بنی ہوئی

اس تقریب سعید پر تمام ممالک محروسہ میں عام طور پر تعطیل دی گئی اور عام خوشی منائی گئی۔

اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر سب سے پہلے صاحبزادے یا مولود نہ تھے بلکہ آپ کی ولادت سے پہلے مرحوم کے مشکوئے معلیٰ میں تین بچے دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ پیدا ہو چکے تھے (گویا اس لحاظ سے آپ چوتھے مولود تھے۔ جن میں سے اس وقت بڑی صاحبزادی صاحبہ اور صاحبزادہ میر فاروق علیخان بہادر (جو ولیعہد تھے) زندہ تھے دوسری صاحبزادی تو مردہ ہی پیدا ہوئی تھیں۔

پیدائشی ولیعہد نہ تھے | اگرچہ آپ پیدایش کے وقت عرف عام میں ولیعہد نہ تھے اس لئے کہ صاحبزادہ میر فاروق علیخان بہادر زندہ تھے (جو ۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ کو پیدا ہوئے تھے ان کی تقریب ولادت پر شاہانہ اظہار مسرت کیا گیا عماید السلطنۃ اور امرائے دولت نے نذریں پیش کیں اوسوقت عام طور پر خوشی کی لہر جاری تھی اور تمام ممالک محروسہ میں دولت آصفیہ کے ولیعہد کی پیدایش پر جشن منائے جا رہے تھے تبریک وتہنیت کے پیامات کا تانتا لگا ہوا تھا اور ہر نفس جو آصفی خانوادہ سے وابستہ تھا مسرور اور شادمان تھا۔

مگر تقدیر پیدا ہونے والے مولود کے سرہانے کھڑی ہنس رہی تھی اسلئے کہ مشیت ایزدی نے جس عظیم المرتبت انسان کے لئے آئندہ آصفی کنگڈم کی حکومت مقدر کی تھی۔ وہ ابھی رحم مادر میں بھی نہ آیا تھا۔ جب میر عثمان علیخان بہادر عالم وجود میں آئے اسوقت صاحبزادہ میر فاروق علیخان زندہ تھے لیکن یکم ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ بروز دوشنبہ صاحبزادہ موصوف کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بقیہ حاشیہ۔ اور کئی بڑے بڑے حوض ہیں جن میں میر عالم کے تالاب کا پانی آتا ہے اسکے اطراف کا مجموعہ ایک میل ہزار فیٹ اور رقبہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ مربع گز ہے محل کے اندر گیارہ عالیشان عمارتیں ہیں سے صرف بارہ دری گزر گاہ قائم ہے۔ حویلی قدیم کی شان و شوکت اور دولت آصفیہ کی ایک تاریخی یادگار ہے۔ نیز کی ؟ جیسے اسکی تنگیاں اشتہا میں کی کی ہزار ہا [illegible]

(دیکھو جریدہ جلد ۴ صفحہ ۷۴ مورخہ ۱۳ ؍ شہریور ۱۲۹۶ف مطابق یکم ذیعقدہ ۱۳۰۴ھ)

مشیت ایزدی نے اس واقعہ کے ساتھ اپنے منشا کا اظہار کردیا۔ اور وہ تمام امیدیں جو میر فاروق علیخان کی ذات سے وابستہ تھیں ختم ہوگئیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر کو اپنی زندگی قربان کرکے میر فاروق علیخان بہادر کو زندہ رکھا جا سکتا تو جیسا کہ بعد کے واقعات نے ظاہر کیا کہ آپ کو اپنے بھائیوں سے بے انتہا محبت ہے یقیناً وہ اس قربانی میں اپنی تمام مسرتوں کی انتہا یقین کرتے مگر

مشیت ایزدی نے آصف جاہ ہفتم میر عثمان علیخان کو منتخب کر رکھا تھا

اس لئے میر فاروق علیخان نے ان کے لئے جگہ کو خالی کر دیا۔ اعلیحضرت مرحوم کے بہت اولادیں تھیں مگر اکثر ان میں سے فوت ہوجاتی رہیں لیکن حیدر آباد کے ہونے والے سلطان کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور اسے لمبی عمر عطا فرمائی۔ زندہ باد میر عثمان علیخان یہ ایک خدائی فعل اور ربانی فیصلہ تھا کہ دولت آصفیہ کی تعمیر جدید کا بانی عثمان علیخان کے سوا اور کوئی نہ ہوا اسلئے میر فاروق علیخان کو موت کے راستہ گذار کر اورنگ آصفیہ کو آپ کے لئے محفوظ کر دیا۔

ایک عجیب اتفاق اور عہد ترقیات کا آغاز | یہ عجیب بات ہے کہ حیدر آباد کی ترقیات اور تعمیر جدید کا سلسلہ میر عثمان علیخان بہادر کی ولادت کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے بقول شخصے

سالے کہ نکوست از بہارش پیدا

اگر دولت آصفیہ کے عہد جدید کی تاریخ کو بہ نظر امعان پڑھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ترقیات کا سلسلہ ۱۳۰۴ھ سے ہی شروع ہوتا ہے چنانچہ یہی وہ سال ہے جبکہ بیزواڑہ لائین کا افتتاح ہوا۔ اعلیحضرت اس کے افتتاح کے لئے تشریف لے گئے۔

سنہ ۱۳۰۳ھ کے بعد ایسے ایسے امور سرانجام پائے جو ریاست حیدرآباد کی آئندہ ترقی اور توسیع کے لئے بطور اساس تھے چنانچہ سنہ ۱۳۰۹ھ میں اعلیحضرت میر محبوب علیخاں مرحوم نے کیبنٹ کونسل قائم کرکے انتظام حکومت کے لئے صحیح لائن تجویز فرمائی اور قانونچہ مبارک شایع فرمایا یہ میں نے بطور مثال لکھا ہے ورنہ تاریخ آصفی کا طالب علم دیکھے گا کہ

حیدرآباد کی ترقیات کی تاریخ اسی سال سے شروع ہوتی ہے

اور عہد محبوبی کی تاریخ اس با اقبال سلطانِ دکن کے لئے بطور ارہاص ہے۔

رسم اسم | عام طور پر بچوں کا نام اور عقیقہ ساتویں روز ہوجاتا ہے اور یہی مسنون طریق ہے۔ لیکن بعض حالات کے ماتحت آپ کا نام ۲۵ شعبان المعظم سنہ ۱۳۰۴ھ سے پہلے نہ رکھا گیا اس تاریخ کو آپکا نام میر عثمان علیخاں رکھا گیا اور رسم چلہ ادا ہوئی۔ اس تقریب پر ریاست کی قدیم روایات اور دستور کے موافق نواب سالار جنگ ثانی وزیر اعظم نے جھولا داخل کیا اور نذریں پیش ہوئیں مولود مسعود کی اٹھان حیرت انگیز تھی اور آپ کے بشرہ سے علامات اقبال نمایاں ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی   می تافت ستارۂ بلندی

بسم اللہ اور ختنہ | جیسا کہ میں نے بیان کیا آپ کی رسم اسم میں غیر معمولی توقف ہوا ممکن ہے اسکے ساتھ بعض توہمات کا بھی تعلق ہو جو اس زمانہ میں عام تھے) اسیطرح عام طور پر ختنہ اور نام کی تقریب عقیقہ ہی کے دن ہوجاتی ہے۔ لیکن آپ کی تقریب ختنہ بھی اسی وقت عمل میں نہیں آئی بلکہ یہ تقریب قریباً گیارہ سال کی عمر میں ہوئی تھی ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۴ھ کو میں اس امر بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا کہ اس زمانہ تک دولت آصفیہ کے شاہی خاندان میں بھی بہت سے مراسم اور توہمات پائے جاتے تھے لیکن عہد عثمانی کے برکات میں یہ بھی داخل ہے کہ اس قسم کے توہمات کو ترک کر دیا گیا۔ ورنہ شاہی تقریب اور جو خوشی ہر تقریب کے لئے اوقات مقرر کیا

کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ کو حسب الحکم اعلیٰحضرت مرحوم حویلی قدیم میں
ڈیڑھ سو برہمنوں کو عمدہ کھانا پکوا کر کھلائے گئے اور فی برہمن دو روپیہ دکشنا دی گئی یہ حکومت
آصفی کی رواداری اور غیر متعصبی پر بھی ڈال ہے بہرحال آپ کی رسم بسم اللہ تو ۳ ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ
بروز یکشنبہ عشرت محل کی خوابگاہ میں مولوی نور الحسن صاحب کے ذریعہ ہوئی۔ آپ کی تعلیم
کا آغاز عشرت محل میں ہونا ایک مبارک فال تھا کہ یہ نوجوان تعلیمی پروگرام میں

حیرت انگیز انقلاب پیدا کردیگا

اور عشرت کدوں کو تعلیمی اداروں سے تبدیل کردیگا چنانچہ واقعات مابعد نے ثابت
کردیا کہ عشرت محل میں جس شہزادہ کی بسم اللہ ہوئی تھی وہ عیش و عشرت میں مصروف
ہونے کی بجائے

سلطان العلوم

قرار پایا۔

اسی سلسلہ میں میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا ختنہ اسی پرانے طریق پر ایک
حجام کے ذریعہ ہوا۔ جو شاہی اصلاح ساز تھا اس کا نام حرمت علی تھا اور اس کا باپ بادشاہ علی
مشہور اصلاح ساز تھا جسکو حضرت غفران مکاں کا ختنہ کرنیکا بھی فخر حاصل ہوا تھا۔ اس خوشی
کی تقریب پر خاندان آصفی کی روایات کو ملحوظ رکھا گیا ہر قسم کے انعام و اکرام تقسیم ہوئے۔
اس زمانہ میں بھی جبکہ ڈاکٹری اور سرجری میں بڑی بڑی ترقیاں اور حیرت انگیز
انکشافات ہو چکے ہیں ختنہ سازی اور بعض جھوڑوں کے علاج میں یقیناً حجام نہایت
ماہر اور اوستاد ہیں۔ غرض آپ کی رسم بسم اللہ کے بعد آپ کی تعلیم و تربیت کا ایک مستقل
سلسلہ شروع ہوا۔

ابتدائی تعلیم و تربیت | آج سے پچاس برس پیشتر ہندوستان کی تعلیمی حالت اور تعلیمی نظام

جو کچھ بھی تھا اس کا تصور بھی عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن بہرحال ملوک و سلاطین اور امرائے عظام کے بچوں کی تعلیم کے لئے ہر قسم کے اسباب بآسانی متیسر ہوتے تھے۔

اعلیحضرت مرحوم نے ہونے والے آصف جاہ اور سلطان کی اتالیقی کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب فرمایا جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے چنانچہ عربی فارسی کی تعلیم کے لئے مولوی انوار اللہ خان صاحب اور علامہ سید علی شوستری اور نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی مقرر ہوئے۔ اعلیحضرت میر عثمان علیخان نہایت ذہین اور فطین فطرت لیکر آئے تھے باوجود شاہزادہ ہونے اور ہر قسم کے اسباب تنعم موجود ہونے کے

المنین ایک ذوق علم تھا

جس نے انہیں تعلیمی مراحل کو آسانی اور خوشی کے ساتھ طے کرنے کا موقعہ دیا۔ اپنی تعلیم کے زمانہ میں آپ اپنے اساتذہ کا پورا احترام اور ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ اگرچہ اساتذہ بھی آپ کے مقام کو سمجھتے تھے مگر میر عثمان علیخان اس معاملہ میں ایک قابلِ تقلید نمونہ پیش کرتے تھے اساتذہ کی اطاعت اور اُن کے مقام کی شناخت واحترام کرتے ہوئے آپ اپنے زمانہ تعلیم کو مفید اور کارآمد بنانے میں مصروف تھے۔

اور تعلیم سے متعلق محض مقلدانہ روش ہی نہ رکھتے تھے اور طوطے کی طرح رٹ لینا نہ جانتے تھے بلکہ اپنی خداداد فطانت سے ایک اجتہادی رنگ رکھتے تھے۔ اور مقصد تعلیم کو سمجھتے تھے۔

دینی تعلیم اور اساتذہ کا مذہبی اثر | اعلیحضرت محبوب علی پاشا مرحوم نے دولت آصفیہ کے ہونے والے سلطان کے لئے سب سے اوّل علوم دینی سے واقف کرانا ضروری سمجھا اس لئے کہ تمام اخلاق اور جہان بانی کے صحیح اصولوں کی بنیاد حقیقی مذہب ہی ہے۔ آپ نے دینی تعلیم کے لئے اور اسلامی لٹریچر کے لئے جو اوستاد مقرر کئے وہ اپنے علم اور تجربہ اور عمل کے لحاظ سے بہترین اساتذہ تھے۔ مذہب کے لحاظ سے مولوی انوار اللہ خان حنفی تھے

شوستری صاحب اور نواب عماد الملک بہادر شیعہ تھے اگرچہ اس عہد تعلیم میں اساتذہ کسی ایک یا دوسرے رنگ کو آپ کی طبیعت پر غالب کرنے کی کوشش نہ کرتے تھے تاہم کچھ نہ کچھ اثر ضرور پڑتا تھا مگر مجتہدانہ طبیعت رکھنے والے میر عثمان علیخان نے باوجودیکہ آپ دو شیعہ حضرات کے زیر تعلیم تھے

حنفیت کا عقیدہ آپ پر غالب اور موثر رہا اس کے ساتھ ساتھ اہل بیت کا جذبہ بھی بڑھتا گیا

جہاں تک میری تحقیقات ہے یہ مولوی انوار اللہ خان صاحب کی محنت اور صحبت کا اثر نہ تھا بلکہ اعلیحضرت کی مجتہدانہ طبیعت کا نتیجہ تھا۔ شیعہ مذہب کے اثرات (اگر اسے اثرات کہا جاوے) میں سے آپ پر حب اہل بیت کے عقیدہ کا اثر ہوا مگر میں کہتا ہوں کہ اہل بیت کی محبت شیعوں کا مخصوص عقیدہ نہیں ہر مسلمان کے لئے اہل بیت نبوی کے ساتھ محبت اور عقیدت اس کے ایمان کا ایک جزو ہے۔ غرض اس میں شک نہیں کہ اہل بیت کی محبت اور عظمت بھی آپ کے قلب میں اسی زمانہ سے بڑھتی گئی اور یہ کسی تقلیدی رنگ میں نہیں بلکہ بطور ایک حقیقت نفس الامری کے کہ اہل بیت نبوی کے ساتھ محبت و اخلاص ہر مومن مسلمان کے ایمان میں داخل ہے۔

ان اساتذہ سے آپ نے عربی فارسی کی ضروری کتابیں اور دینیات کی معروف درسی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور بہت جلد ترقی کی جب آپ کو دینیات اسلام اور فارسی انگریزی تعلیم کا انتظام | اور عربی علوم سے استعداد و واقفیت ہوگئی کہ آپ اسلامی لٹریچر اور اسلامی کلچر کو سمجھنے کی قابلیت اور اہلیت پیدا کرنے کے قابل ہوگئے تو اعلیحضرت غفران مکان نے آپ کے لئے انگریزی تعلیم کا انتظام ضروری محسوس کیا اس لئے کہ حیدرآباد کے ہونے والے سلطان کو اس زبان سے پوری واقفیت ہونی لازمی تھی جو حکومت ہند کی زبان تھی اور جس کے ساتھ دولت آصفیہ کے دوستانہ اور حلیفانہ تعلقات تھے۔

تعلیمی اغراض کے لئے سب سے پہلی مشکل اساتذہ کا انتخاب ہے اور خصوصاً ہونے والے بادشاہ کی تعلیم کے لئے اس کے اساتذہ ہیں ایسے تجربہ کار اور شریف النفس لوگ ہونے چاہیں جو اپنے ذاتی اخلاق سے شاہزادہ پر ایسا اثر ڈال سکیں کہ اسکی زندگی ایک بہترین بادشاہ کی زندگی ہو وہ ہر قسم کی سازشی تحریکوں سے الگ رہنے والے ہوں تاکہ کسی قسم کی پارٹی فیلنگ ان میں پیدا نہ ہوسکے۔ غرض بہت غور و خوض کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت غفران مکان کی وسعت نظر اور مشیران سرکار عالی کے صحیح مشورہ کے بعد اس خدمت کے لئے مسٹر بی۔ ایجرٹن (حال سر۔ بی۔ ایجرٹن) کو منتخب کیا گیا۔ مسٹر بی۔ ایجرٹن ایک مشہور سویلین تھے اور ان کا خاندان ایک ممتاز خاندان تھا ہندوستان میں غدر کے بعد انگریزی حکومت کے استحکام میں اس خاندان نے نمایاں حصہ لیا چنانچہ پنجاب میں سر رابرٹ ایجرٹن اسی خاندان کے ممتاز حکمران تھے۔

انگریزی تعلیم کے لئے مسٹر بی۔ ایجرٹن کا تقرر ایک ہزار پانچسو اٹھاون روپیہ کلدار پر ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ کو ہوا جبکہ آپ کی عمر ۱۴ سال کے قریب تھی اور آپ عربی اور فارسی کے ایک اچھے سکالر بن چکے تھے۔

تعلیمی حالت پر ایک اور نقطہ خیال سے تبصرہ اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کی تعلیم کے لئے جو انتظام کیا گیا تھا میں نے اوپر بیان کر دیا ہے لیکن میں ایک اور نقطہ خیال سے بھی اس پر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔

حاشیہ [۱] حضرت ولیعہد اعلیحضرت حال کی تعلیم کے متعلق ایک سیاسی بحث | حیدرآباد میں اسوقت جس قسم کی سیاسی یا زیادہ واضح الفاظ میں سازشی بساط بچھی ہوئی تھی اس کی تاریخ اور تفصیل عجیب اور دلچسپ ہے لیکن میری اس تالیف کے موضوع سے اسکو تعلق نہیں اس لئے میں ان تفاصیل میں جانا نہیں چاہتا جہاں تک اعلیحضرت حال (خلد اللہ ملکہ) کی تعلیم کا تعلق ہے اس سلسلہ میں ایک واقعہ کے اظہار سے میں رک نہیں سکتا جسکو کارنامہ سروری کے مصنف حیدرآباد کے مشہور و معروف مدبر اور خیرخواہ نواب سرور الملک بہادر نے بیان کیا ہے اس سے اس زمانہ کے

علم النفس کے ماہرین اور فلسفہ تعلیم کے مبصر انفرادی تعلیم کی بجائے اجتماعی تعلیم
زیادہ مفید اور کار آمد بتاتے ہیں اور جہانتک ولایل کا تعلق ہے یہ تعلیمی عقیدہ صحیح ہی معلوم
تا ہے۔ اس لئے کہ جب مختلف خیال مختلف مذاق کے لڑکے اجتماعی رنگ میں (جو اسکولوں اور
لجوں کا ہے) تعلیم پاتے ہیں تو مقابلہ کیوجہ سے مسابقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ہر طالب علم
ختلف امتحانوں کے مرحلوں سے گذرنے کیوجہ سے اپنی قابلیت کا خود بھی اندازہ ہوتا جاتا ہے
ں اصل کو مدنظر رہتے ہوئے سکول اور کالج وغیرہ قسم کی تعلیم گاہیں قائم کی گئی ہیں لیکن میر
مان علیخان بہادر کو اس قسم کے کسی سکول یا کالج میں نہیں لیا گیا اور نہ کسی یونیورسٹی کی تعلیم گاہ
ں انہوں نے تعلیم پائی یوروپین ممالک کی سیر و سیاحت اور وہاں کے مشاہدات جہانبانی
ں کوئی موقعہ آپ کو ایسا نہیں دیا کہ آپ اپنے معلومات میں کوئی اضافہ کرتے اور اصول جہانبانی
ر ملکی ترقیات کے سلسلہ ارتقا کو یوروپین اقوام کے تتبع کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا بلکہ برخلاف ان تمام
ئج الوقت طریقوں کے آپ نے پرانے مشرقی طریق پر تعلیم و تربیت حاصل کی اور فضائے دکن ہی
اب و ہوا نے آپ کو جہانبانی کے اصولوں کی تعلیم دی۔ باوجودیکہ کسی یونیورسٹی کی ڈگری
پ نے حاصل نہیں کی لیکن مختلف زبانوں میں زبان اور قلم دونوں پر حکومت کرتے ہیں۔

رحاشیہ۔ پالٹکس پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے وہ اپنی خود نوشت سوانح عمری کے ۲۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

ہدبہادر کی تعلیم کا مسئلہ | اسی زمانہ میں مسئلہ تعلیم خاقان فلاطون مداہنت خورشید آ - عمان احسان و رافت منظرہ چار طاق
ن عناصر لائق حکومت و ایالت اقالیم و ارضی محمود شاہان حال و ماضی عالی جاہ عالم پناہ شہزادہ میر عثمان علیخان بہادر
ہوا۔ میں نے عرض کیا کپتان جان کلارک کہ چند روز شاگرد حضور پر نور رہ چکے ہیں اور بخطاب استحکام الدولہ مستقل جنگ
ن جان کلارک خان بہادر ہفت ہزاری منصب سے سرفراز ہو چکے ہیں اور ملکہ معظمہ قیصر ہند کے ایکوری اور
حب خاص پرنس آف ویلز رہے ہیں ان کو پھر طلب فرمالیا جائے وہ نہایت مستقل مزاج و بلند حوصلہ آدمی ہیں
ی تحریر و تقریر کا اثر گورنمنٹ آف انڈیا پر بھی پڑ سکتا ہے چنانچہ حسب الحکم میں نے کپتان موصوف کو لکھا کہ اگر آپ
ادہ ہندوستان کا رکھتے ہیں تو حضور پر نور آپ کو کمال قدردانی طلب فرماتے ہیں فوراً چلے آئیے۔ میری کارروائی

مشرقی طریقہ تعلیم پر بھی عربی زبان کے فارغ التحصیل قلم برداشتہ عربی لکھنے کی مقدرت نہیں رکھتے مگر اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر قلم برداشتہ عربی زبان میں لکھنے پر قادر ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے نواب عماد الملک بلگرامی کو عربی زبان میں ایک مکتوب لکھا تھا بلگرامی جو ہمیشہ اعلیحضرت کی عربی انشاپردازی کی داد دیتے تھے اور ان کو اعتراف تھا کہ آپ عربی زبان میں ایک مشاق ادیب ہیں۔ فارسی زبان پر بھی اسیطرح قدرت حاصل ہے اور نثر اور نظم دونوں میں کمال ہے کئی دیوان فارسی کے مرتب ہو چکے ہیں اور عنقریب ایک دیوان شائع ہونے والا ہے اور یہ اس لئے کہ تا فارسی زبان جو مسلمانوں کی ایک قومی اور سلطنت کی زبان رہی ہے اور اب بھی دنیائے اسلام کے بعض ملکوں میں شاہی زبان ہے ہندوستان میں قائم اور زندہ رہے۔

انگریزی زبان میں بے تکلف کلام کرتے ہیں اور بلا تامل لکھ سکتے ہیں۔ اردو زبان کو تو آپ کے وجود پر ناز رہیگا۔ آپ اپنے اسلوب تحریر و انداز بیان کے موجد ہیں۔

حکومتوں اور ان کے اعلیٰ کارکنوں کی طرف جو مراسلات اور بیانات منسوب ہوتے ہیں ان کے پیچھے دراصل کچھ اور لوگ ہوتے ہیں جنکو دنیا کبھی نہیں جانتی یا بہت ہی کم جانتی ہے۔ جو انکو لکھتے ہیں لیکن اعلیحضرت خود قلم کے دھنی ہیں جسقدر فرامین ملک کے نظم و نسق یا فلاح و اصلاح رعایا کے متعلق جاری ہوتے ہیں وہ آپ کے قلم جواہر رقم کا نتیجہ ہوتے ہیں میں اس سلسلہ کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا بلکہ اسکے لئے ایک جداگانہ مقام اسی تالیف میں ہے جہاں اعلیحضرت کی علمی حیثیت پر تبصرہ ہوگا یہاں مجھے صرف اسقدر بتانا تھا کہ باوجودیکہ آپ کی تعلیم زمانہ حال کی یونیورسٹیوں میں نہیں ہوئی اور نہ مغربی ممالک کی سیر و سیاحت اور مشاہدہ نے آپ کے معلومات میں اضافہ کیا۔ تاہم آپ ایک ماہر معلم کی حیثیت سے تعلیمی امور کو سمجھتے ہیں اور جہانبانی کے ان اصولوں سے واقف ہیں

بقیہ حاشیہ: مسٹر بلاؤ ڈان کو نہایت ناگوار گزری مگر چونکہ اتنی قدرت نہ رکھتے تھے کہ اسکو روک سکیں تہایت ذلیل داستہ اختیار کرکے میری اس عمارہ تدبیر کو خراب کر دیا اور ڈاکٹر کو پورا موقع مجھ سے بدلا لینے کا مل گیا۔

جو مغرب کی ایجاد کہے جاتے ہیں گو جہان بانی کے حقیقی اصول اسلام نے دنیا کو دیئے۔
آپ کی تعلیم و تربیت میں اگرچہ مخصوص آداب اور ضوابط کا لحاظ رکھا جاتا تھا لیکن آپ نے خداداد فطنت اور وسعت مطالعہ کی وجہ سے اپنے خیالات کے علمی دائرہ کو اتنا وسیع کیا کہ ہر علم کے متعلق آپ ایک مبصرانہ اور مجتہدانہ رائے پیش کر سکتے ہیں۔ یہ سلسلہ تعلیم برابر جاری رہا اور آپ چونکہ ہر قسم کے لہو و لعب سے متنفر تھے آپ اس زمانہ ولیعہدی میں مطالعہ کتب میں مصروف رہے اور حکومت کے انداز کو نہایت غور و فکر سے مطالعہ کرتے رہے اس زمانہ میں آپ نے حیدرآباد کی آئندہ حکومت کے لئے اپنے ذہن میں ایک دستور العمل تجویز کر لیا تھا اور اس کے موافق حالات اور ضروریات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے عمل ہوتا چلا جاتا ہے۔

فنون لطیفہ سے دلچسپی | فنون لطیفہ سے آپ کو طبعاً دلچسپی ہے چنانچہ ڈرائنگ میں آپ ایک ماہر کی حیثیت رکھتے ہیں شاعری میں آپکا مقام بہت بلند ہے اس پر میں اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ بحث کرونگا۔

فوجی تعلیم کے لئے اعلیحضرت مرحوم نے کرنل نواب افسر الملک بہادر مرحوم سابق کمانڈر انچیف عساکر آصفیہ کو مقرر کیا اور اس طرح آپ نے فوجی تعلیم میں کمال حاصل کیا اور اس کے ساتھ نشانہ بازی گھوڑے کی سواری قواعد پریڈ اور دوسرے فوجی کرتبوں اور کاموں کو سبقاً اور عملاً سیکھا اور عملی طور پر انمیں مہارت تامہ پیدا کی۔

کنگ کوٹھی میں قیام | اب تک آپکا قیام اور تعلیم و تربیت کا انتظام حسب دستور سابق تہا لیکن اعلیحضرت غفران مکان کی دوربین آنکھ نے دیکھا کہ دولت آصفیہ کے ہونے والے سلطان اور فرمانروا کے لئے ایک علیحدہ کوٹھی کی ضرورت ہے جہاں کی آزاد فضا میں وہ اپنی قوت فکر و استعداد حکمرانی میں وسعت پیدا کرے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے آپ کی سکونت کیلئے

کنگ کوٹھی پسند کی گئی

اور یکم صفر ۱۳۱۸ھ کو آپ نے مستقل طور پر اپنا قیام کنگ کوٹھی میں فرمایا۔

کنگ کوٹھی

موقعہ کی مناسبت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں کنگ کوٹھی کے متعلق بھی ایک مختصر سا ذکر کروں۔ کنگ کوٹھی دراصل نواب کمال یار جنگ کی ملکیت تھی نواب کمال یار جنگ کا اصل نام کمال خاں تھا وہ مہدوی پٹھانوں کے جمعدار تھے اور بڈھن خاں کے پوتے تھے یکم ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ کو تقریب دربار چہل سالہ سالگرہ مبارک خان بہادر اور کمال یار جنگ کا خطاب عطا ہوا۔

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کو بلدہ میں انکا انتقال ہو گیا۔ نواب کمال یار جنگ نے جب اس کوٹھی کو بنایا اسوقت وہ صرف کمال خاں تھے اس لئے اسکے تمام شیشہ جات اور سامان آرائش پر K. K. لکھا ہوا تھا جو کمال خاں کے نام کو ظاہر کرتا تھا۔ لیکن جب کوٹھی حضرت غفران مکان نے خرید کر لی تو اس تمام ساز و سامان کو تلف بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس لفظ K.K. کا بھی حل مقصود تھا۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس کا ایسا نام تجویز ہو کہ اسکی تبدیلی کی ضرورت نہ پیش آئے چنانچہ

کنگ کوٹھی نام تجویز ہوا

اور اس طرح K.K کا مسئلہ حل ہو گیا۔ حضرت آصفجاہ ہفتم جو اس وقت ولیعہد دولت آصفیہ تھے اعلیحضرت کے ارشاد و ہدایت کے موافق کنگ کوٹھی میں تشریف لے آئے۔ اور یقین کیا جا سکتا ہے کہ کنگ کوٹھی کا نام انشاءاللہ ایک وقت ایک مبارک فال ثابت ہوگا جبکہ سلطان دکن کو ہز مجسٹی کا خطاب ملجاوے گا اور حقیقی معنوں میں

آپ کنگ آف حیدرآباد کہلائیں گے

غرض آپ کی انگریزی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور مسٹر بی ایجرٹن کی محنت اور

دلچسپی نے بہت جلد اپنا اثر پیدا کیا اور اعلیٰ حضرت نہایت شوق اور توجہ سے انگریزی زبان کی تحصیل میں ترقی کرنے لگے یہ ترقی غیر معمولی تھی۔ مسٹر لیجبرٹن کو اپنے زمانہ تعلیم میں کبھی ایسا موقعہ نہیں آیا کہ منصب اوستادی کی حیثیت سے حضرت میر عثمان علیخان کو اپنے سبقوں کی طیاری کے لئے توجہ دلانے کی ضرورت پیش آئی ہو جس طرح بعض سست اور کم شوق طالب علموں کی صورت میں کرنا پڑتا ہے۔

آپ کی تعلیم کا سلسلہ ایسے رنگ میں جاری نہ تھا کہ دوسرے فنون شاہانہ سپاہ گری اور شہسواری یا نشانہ بازی سے آپ کو محروم رکھا جاوے بلکہ یہ تمام امور ساتھ ساتھ جاری تھے اور آپ ہر معاملہ میں ایک قابل قادر انداز اور شہسوار تھے جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں۔

انتظام تربیت | تعلیم کے ساتھ تربیت شاہانہ نہایت ضروری اور اہم ہے۔ آپ حیدرآباد کی سلطنت کے سلطان ہونیوالے تھے اس لئے شاہانہ تربیت کی بھی ضرورت تھی اس مقصد کے لئے آپ کی اتالیقی کے لئے نواب اقبال یار جنگ بہادر کا انتخاب عمل میں آیا نواب اقبال یار جنگ بہادر کو یہ عزت اور سعادت حاصل تھی کہ وہ نواب اقبال الدولہ بہادر کے اوستاد تھے اور خود حضرت غفران مکان کے بھی اتالیق تھے۔ انکا تجربہ اور ان کی قابلیت مسلمہ تھی۔ ان کے ساتھ ہی نواب فیروز یار جنگ اور نواب صادق جنگ بہادر کو بھی اتالیقی کی عزت نصیب ہوئی۔ اول الذکر دونوں اتالیق جب فوت ہوگئے تو ان کی جگہ نواب شہباز جنگ بہادر اور [illegible] جنگ بہادر کو یہ عزت حاصل ہوئی کہ وہ [illegible] کے ہونے والے سلطان کے اتالیق ہوں مگر نواب [illegible] یار جنگ بہادر اوائل ۱۳۲۲ھ میں اس خدمت سے الگ ہوگئے۔

اس طرح آپ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رہا اور آپ اپنی عمر کے ساتھ اپنے علم و فضل اور قابلیتوں میں ترقی کرتے گئے یہاں تک کہ آپ کی طبیعت میں [illegible] اور غور و فکر کا مادہ پیدا ہوگیا کہ ہر ایک معاملہ پر آپ خود غور کرتے اور اپنی ایک رائے قائم کرتے تھے اور اس طرح اس زمانہ تعلیم و تربیت

ولیعہدی ہی میں آپ نے آئندہ نظام حکومت کا پروگرام تجویز کرلیا تھا

میر عثمان علیخان زندہ باد | جب کوئی صاحب اقبال وجود دنیا میں آتا ہے تو قدرت اپنی بوقلمون نیرنگیوں کے ساتھ اس کے اقبال وعروج کے مظاہرے کرتی ہے لوگ اس قسم کے واقعات کو محض اتفاق سمجھ لیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہوتی بلکہ ان واقعات میں ایک سبق اور راز مخفی ہوتا ہے جو اس ہستی کی آئندہ زندگی پر ایک عجیب قسم کی روشنی ڈالتا ہے۔
میر عثمان علیخان بہادر کی ابتدائی زندگی میں بعض واقعات اپنی ندرت کے لحاظ سے آپکی آنیوالی کامیاب زندگی کے لئے ایک معنی خیز بشارت تھے انھیں سے بعض واقعات کو یہاں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۲۴ر شوال ۱۳۱۸ھ کو مغرب کے قریب آپ نشانہ اندازی کر رہے تھے کہ آپ کے ہاتھ ہی میں یکایک بندوق پھٹ گئی مگر قدرت ربانی کا تماشا دیکھیے کہ آپ بالکل محفوظ رہے۔
اس وقت آپ کی عمر ابھی چودہ سال سے کچھ ہی متجاوز تھی۔
بظاہر یہ ایک معمولی واقعہ ہے اور کہنے والے کہدیں گے کہ اتفاقاً ایسا ہوگیا لیکن اس قسم کے

اتفاقات کی مثالیں بہت ہی شاذ ہوتی ہیں

حقیقت میں اس واقعہ میں صاحب اقبال سلطان کی درازی عمر اور حوادث سے محفوظ رہنے کی ایک پیشنگوئی تھی۔
میں ۱۹۲۶ء میں ولایت میں تھا ان دنوں اٹلی کے مختار مطلق (ڈکٹیٹر) مسولینی پر گولی چلائی گئی اور وہ محفوظ رہے اس واقعہ نے یورپ کے اخبارات میں ایک خاص اثر پیدا کردیا اور یہ نتیجہ نکالا گیا کہ

خدا تعالیٰ نے مسولینی سے بڑے بڑے کام لینے ہیں

غرض یہ خیالی باتیں نہیں ایک حقیقت ہے دنیا کے بڑے آدمیوں کی زندگی اس قسم کے عجائبات کا ایک خاص نمونہ ہوتی ہے۔ میر عثمان علیخان بہادر کے اسطرح محفوظ رہنے اور اس حادثہ کے بعافیت گذر جانے پر خیرات و صدقات دئے گئے اور ہر طرف سے مبارکباد کی پیش کش اعلیحضرت کے حضور پیش ہوئی۔ اس واقعہ نے حضرت ولیعہد بہادر کو باوجودیکہ وہ ابھی صغیر السن تھے ذرا بھی پریشان اور خوف زدہ نہیں کیا ایک سپاہی کی طرح وہ اس واقعہ پر سے گذر گئے۔ اس واقعہ نے بتایا کہ خدا تعالیٰ کی وہ ایک قیمتی امانت ہیں اور اپنی زندگی کا بہت بڑا مقصد لیکر آئے ہیں اور دولت آصفیہ کی ترقیات کا قصر جدید انہیں کے ہاتھوں تعمیر ہوگا اور

وہی دولت آصفیہ کے عہد جدید کے بانی ہونگے

ایک دوسرا واقعہ اسی قسم کا ایک اور عجیب واقعہ ۱۲ شوال ۱۳۲۳ھ کو جبکہ آپ کی عمر بیس سال سے متجاوز تھی پیش آیا آپ شہسواری کی مشق کر رہے تھے اور ٹٹیاں پھاند رہے تھے کہ گھوڑے سے گرے مگر خدا تعالیٰ کے فضل نے اس موقعہ پر بھی آپ کی دستگیری کی اور آپ کو بچایا۔

اس قسم کے واقعات نے آپ کو پژمردہ خاطر نہیں کیا اور نہ خوف وہراس نے آپکے دل پر قبضہ کرکے آئندہ اس قسم کے معمولات میں فرق آنے دیا بلکہ ایسے واقعات کے بعد بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ اس سے اس قوت اور حوصلہ بلند کا پتہ ملتا ہے جو قدرت نے آپ کو دیا ہے۔ یہ تو بہت بڑے واقعات اور حادثات ہیں بعض لوگ معمولی حوادث میں نہ صرف گھبرا جاتے ہیں بلکہ ان کے صدمہ سے ہی جان دے دیتے ہیں مگر اس بلند ہمت نوجوان کو چونکہ خدا تعالیٰ نے دولت آصفیہ کی ترقی کے لئے تاریخ میں بے نظیر کام کرنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ اس لئے اس قسم کے واقعات میں اسکی ثبات قدمی اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیکر بتا دیا کہ

میر عثمان علیخان حوادث میں بھی ایک کوہ وقار ہے

جیسا کہ میں پہلے کہیں لکھ آیا ہوں آپ اپنے پروگرام کے ہمیشہ پابند تھے اور کوئی عذر اسکو توڑنے کے لیئے آپ کے سامنے نہ آسکتا تھا بلکہ جو نظام اوقات آپ کے لیئے مقرر کر دیا گیا تھا آپ اسپر پورا عمل کرتے تھے گویا وہ آپ کی زندگی کا ایک طبعی حصہ تھا۔ نظام الاوقات کی اس پابندی نے آپ میں یہ قوت عمل پیدا کر دی کہ

آپ آج کا کام کل پر نہیں ڈالتے

اور اس مستعدی اور پابندی وقت نے حکومت کے تمام پرزوں میں ایک ایسی روح پیدا کر دی ہے کہ وہ اب مشین کی طرح کام کرتے ہیں۔ اور امور سلطنت کی بجا آوری میں غیر معمولی تعویق اور توقف نہیں پیدا ہوتا جو اس سے پہلے ایک لازمی جزو بن چکا تھا۔ یہاں تک کہ "اشد ضروری" کا لفظ بھی ایک رسمی اصطلاح بن کر رہ گیا تھا ان تمام امور کی تفصیل اسی کتاب میں دوسری جگہہ آئیگی اور وہی علحدہ باب ہے

امور سلطنت کے متعلق انتظام تربیت

اعلیحضرت غفران مکان نے جہاں ایک طرف اپنے جانشین اور حیدرآباد کے ہونیوالے نظام و سلطان کی تعلیمی۔ اخلاقی۔ فوجی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا اس کے ساتھ ہی سب سے اہم اور ضروری مقصد کو بھی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں اعلیٰ جگہہ دی۔ اور وہ مقصد یہ تھا کہ آصف جاہ ہفتم کو امور سلطنت اور مہمات ملکداری سے پورا واقف کیا جاوے اور طریق کار کی تفصیلات اس کے علم و عمل میں آئیں۔ اس کے لئے اعلیحضرت غفران مکان نے دو طریق اختیار کیے اول یہ کہ آپ ہر قسم کے ملکی اور سیاسی سفروں میں ولیعہد بہادر کو اپنے ساتھ رکھتے تاکہ وہ براے العین امور حکومت کا مشاہدہ کریں اور خود اپنے لیئے ایک

عملی اقدام اکریں جو ایک طرف رعایا کے مفاد اور بھلائی کا موجب ہو دوسری طرف دولت آصفیہ کے وقار اور شان کو بلند کرتے ہوئے دولت انگلشیہ کے ساتھ تعلقات مضبوط ہوں اور سلطنت آصفی کی قدیم روایات اور معاہدات کی رعایت کسی حال میں نظر انداز نہونے پاوے۔ دوسرا طریق یہ اختیار کیا گیا کہ ہر محکمہ کے سکرٹری اوقات مقررہ پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر کاغذات پیش کریں تاکہ انتظامی امور سے آپ کو واقفیت ہو اور آپ معلوم کرسکیں کہ موجودہ طریق عمل میں اگر کسی اصلاح کی ضرورت ہے تو وہ کیونکر ہو سکتی ہے یہ صحیح ہے کہ اسوقت آپ کسی قسم کی اصلاحات نہیں کر سکتے تھے اور اسے ادب اور سعادتمندی کے خلاف سمجھتے تھے کہ انتظام مملکت میں کسی قسم کی مداخلت کریں یا اظہار رائے کریں لیکن اسی طریق عمل نے آپ کو غور کرنے کا کافی موقعہ دیا اور آپ نے آئندہ نظام حکومت میں عملی تبدیلیوں کیلئے ایک پروگرام اپنے دماغ میں قائم کرلیا۔ اور جو شخص غایر نظر سے ان اصلاحات کو جو عہد عثمانی کی برکات ہیں دیکھے گا اسے باآسانی سمجھ میں آجاویگا کہ آصفجاہ ہفتم نے یہ پروگرام اپنے عہد تعلیم وتربیت امور ملکداری ہی میں قائم کیا تھا۔ عملی تربیت کا یہ نظام تعلیم ایسا عمدہ تھا جو کسی چیفس کالج میں حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ ہندوستان میں والیان ریاست کی اولاد کی تعلیم وتربیت کے لئے جو کالج قائم کئے گئے ہیں وہ اپنی جگہ ایک حد تک مفید ہو سکتے ہیں مگر حضرت غفران مکان نے جو طریق تعلیم وتربیت قائم کیا اس نے تجربہ میں آکر اس حقیقت کو نمایاں کردیا کہ

یہی بہترین طریق ہے

اور حضرت آصفجاہ ہفتم نے بھی اس طریق تعلیم وتربیت کو اپنے عہد میں حضرت ولیعہد بہادر کے لئے اسوہ قرار دیا۔

ایام ولیعہدی کے سفر

اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان بہادر کی تعلیم و تربیت حیدرآباد کے ہونے والے بادشاہ کی حیثیت سے ہو رہی تھی۔ حضرت غفران مکان نے آپ کے اساتذہ میں ایسے لوگ تجویز کئے جو نہ صرف اپنے علم و فضل میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے بلکہ سوسائٹی میں انکا درجہ اور رتبہ نمایاں تھا وہ اپنے اخلاق اپنے تجربہ کی وسعت کے لحاظ سے واجب الاحترام تھے۔ بچپن ہی سے آپکی طبیعت میں لہو و لعب سے احتراز تھا۔ سوائے ان مردانہ کھیلوں اور ورزشوں کے جو ایک بادشاہ کے لئے فنون حرب کا ایک حصہ ہونے کے لئے ضروری ہیں آپ دوسرے مشاغل کی طرف ملتفت نہ ہوتے تھے۔ اور قدیم مشرقی اصول یا خاندان آصفیہ کی روایات کے لحاظ سے آپ کے لئے یورپ یا ممالک غیر کا سفر تو درکنار خود ہندوستان میں بھی آزادانہ سفروں کی کبھی تجویز نہیں ہوئی تھی۔

البتہ بعض خاص تقریبوں پر آپ کو حضرت غفران مکان کے ہم رکاب رہکر دہلی۔ کلکتہ وغیرہ مقامات پر سفر کا موقعہ ملا۔ گو اعلیٰحضرت اسوقت بھی جہانتک خیالات کا اندازہ ہوتا ہے آزادانہ سفروں کی ضرورت سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے اپنے عہد عثمانی میں حضرت ولیعہد بہادر اور شہزادہ معظم جاہ بہادر کو یورپ اور دوسرے سفروں کی اجازت دی بہرحال تعلیمی یا تفریحی مقصد کے لئے آپ کو آزادانہ سفروں کا موقعہ نہیں ملا۔

پہلا سفر

ممالک محروسہ سے باہر ہندوستان میں آپ کا پہلا سفر کلکتہ کا سفر تھا۔ ۱۵ شعبان المعظم روز سہ شنبہ ۱۳۱۷ھ (۱۹۰۰ء) کو جبکہ آپ کی عمر تقریباً چودہ سال کی تھی آپ اعلیٰحضرت غفران مکان کے ہمراہ بذریعہ اسپیشل ٹرین وائسرائے کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت لارڈ کرزن وائسرائے ہند تھے اور صدر مقام کلکتہ ہی تھا۔ آپ نے بھی لارڈ کرزن سے ملاقات کی اور دونوں نے ایک دوسرے کو خوب پڑھا۔ اس سفر میں

نواب سر خورشید جاہ بہادر۔ نواب سر وقار الامرا بہادر اور نواب افسر الملک بہادر وغیرہ امرائے دولت آصفیہ بھی ہم رکاب تھے۔ ۱۹ر شعبان کو کلکتہ پہونچے اور ۲۰ کو وائسرائے بہادر سے ملاقات ہوئی اس سفر سے واپسی قریباً ڈیڑھ ماہ میں ہوئی چنانچہ ۲۹ر رمضان ۱۳۱۷ھ کو شام کے نو بجے آپ حضرت غفران مکان کے ہمراہ حیدرآباد واپس ہوئے۔ اس سفر میں آپ نے بنارس کو بھی دیکھا اور رمضان کا مہینہ قریباً گلبرگہ میں بسر کیا۔

دوسرا سفر

۱۹ر رمضان ۱۳۲۰ھ کو آپ کو دوسرا سفر پیش آیا یہ سفر بھی اعلیحضرت غفران مکان کے ہمراہ تھا اس مرتبہ اعلیحضرت (ملک معظم ایڈورڈ ہفتم) کے دربار تاجپوشی ۱۹۰۲ء میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے گئے تھے اس سفر کے وقت نواب سر وقار الامرا وزارت عظمیٰ کے منصب سے مستعفی ہو چکے تھے اور قلمدان وزارت مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بالقابہ کے سپرد ہو چکا تھا۔ اعلیحضرت کی روانگی سے پیشتر حیدرآباد کے متعدد امرائے دولت دہلی کو روانہ ہو چکے تھے ۱۹ر رمضان ۱۳۲۰ھ بروز شنبہ گیارہ بجے حضور کا اسپشل روانہ ہوا۔ جس میں اعلیحضرت کا اسٹاف تھا اور حضرت ولیعہد بہادر (میر عثمان علیخان بہادر) بھی اسی میں سوار تھے راستہ میں گلبرگہ میں قیام ہوا۔ اور ۲۳ر رمضان کی شب کو آپ کا داخلہ پرائیویٹ طور پر دہلی میں ہوا۔ اور ۳۰ر رمضان کو وائسرائے کے جلوس میں شریک ہوئے۔ اور یکم شوال کے دربار تاجپوشی میں اعلیحضرت مرحوم نے شرکت فرمائی اس سفر سے واپسی کے وقت بمبئی تشریف لے گئے اور حضرت غفران مکان کے ہمراہ گلبرگہ ہوتے ہوئے ۱۰ر ذیحجہ بروز چہارشنبہ صبح آٹھ بجے فائز بلدہ ہوئے۔ آپ نے ان سفروں کو سیر و تفریح کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ان سفروں میں آپ نے ریاستوں کی صحیح پوزیشن اور والیان ریاست کے ذاتی حالات اور ان کے طرز بود و ماند پر غور کیا آپ نے ان تمام تکلفات کا

مشاہدہ کیا جو محض نمائش کے لیے والیان ریاست اپنے لباس اور دوسرے سامان
عیش و نشاط میں کرتے ہیں آپ نے دیکھا کہ لباس کا اصل مقصود اتنا ملحوظ نہیں جسقدر
اسکی نمائش۔ والیان ریاست اپنے لباس کی خصوصیتوں پر اس لیے توجہ نہیں کرتے کہ
وہ انکی صحت و تندرستی کا ایک ضروری ذریعہ ہے بلکہ اسلیئے کہ وہ خوشنما اور فوق البھڑک
لباس جسقدر زیادہ قیمتی نمایاں اور درخشاں ہوں اسیقدر انکی عزت و عظمت کا اظہار
ہوگا۔ مگر دکن کے ہونے والے سلطان نے ان تمام امور کو دیکھا اور فیصلہ کر لیا کہ لباس سے
انسان کی اتنی عزت نہیں جسقدر انسان کے اپنے کمالات اور ذاتی جوہر اسکی عزت
و عظمت کا موجب ہوسکتے ہیں پھر ایسا انسان جو بھی لباس پہنے

اس لباس کو اس کے وجود سے عزت ہوتی ہے

دنیا میں فیشن کا بھی ایک فلسفہ ہے [illegible] لوگ جس قسم کا لباس پسند کرتے
ہیں وہ اپنی ظاہری حالت اور ضرورت کا لحاظ کیے بغیر کم قیمت یا معمولی ہو مگر ان عظیم انسان
کے وجود سے تعلق پیدا کرنے کی وجہ سے

وہی مقبول ہو جاتا ہے

ایک وقت تھا حیدرآباد کے سلاطین اور امراء ایک خاص قسم کا لباس پہنتے تھے
اور سلاطین کے لئے خاص قسم کے پارچہ جات تیار ہوتے تھے۔ لیکن حالات نے پلٹا کھایا
اور اعلیٰحضرت [illegible] کی [illegible]

ملک بھر میں سادگی کی لہر پیدا کر دی

اسیطرح ان سفروں میں آپ نے انگریزی حکومت کے ذمہ دار افسران کو [illegible]

بنظر غایر مطالعہ کیا کہ وہ دیسی ریاستوں کے حکمرانوں سے کس قسم کا برتاؤ کرتے ہیں اور انکی قدر و قیمت کس رنگ میں سمجھتے ہیں۔ ان تمام حالات پر کافی غور کرنے کے بعد انہیں ایام میں آپ نے اپنے دل میں بہ حیثیت دولت آصفیہ کے ہونے والے سلطان کے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے آصفی کنگڈم کا تخت عطا کیا تو

میرا انتظام عمل کیا ہوگا؟

یہ زمانہ آپ کی جوانی کا آغاز تھا جبکہ امنگوں اور تمناؤں میں ایک بالیدگی اور بلند پروازی ہوتی ہے۔ مختلف قسم کی دلچسپیوں کے لئے جوش پیدا ہوتا ہے مگر آپ نے ان سفروں کو اپنی آنے والی زندگی اور اسکے مشاغل کے لئے ایک پروگرام بنانے کا ذریعہ سمجھا اور آپ کے عہد حکومت کی عملی زندگی پر اگر غور کیا جاوے تو یہ اسی نظام عمل کی عملی تصویر ہے۔

ان سفروں کا گہرا اثر آپ کے قلب پر باقی رہا۔ اور آپ نے کبھی پسند نہ کیا کہ غیر ضروری سفروں پر روپیہ ضائع کیا جاوے یہ امر اعلیحضرت سلطان دکن (خلد اللہ ملکہٗ) کی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے کہ دوسرے والیان ریاست کی طرح آپ نہ تو اندرون ہند کے سفروں میں تضییع اوقات کرتے ہیں اور ممالک غیر کے سفروں کا تو وہم و خیال بھی نہیں آتا بجز اس سفر کے جو دینی اغراض اور فرائض کے لئے ہو۔ اور جسکے لئے انتظار وقت ہے

برار کا دوامی پٹہ

واقعات کی ترتیب کے لحاظ سے شاید برار کے دوامی پٹہ کا مجھے پہلے ذکر کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ سفر دہلی سے پہلے شعبان ۱۳۲۰ھ کو ہمیشہ کے لئے کا ۔۔۔ برار جو دولت آصفیہ کا ایک نہایت سرسبز اور زرخیز علاقہ ہے ایک معاہدہ کے ذریعہ دوامی پٹہ پر

حکومت انگریزی کے سپرد کر دیا گیا

اس واقعہ کے اظہار اور ذکر سے ہر اس دل پر ایک صدمہ کی چوٹ لگتی ہے جو دولت آصفیہ کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتا ہے۔ تاہم چونکہ یہ واقعہ بھی ۱۳۲۰ھ ہی کا ہے اور سفر سے ایک ماہ پہلے ہی کا ہے اسلئے مقدم موخر ذکر سے ترتیب میں چنداں فرق نہیں پڑتا۔ لارڈ کرزن کو آصف جاہ ہفتم نے اپنے ایام ولیعہدی میں پہلی مرتبہ کلکتہ میں دیکھا تھا اس وقت وائسرائے موصوف کے متعلق آپ نے کن خیالات اور اثرات کو لیا کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ لیکن جب تین سال کے بعد لارڈ کرزن حیدرآباد آئے تو آپ کو بہت قریب سے انکو اور انکی پولیسی کو سمجھنے اور مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا۔ برار کے دائمی پٹہ کی تحریک جدید نہ تھی بلکہ مدتوں سے حکومت انگریزی کے بعض ارباب بست و کشاد کے زیر نظر یہ مسئلہ تھا۔ اور مختلف اوقات میں اس کے لئے اقدام کی تجاویز پر غور کیا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس عہد کے انگریزی حکام اور سیاسی مدبر

اس اقدام کی جرأت نہ کر سکے

اور سمجھا جاتا تھا کہ اس میں کامیابی مشکل ہے بلکہ صاف الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ کبھی یہ توقع کی ہی نہ جا سکتی تھی۔ یہ میرا ہی خیال نہیں بلکہ اس راز کو ارل آف رانلڈ شے مارکوئیس آف زٹلنڈ سابق گورنر بنگال حال وزیر ہند نے لارڈ کرزن کی مبسوط سوانح عمری میں شائع کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

" اپریل ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن کا سفر حیدرآباد ایک رسمی ملاقات کیلئے نہ تھا بلکہ اس سے اہم ترین سیاسی نتائج نکلے فی الحقیقت یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ ۴۸ گھنٹوں کے اندر نظام اور گورنمنٹ آف انڈیا کے تعلقات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے

"جسکی کسی کو توقع نہ تھی"

غرض یہ انقلاب آفرین معاہدہ جو لارڈ کرزن نے اپنی سیاسی تدبیر سے دولت آصفیہ کو مجبور کرکے کرایا وہ حیدرآباد اور حکومت انگریزی کی تاریخ میں

ایک افسوسناک داغ کی صورت رکھتا ہے

مگر اس وقت خود لارڈ کرزن اور ارکان دولت انگلیشیہ نے اس کارنامہ پر بڑا فخر کیا چنانچہ لارڈ کرزن نے اپنے ۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء کے خط میں جو سر میکڈونلڈ کو لکھا تھا اور لارڈز ٹیلنیڈ کی مہربانی سے پبلک ہوا ہے اس فخر و سیاہات کو اسطرح بیان کیا ہے۔

"میں نے یہاں ایک شاندار کامیابی حاصل کی کیونکہ میں نے برار کے مشہور سوال کو حل کر دیا جو پچاس سال سے ہمارے اور حیدرآباد کے درمیان کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا تھا۔ وہ اضلاع اب از روئے معاہدہ بعض خاص اغراض کے لئے ہمارے تفویض کر دئے گئے ہیں نے

حضور نظام سے منوالیا ہے

کہ وہ اضلاع دوامی پٹے پر ہمکو دیدیں یہ ایک حیثیت سے میرا ہندوستان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے"

اسطرح برار کا دائمی پٹہ حضرت آصف جاہ ہفتم کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ لیکن آپ اسوقت ولیعہد تھے اور کسی قسم کا دخل دینا آپ خلاف آئین اور سوء ادب سمجھتے تھے۔ ہاں اگر یہ مسئلہ آپ کے انقلاب آفرین عہد میں ہوتا تو

یقیناً اسکی صورت دوسری ہوتی

بہر حال جن حالات میں یہ معاہدہ ہوا اور اعلیٰحضرت مرحوم نے جس رنگ میں تسلیم کیا وہ حضرت آصفجاہ ہفتم کی دوربین نظر کے سامنے تھے آپ کو انشراح صدر کیشا یہ معلوم تھا کہ حضرت غفرانمکان اس معاہدہ کے لیئے ہرگز خوش نہ تھے اور وہ ایام آپ کی زندگی پر جسقدر موثر تھے اونہوں نے اسیوقت آپ کو اپنے دلمین ایک عہد کرنے پر مجبور کردیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ دولت آصفیہ کی امانت کو میرے سپرد کریگا تو میں

برار کو واپس لونگا

یہ ایسا عزم صمیم تھا کہ کوئی چیز آپ کو اس سے روک نہیں سکتی تھی۔ میں اسکی تصریحات اور تفصیلات قضیہ برار کے سلسلہ میں انشاء اللہ بیان کرونگا یہاں صرف اسقدر بتانا مقصود ہے کہ ان سفروں نے اور ان واقعات نے آپ کی زندگی پر ایک غیر معمولی اثر پیدا کیا اور آپ نے دولت آصفیہ کے مقام کو بلند کرنے اور اسکی کھوئی ہوئی چیزوں کی واپسی کے لیئے ایک پروگرام تجویز کر لیا۔ اور کسی وقت بھی وہ پروگرام آپ کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا چنانچہ جب آپ نے باب حکومت کا لائحہ عمل تجویز کیا تو اس میں بھی بندگانعالی نے اس نصب العین کو باب حکومت کے سامنے رکھا اور فرمایا

"ان خاص حالات میں باب حکومت کو واپسی ملک برار کے اہم مسئلہ پر غور کرنے کا ایسا نادر موقعہ میسر ہوگا جس کا مستقبل نہایت خوش آئندہ ہے ما بدولت کی مملکت کے اس جز و لاینفک کا دعویٰ انصاف پر مبنی ہے اور اگر اسکی تنقیح بلا طرفداری کی جائے تو یہ امر خارج از قیاس ہے کہ وہ دعویٰ قابل تسلیم نہ قرار پائے۔ پس اس اہم مسئلہ کی نسبت کونسل کے مشورہ کا ما بدولت کو خاص دلچسپی سے انتظار رہیگا۔"

اعلیٰحضرت کی یہ سیاسی فراست و پیش بینی پوری ہو رہی ہے۔ اور آئندہ حالات میں

بہترین تبدیلی کے امکانات ہیں۔ یہ واقعات اور حالات حضرت آصفجاہ ہفتم کو ایک جدید کانسٹیٹیوشن پر غور کے محرک تھے چنانچہ سر پر آرائے دولت آصفیہ ہو کر جو اصلاحات عمل میں آئیں وہ انہیں

ایامِ ولیعہدی کے لائحہ عمل کا عملی نقشہ ہے

انگریزی دربار میں تمغہ دیا گیا

اب جو دن آپ پر گزرتا تھا وہ عمر کے ساتھ علم، تجربہ اور مستقل پروگرام کے متعلق صحیح رائے کو قائم کرنے کا موجب ہوتا تھا۔ غرہ جمادی الاول سنہ ۱۳۲۱ھ کو چومحلہ[1] میں ایک انگریزی دربار منعقد ہوا۔ اس دربار میں رزیڈنٹ صاحب بہادر نے ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی طرف سے ایک طلائی تمغہ حضرت غفران مکان کے سینہ پر آویزاں کیا۔ اور اس تقریب پر ہونے والے سلطانِ دکن حضرت ولیعہد بہادر کو بھی ایک تمغہ پیش کیا۔

حاشیہ[1]: چومحلہ شاہی عمارات میں ایک ممتاز اور مشہور عمارت ہے جو خلوت محل کے متعلقہ محلات میں سے ایک ہے۔ خلوت محل کی ابتدائی تاریخ بہت تلاش و تحقیق کا کام ہے۔ اور نہ اسوقت زیر نظر چومحلہ اس خلوت محل کے محلات میں سے ہے۔ شعبان سنہ ۱۳۲۰ھ کو جدید وضع پر چوطلا اور حویلی قدیم وغیرہ کی عمارات میں تبدیل و ترمیم کا انتظام ہوا۔ اور ۱۹ رمضان سنہ ۱۳۲۰ھ کو ترمیم و تعمیر کا آغاز ہوا۔ اور ۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۴ھ روز جمعہ شب کے دس بجے حضرت غفران مکان نے ان جدید عمارات کا افتتاح فرمایا یہ ایک نہایت شاندار ایوان ہے۔ مغلائی اور انگریزی دربار علی العموم یہاں ہی ہوتے ہیں چومحلہ کے قریب جدید تعمیر شدہ کمان پر جو گھڑی لگائی گئی ہے ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۲ھ روز دوشنبہ کو چالو کی گئی۔

(عرفانی)

حضرت آصفجاہ ہفتم اس قسم کی تقریبات میں آئین حکومت اور دستورالعمل شاہی کے موافق حصہ لیتے تھے لیکن اگر انکی اپنی مرضی پر یہ بات چھوڑ دی جاتی تو شاید آپ اس قسم کی تقریبوں میں شمولیت کی بجائے اپنے اوقات کو مطالعہ کتب اور توسیع معلومات میں صرف کرنا زیادہ پسند کرتے لیکن اس قسم کے درباروں میں شامل ہونا اور انکی آئین و لوازمات سے عملاً واقف ہونا یہ بھی ایک ضروری امر ہے۔

دولت آصفیہ کے سلاطین کے اعمال حکمرانی کا ایک جائزہ

اسطرح آپ کی سیاسی اور عملی تربیت کا سلسلہ جاری تھا مختلف حصص ملک سے بعض سربرآوردہ رؤسا آتے تھے اور انگریزی سیاح اور افسر بھی آتے رہتے تھے جنکی آمد کی تقریب پر مختلف دعوتیں اور دربار ہوتے تھے اور آپ ان میں شریک ہوتے اور ان رسمیات شاہی سے واقفیت حاصل کرتے تھے۔ یہ سب کچھ طبعی طور پر ہو رہا تھا لیکن آپ اپنی آنے والی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے۔ اور دولت آصفیہ جن حالات سے گزر رہی تھی انھیں بہت بڑی اصلاح کو محسوس کر رہے تھے۔

۲۲-۱۳۲۳ھ کے حالات و واقعات

ان سنین میں کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں آپ کی مصروفیت حسب معمول تھی۔ اعلیحضرت غفران مکان نے آپ کو امور مہمہ حکومت سے واقف کرنے کے لئے یہ انتظام فرمایا تھا کہ ہر محکمہ کے سکرٹری روز مقررہ پر حاضر خدمت ہو کر کاغذات پیش کرتا تھا اور اسطرح آپ اندرونی انتظام مملکت سے واقفیت بہم پہونچا رہے تھے۔

اور اندرون ملک کے متعدد دورے کرکے بھی آپ نے حالات ملک کو بچشم خود ملاحظہ فرمایا۔ ان دوروں میں آپ نے رعایا کی تعلیمی۔ صحتی۔ زرعی اور اقتصادی

ضرورتوں پر غور کیا حکومت کے عہدہ دار کس طریق سے کام کرتے ہیں رعایا کے ساتھ انکے تعلقات کس قسم کے ہیں۔ ان ساری باتوں کو غایر نظر سے دیکھا۔ جو اصلاحات حضرت غفران مکان کے پیش نظر تھیں اور جن میں سے بعض کی مرحوم داغ بیل ڈال چکے تھے ان تمام باتوں کو آپ زیر نظر رکھتے تھے۔ ۱۳۲۳ھ کے واقعات میں ایک عظیم الشان واقعہ

حضرت غفران مکان کی جوبلی کا واقعہ ہے

جو حقیقت میں حضرت مرحوم کے واقعات زندگی کا ایک حصہ ہے لیکن حضرت آصفجاہ ہفتم بھی اس تقریب میں شریک تھے اسلئے وہ حصہ آپ کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے

آپ اپنی سلور جوبلی منا رہے ہیں

اعلیحضرت مرحوم کی چہل سالہ جوبلی یا جشن سالگرہ ۵ رمضان سے منایا جانے والا تھا لیکن رمضان کی وجہ سے اس تقریب کو بذریعہ جریدہ غیر معمولی جلد ۳۷ نمبر ۱۰ مورخہ ۴ رمضان ۱۳۲۱ھ ۱۰ شوال ۱۳۲۳ھ پر ملتوی ہوا اور عید مبارک کے مہینہ میں تاریخ مقررہ سے شروع ہوا۔

عجیب اتفاق

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کے جشن سلور جوبلی کی تاریخ بھی رمضان میں آتی تھی لیکن احترام رمضان کی وجہ سے اس تقریب کا انعقاد شروع شوال میں مقرر ہو چکا تھا۔ مگر بعض حالات نے اس تاریخ کو بھی تبدیل کرا دیا اور بذریعہ جریدہ غیر معمولی بہ تقریب عید الضحیٰ کے مہینہ میں آ رہی ہے۔

بہر حال اعلیحضرت مرحوم کے جشن چہل سالہ کا آغاز ۱۰ شوال ۱۳۲۳ھ کو

نماز جمعہ سے ہوا

اس تقریب کے متعلق پروگرام اور ہدایات جاری ہو چکی تھیں۔ اس موقعہ پر اعلیحضرت مرحوم نے اپنے طرز عمل سے ایک عجیب اور موثر سبق دولت آصفیہ کے ہونیوالے سلطان کو دیا اور

یہ شعائر اللہ کی تعظیم کا سبق تھا

یہ اعلان قبل از وقت کر دیا گیا تھا کہ اعلیحضرت جب مکہ مسجد میں داخل ہو گئے تو آداب مسجد کو مدنظر رکھتے ہوئے آداب عرض کرنے کی حاجت نہیں بلکہ صرف السلام علیکم کہا جاوے ایسا ہی نماز سے فراغت پاکر مراجعت کے وقت بھی اسی امر کو مدنظر رکھا جاوے کہ جدہر ذات شاہانہ متوجہ ہو اس طرف کے مصلّی السلام علیکم کہہ سکتے ہیں۔

یہ نظارہ نہایت موثر اور شعائر اسلام کی عظمت کا سکہ بٹھا دینے والا تھا۔
حضرت آصفجاہ ہفتم نے اس سبق کو عملاً ہمیشہ اپنی زندگی میں دوہرایا ہے اور جب آپ مسجد میں یا بعض دینی مجالس میں تشریف لیجاتے ہیں تو خصوصیت سے اس کا التزام رہتا ہے جیسا کہ میں آپ کی سیرۃ کے باب میں بعض خاص واقعات کو بیان کرونگا (انشاء اللہ العزیز)

اعلیحضرت مرحوم نماز سے فارغ ہوکر مکہ مسجد سے نکلکر عماری میں سوار ہوئے۔ آپکے ہاتھی کے بعد دوسرا ہاتھی حضرت ولیعہد بہادر کا تھا۔ باقی تمام امراء گھوڑوں پر سوار تھے

جلوس میں آپ کا مقام

چہل سالہ سالگرہ مبارک کے جشن کی تقریب کے پروگرام میں آپ ہر موقعہ پر شریک اور حضرت غفران مکان کے قریب رہتے تھے اور آپ کی سواری کو نمایاں امتیاز اور خصوصیت حاصل تھی۔ سواری مبارک کا اسٹیٹ پروسیشن جب نکلا تو آپ کی بگھی کے ساتھ اسکارٹ تھا۔ سارے جلوس میں یہ امتیاز صرف آپ کو حاصل تھا گویا

جلوس میں یا تو حضرت غفران مکان کی بگھی کے ساتھ اسکاوٹ تھا اس لئے کہ آپ

بادشاہ دکن تھے

اور پھر حضرت ولیعہد بہادر کے ساتھ تھا اس لئے کہ آپ ہونے والے سلطان تھے ترتیب جلوس میں حضرت غفرانمکان کی سواری کے بعد آپ کی سواری تھی۔ اور مہاراجہ مدار المہام بہادر کی بگھی آپ کے پیچھے تھی۔ ایسا ہی ۲۳ شوال ۱۳۲۳ھ کی رات کو آٹھ بجے جب سواری شاہانہ باغ عامہ کی طرف روانہ ہوئی تو اسوقت بھی حضور کی ہمراہی کا شرف آپ کو حاصل تھا۔ پھر باغ عامہ میں کسی گاڑی کے جانے کی اجازت نہ تھی صرف وہی گاڑیاں اندر گئی تھیں جو

موجود اور ہونے والے سلطان کی گاڑیاں تھیں

دربار ہال کے بیچ میں ایک چبوترہ تخت نما بنایا گیا تھا جو کہ زرد رنگ کے بیش قیمت کپڑوں سے آراستہ تھا۔ اس تخت نما چبوترہ پر دو طلائی اور نقروی کرسیاں تھیں اور یہ بھی حال اور ہونے والے سلطان کی تھیں۔ حضرت ولیعہد بہادر کی کرسی کسی قدر پیچھے تھی تاکہ نمایاں امتیاز رہے۔ اسطرح چہل سالہ سالگرہ کی تقریب کا جشن نہایت دھوم دھام سے منایا گیا۔ تمام حیدرآباد میں ایک خوشی کی لہر کام کرتی تھی اور ہر فرد شادان و فرحان تھا۔ ہر طرف سے نغمہ ہائے مسرت بلند ہوتے تھے اور محبوب دکن کی فیاضیوں نے قلوب پر ایسی حکومت کر رکھی تھی کہ

ہر شخص دعاؤں میں مصروف تھا

شادی خانہ آبادی

سنہ ۱۳۲۲ھ کا سال چہل سالہ جشن سالگرہ کی تقریب کے سبب سے ایک تاریخی سال تھا
سنہ ۱۳۲۴ھ کے آغاز ہی میں حضرت غفران مکان نے حضرت ولیعہد بہادر (ہونیوالے سلطان) کی شادی کا عزم فرمایا اسوقت آپ کی عمر بیس سال کے قریب ہو رہی تھی۔ اور اس عرصہ میں شاہانہ انتظام تعلیم و تربیت ایسا معقول اور عمدہ تھا کہ آپ نے اپنے ذہن رسا اور مصروف طبیعت کی وجہ سے اپنے وقت کی پوری حفاظت کی۔ اور اپنے تعلیمی اور فوجی اور نظام حکومت کے کاموں میں پوری دلچسپی اور انہماک سے کام لیا۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں مختلف اوقات میں فوجی کرتبوں میں ایسے حالات سے بھی آپ کو گزرنا پڑا جو خطرات کا رنگ رکھتے تھے مگر

تقدیر نے ہونے والے سلطان کی آپ حفاظت کی

اور اب جبکہ آپ تمام تعلیمی مشاغل اور انتظام ملکداری کے مراحل سے گذر چکے تو سلطان باپ نے ہونے والے سلطان بیٹے کی شادی کا اہتمام فرمایا۔ چنانچہ ۱۹ صفر سنہ ۱۳۲۴ھ کو ایڈن گارڈن میں آپ کا عقد مرشد زادہ جہانگیر بادشاہ کی صاحبزادی سے ہوا۔ اس تقریب پر جریدہ غیر معمولی مورخہ ۱۳ خورداد ۱۳۱۵ف مطابق ۲۱ صفر سنہ ۱۳۲۴ھ کے ذریعہ تمام دفاتر میں ایک دن کی تعطیل رہی۔

اس تقریب مسرت پر آصفی خاندان ہی نہیں شہر میں موج مسرت حرکت میں تھی۔

ولادت ولیعہد بہادر

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے اس شادی خانہ آبادی کو برومند فرمایا اور ۵ محرم الحرام سنہ ۱۳۲۵ھ بروز پنجشنبہ شام کے ۵ بجے آپ کے مشکوئے معلیٰ میں پہلا صاحبزادہ پیدا ہوا۔

اور اسطرح گویا اس زمانہ کے ولیعہد بہادر کے ہاں

ولیعہد پیدا ہوا

یا یہ کہو کہ ہونے والے سلطان کے گھر میں ہونے والا سلطان پیدا ہوا۔
یہ تقریب کنگ کوٹھی کے متصل نواب مکرم الدولہ کے بنگلہ میں ہوئی۔ حضرت محبوب دکن
کو جوان بخت پوتے کے پیدا ہونے کی خوشی قدرتی تھی اور اس خوشی میں رعایائے دکن
کی شمولیت لازمی۔ ہر طرف سے مبارکباد کا غلغلہ بلند ہوا۔ خاندانی مراسم بجالائے گئے۔
اور اپنے اپنے وقت پر تمام تقریبات سرانجام پاتی رہیں۔ حضرت آصف جاہ ہفتم جو
اس وقت ولیعہد بہادر تھے جسطرح امور سلطنت کی واقفیت اور تجربہ میں اپنی ذہانت
وفطانت کا ثبوت دیتے رہتے تھے معاشری امور میں بھی ایک نمونہ تھے امراء و سلاطین
کی طرح آپ نے کبھی کوشش نہ کی کہ عیش و عشرت کو اپنی زندگی کا مقصد وحید قرار دے لیا
جاوے اور تمام امور سلطنت کو فراموش کر دیا جاوے۔ اور اہلی زندگی میں بھی ایک
وفادار شوہر اور خیر کم خیر کم لاہلہ پر عمل کرنے کا نمونہ دکھایا۔ اور خدا تعالیٰ نے اسکے ثمرین ثمرات
سے بھی متمتع فرمایا۔

حضرت ولیعہد بہادر کے پیدا ہونے کی خوشی میں ۸ رصفر ۱۳۲۵ھ روز سہ شنبہ
کو حسب الحکم حضرت محبوب دکن تمام دفاتر و مالک محروسہ سرکار عالی میں ایک یوم کی تعطیل ہوئی۔

اس صاحبزادہ بلند اقبال کا نام

نواب میر حمایت علی خان اعظم جاہ بہادر

رکھا گیا اور وہ سعادت و اقبال کے فرشتوں کے سایہ میں پرورش پانے لگے حتیٰ
جبکہ اس تالیف کا ایڈیٹر یہ سطور لکھ رہا ہے وہی ہونہار شاہزادہ دولت آصفیہ کا بلند
اقبال ولیعہد بہادر اور عساکر دولت آصفیہ عثمانیہ کا

سپہ سالار اعظم ہے

اور خدا تعالیٰ نے اسے بھی ولیعہد بہادر عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اسکی عمر اور اقبال میں برکت دے آمین۔

ایک عجیب اتفاق

جبکہ نواب مکرم الدولہ بہادر[1] کے بنگلہ میں حضرت ولیعہد بہادر پیدا ہوئے اسوقت کس کو خبر تھی کہ اس ہونے والے مولود کے گھر میں جو بچہ پیدا ہوگا اسکا نام

مکرّم جاہ بہادر ہوگا

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب شاہزادہ مجیدی پاشا پیدا ہوئے تو سلطان دکن خلد اللہ ملکہٗ نے اپنے پوتے کو

شاہزادہ مکرّم جاہ بہادر کا خطاب دیا

اس قسم کے اتفاقات فی الحقیقت عجیب ہوتے ہیں اور وہ آنے والے واقعات کے متعلق اپنے اندر ایک پیشنگوئی کا رنگ کم از کم تفاول کے طور پر ضرور رکھتے ہیں۔

حاشیہ [1]۔ نواب مکرم الدولہ بہادر کا اصل نام میر پرورش علیخان صاحب تھا اور حسام جنگ اور مکرم الدولہ آپ کے خطابات تھے۔ آپ قیصر الدولہ مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ علمی حیثیت سے آپ عربی۔ فارسی اور انگریزی میں اعلیٰ پایہ کی قابلیت رکھتے تھے ننہیال کے تعلقات خاندان سر سالار جنگ اعظم سے تھے چنانچہ سر سالار جنگ اعظم آپ کے ماموں تھے دولت آصفیہ کے ممتاز عہدوں پر آپ نے سرکاری خدمات سر انجام دین ۱۲۸۰ھ میں آپ مجلس مالگزاری کے میر مجلس مقرر ہوئے اور جب اس مجلس کی بجائے صدر المہام کا تقرر ہوا تو آپ صدر المہام مال ۱۲۸۶ھ میں نامزد ہوئے۔ آج کل کی اصطلاح کے لحاظ سے گویا آپ ریونیو ممبر تھے۔ سر سالار جنگ اعظم کے سفر کلکتہ اور یورپ کے ایام میں امور وزارت کو مشورہ

اورنگ آباد کا سفر

ایام ولیعہدی میں آپ نے ممالک محروسہ کے متعدد دورے کئے تھے تاکہ براہ راست آپ کو رعایا کی حالت اور انتظام حکومت کا علم ہو۔ ان دوروں میں آپ نے نہایت قریب سے اپنی رعایا کو اور رعایا نے اپنے ہونے والے بادشاہ کو دیکھا تھا آپ نے رعایا کی مشکلات اور تکلیفوں کا صحیح اندازہ کر لیا تھا۔ ان سفروں ہی میں سے ایک وہ سفر ہے جو آپ نے

اورنگ آباد کا کیا

۴ر شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ بروز دوشنبہ صبح کو ساڑھے نو بجے آپ اورنگ آباد کو چھوٹی لائن سے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں آپ کے ہمرکاب نواب صادق جنگ مہتمم خزانہ صرف خاص۔ مسٹر بی ایجرٹن (حال سر۔ بی ایجرٹن) اتالیق انگریزی نواب ممتاز یار الدولہ بہادر کمانڈنگ آفیسر اور اسکے علاوہ دوسرا اسٹاف بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ اس شاہی سیاحت میں ہر مقام پر وہاں کی رعایا نے دل کھول کر اپنے ہونے والے سلطان کا استقبال کیا اور اپنی محبت و عقیدت کے پھول پیش کئے۔ آپ نے اپنی رعایا کی حالت کو بچشم خود دیکھا اور عہدہ داروں و عمال ریاست کے طریق عمل کو مشاہدہ کیا یہ سفر ۲۴ دن کا تھا چنانچہ ۲۸ر شعبان ۱۳۲۵ھ کو بروز شنبہ صبح کے ساڑھے سات بجے آپ فائز بلدہ ہوئے۔ اسٹیشن پر شاندار استقبال ہوا اور آپ نے بھی ریاست کے عمائد و ارکان کی عقیدت و اخلاص کو عزت و محبت کی نظر سے دیکھا۔

بقیہ حاشیہ۔ بشیر الدولہ و سر آسمانجاہ بہادر سر انجام دیتے رہے۔ ۱۲۹۵ھ میں سر سالار جنگ اعظم کی بڑی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوئی مگر ایک سال بعد خلل دماغ کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے ۲۵ جمادی الثانی ۱۲۹۵ھ کو آپ لندن تشریف لے گئے اور ۳۰ر رمضان ۱۲۹۶ھ کو واپس آئے ۲۶ر شعبان ۱۳۲۳ھ کو اپنے بنگلہ واقعہ نارائن گوڑہ میں آپکا انتقال ہو گیا۔ (عرفانی)

ان رفقائے سفر میں سے نواب ممتاز یار الدولہ خدا کے فضل و کرم سے
اس وقت حیدرآباد میں زندہ ہیں اور اپنے ولی نعمت کی توجہات بے پایاں و فراوان
ہیں۔ مسٹر اے۔ ایچرٹن واپس انگلستان جا چکے ہیں اور نواب صادق جنگ بہادر کا
انتقال ہو چکا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے معمول میں یہ امر داخل ہے کہ اُن پرانے متوسلین
کی اولادوں کی خاص اوقات میں قدر افزائی فرماتے ہیں۔ نواب صادق جنگ
جب تک زندہ رہے مورد عنایات عثمانی رہے نواب ممتاز یار الدولہ بہادر کو
اب بھی شاہی سفروں میں ہم رکاب رہنے کی عزت و سعادت نصیب ہوتی ہے۔
پچھلے سال ۱۳۵۰ھ کو اعلیٰ حضرت دلہن پاشاہ کو تشریف لے گئیں تو اس مبارک
سفر میں انہیں شرف ہمسفری حاصل تھا۔

دوسرے شاہزادے کی ولادت

ابھی شاہزادہ اعظم جاہ بہادر کی عمر ایک سال کی نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے
اپنے فضل سے سلطان دکن کو دوسرے شاہزادے کی نعمت عطا فرمائی۔ چنانچہ
۱۰ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ کو بروز شنبہ رات کے گیارہ بجے کنگ کوٹھی میں دوسرے شاہزادے
کی صورت میں

برج سعادت میں طلوع آفتاب ہوا

جن کا نام نواب میر شجاعت علی خان رکھا گیا اور شاہی لقب

شاہزادہ معظم جاہ بہادر

ہوا اس تقریب سعید پر بذریعہ جریدہ غیر معمولی مورخہ ۳ اسفندار ۱۳۱۶ف
تمام دفاتر میں ایک روز کی تعطیل ہوئی اس باسعادت ولادت سے بطور ایک نیک فال کے

بتایا کہ ہونے والے حیدرآباد کا سلطان میر عثمان علیخان بہادر ایک ایسی شاندار تقدیر لیکر آیا ہے وہ اپنے اجلال و اقبال میں جلد جلد ترقی کریگا اور اللہ تعالیٰ کثرت اموال و اولاد کے ثمرات سے بہرہ وافر بخشے گا چنانچہ یہ ایک واقعہ اور حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو کثرت اولاد بھی دی اور تکثیر مال بھی۔ اور آپ کے اقبال و جلال میں بھی برکت بخشی۔ اعلیٰحضرت مرحوم کے عہد تک سلاطین آصفیہ اور دوسرے راجگان ہند میں کوئی امتیاز نہ تھا لیکن عہد عثمانی میں حیدرآباد کے سلطان کے لئے

ہز اگزالٹیڈ ہائی نس

کا امتیاز دیا گیا اور وہ زمانہ دور نہیں کہ رعایائے دکن اور مسلمانان ہند کی خواہشوں اور تمناؤں کا ظہور

ہز مجسٹی

کے لقب سے بھی ہوجائے گا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اسکے بعد آپ کو کثیر اولاد دی اور ان میں سے بعض بچے ایسے بھی مقدر تھا کم عمری ہی میں فوت ہوگئے تاکہ وہ عالم آخرت میں فرط اور شفیع ہوں۔

اعلیٰحضرت محبوب دکن کی صحت

اس سال ۱۳۲۵ھ میں اعلیٰحضرت مرحوم سلطان دکن کی صحت گذشتہ سال کی طرح پھر خراب ہوگئی۔ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ روز دو شنبہ کو بوقت صبح ۶ بجے [illegible] حضرت غفران مکان کی طبیعت پر اس کا بہت اثر محسوس ہوا تھا [illegible] اور رعایائے دکن میں بھی اضطراب پیدا ہوگیا تھا [illegible] صحت و عافیت [illegible] ۲۰ ربیع [illegible] ۱۳۲۵ھ [illegible]

بندگان عالی کی طبیعت ناساز ہوئی قدرتی طور پر اس خبر نے سب کو پریشان کر دیا محبوب باپ کے محبوب بیٹے کی حالت باپ سے زیادہ پریشان تھی اور وہ باپ کی جان بچانے کے لیے اپنی قربانی کو آمادہ تھے۔ آپ کی محبت حضرت غفران مکان کی ناسازی مزاج کا بہت بڑا اثر انکو تھا خدا تعالیٰ نے رعایائے دکن کی دعاؤں کو سنا اور اعلیحضرت مرحوم کو صحت دی۔ امرائے ریاست نے صدقات داخل کئے۔ اور خیرات تقسیم ہوئی۔

ان متواتر حملوں نے دراصل آگاہ کر دیا تھا کہ اعلیحضرت غفران مکان کی صحت مخدوش ہو چکی ہے اور وہ وقت اب قریب آ رہا ہے کہ جب میر عثمان علیخان بہادر کو

سلطنت کی ذمہ داریوں سے دوچار ہونا پڑیگا

حضرت غفران مکان پر دونوں مرتبہ سوء ہضمی کا خطرناک حملہ ہوا تھا اور بالاخر جب آخری پیغام آیا اسوقت بھی اس قسم کا حملہ ہوا تھا۔ چنانچہ ۲ رمضان ۱۳۲۹ھ کو آپ کی طبیعت جو ناساز ہوئی اسکا آغاز غشی سے ہوا۔ اور بالآخر اسہال آنے شروع ہوئے اور انکا سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ بند ہونے میں نہ آیا اور

جانستاں ثابت ہوا

میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ۱۳۲۴ھ کو جو حملہ وبائی اثر کا ہوا تھا وہ ایک الارم تھا اور پھر ۱۳۲۵ھ میں بھی اسکا اعادہ ہوا۔ یہ ذکر ضمناً میں نے اس لئے کیا ہے کہ اعلیحضرت مرحوم پر بیماری کے پہلے خوفناک حملے نے ہونے والے سلطان کو آگاہ کر دیا کہ آپ بار حکومت کو برداشت کرنے کا وقت قریب آ رہا ہے اور انہوں نے اپنی توجہ کو خصوصیت کے ساتھ امور سلطنت کی طرف لگا دیا۔

غرض آپ امور مملکت کی طرف پوری طرح پر متوجہ ہو گئے ان ایام میں آپ کو مطالعہ کتب کا

خصوصیت سے شوق تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دل و دماغ بہت اعلیٰ دیا تھا آپ نے ان تمام امور پر غور کیا جو ایک والی سلطنت کے لئے ضروری ہیں اور ان تمام قابلیتوں اور قوتوں کو اپنے علم اور عمل میں مہیا کیا۔ لہو ولعب سے ہمیشہ آپ کو نفرت رہی لیکن فوجی اور سیاسیانہ کرتب اور فنون جو ایک والی ریاست کے لئے ضروری ہیں انہیں آپ نے بطور لہو و لعب نہیں بلکہ بطور ایک فن کے حاصل کر لیا۔ چونکہ سراسر توجہ علمی اور عملی قوتوں کی تربیت اور نشو و نما میں مصروف تھی اسلئے ایام شہزادگی ہی میں ایسی قابلیت حاصل کر لی تھی کہ

ہر وقت امانت سلطنت کے اہل ثابت ہو سکتے تھے

ذاتی توجہ اسی ایک امر کی طرف مبذول تھی کہ ملکداری اور فرمان روائی کے تمام نشیب و فراز سے ایک مجتہدانہ واقفیت ہو۔ کسی حالت اور صورت میں بھی اہلکاروں اور دربار کے ہاتھ میں کھلونا نہ بن سکیں لیکن چنانچہ اس مقصد میں پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ اور بعد کے واقعات نے بتادیا کہ آپ

دولت آصفیہ کے تخت پر بہترین بادشاہ ہوئے

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اس عرصہ میں آپ کا قیام کنگ کوٹھی ہی میں رہا اور اب تک بھی ہے۔

دورہ جانب ہنمکنڈہ

آپ وقتاً فوقتاً ملک کی حالت کے معلوم کرنے کے لئے مختلف حصص ملک کا دورہ فرماتے تھے اور اس دورہ میں سیر و شکار کا مطلب خود بخود پورا ہو جاتا تھا۔ ۲ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ بروز شنبہ دن کے گیارہ بجے کی ٹرین سے ہنمکنڈہ اور کریم نگر کے دورہ کے لئے روانہ ہوئے اس سفر میں جن عہدہ داروں کو آپ کے ہمرکاب رہنے کی عزت حاصل تھی

اُن میں مسٹر الیجرٹن اور نواب صادق جنگ مرحوم کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے یہ دورہ دو ہفتہ کا تھا چنانچہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ کو مراجعت عمل میں آئی۔ اس دو ہفتہ کے دورہ میں ان اضلاع کی رعایا نے جو اپنے ولی نعمت کے ساتھ اظہار اخلاص و عقیدت کیا ہر مقام پر شاندار استقبال ہوئے اور آپ نے بھی نہایت قریب سے اپنی رعایا کی حالت کا مطالعہ کیا۔ آپ اس ظاہری نمایش اور وہوم دہام سے جو قدرتی طور پر ہر ایک مقام پر منجانب اہلکاران ورعایا کی جاتی تھی اپنی رعایا کی خوش حالی و فارغ البالی کا اندازہ نہ کرتے تھے بلکہ غایر نظر سے حالات کو دیکھتے تھے جیسا کہ آپ کے عہد حکومت کے عمل سے ظاہر ہے آپ نے اس قسم کے تکلفات اور نمائشی چیزوں کو کبھی پسند نہ کیا بلکہ انہیں داخل اسراف سمجھا چنانچہ مختلف اوقات میں مختلف رنگوں میں ان سے ممانعت کی۔ اور اپنے عمل سے دکھایا اور بتایا کہ

سادگی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے

غرض اس دورہ میں اپنی عادت قدیم کے متعلق زیادہ وقت حالات ملک کے معلوم کرنے میں گذارا لیکن سپاہیانہ زندگی کے لئے شکار بھی ضروری چیز ہے اسلئے

مقام پالم پیٹہ میں ریچھ کا شکار کیا

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت | اس شکار کی تقریب پر قدرت نے اپنی تائید اور نصرت کا ایک مرتبہ اور اظہار کیا۔ شکار گاہ میں ایک درخت پر ریچھ کے شکار کے لئے مچان باندھا گیا مگر عین اسوقت جبکہ آپ اس مچان پر تشریف فرما تھے وہ شاخ جس پر مچان تھا ٹوٹ گئی۔ اور مچان گر کر نیچے آپڑا مگر

قدرت کی نیرنگیوں کو دیکھئے

کہ حضرت ولیعہد بہادر بال بال بچ گئے۔ اور اس واقعہ نے ایک بار اور ثابت کیا کہ

اس وجود کے ساتھ حیدر آباد کے لئے ایک عظیم الشان امر مقدر ہے اور دولت آصفیہ کی تاریخ میں یہ ممتاز ہستی ایک

نیا اور شاندار باب قائم کرنیوالی ہے

اس لئے قدرت ہر آفت اور مصیبت میں اسے سلامت رکھ کر تائید ربانی کا ثبوت دے رہی ہے۔ غرض آپ بخیر و عافیت بلدہ داخل ہوئے اور اس موقعہ پر شایان شان استقبال ہوا۔ اور اس حادثہ جانستان سے محفوظ رہنے پر صدقات و خیرات کی گئی۔

آپ کی علمی اور عملی تعلیم اب ہر پہلو سے مکمل ہو چکی تھی اور امور مملکت کا بھی آپ کو پورا تجربہ ہو چکا تھا۔ بایں آپ کی تعلیم کے لئے جو اساتذہ مقرر تھے وہ موجود رہتے تھے۔ لیکن ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ کو مسٹر ایجرٹن نے موقعہ غنیمت سمجھ کر ۶ ماہ کی رخصت حاصل کی اور وہ انگلستان کو روانہ ہوئے۔ انکے ایام رخصت میں مسٹر برنٹ پروفیسر انگریزی نظام کالج کا تقرر عمل میں آیا۔ اور اسی طرح یہ ایام آپ کے حضرت غفرانمکان کے سایہ پدری میں نہایت بے فکری اور مسرت سے گزر رہے تھے کہ قضا و قدر کے فرشتوں نے اس وقت کو قریب کر دیا جسکے لئے آپ کا وجود ظہور میں آیا تھا یعنی تخت آصفیہ پر رونق افروز ہونے کا زمانہ

حضرت غفران مکان کا انتقال

اعلیٰ حضرت آصف جاہ ششم کی صحت کو در اصل ۱۳۲۴ھ سے صدمہ پہنچا تھا۔ وقتاً فوقتاً آپ پر ضعف قلب اور معدہ کی خرابی کے دورے ہو جاتے تھے وقتی علاج اور طبی احتیاط سے وقتی فائدہ ہو جاتا اور نظام زندگی میں کوئی نمایاں نقص اور فتور نظر نہ آتا تھا لیکن اندر ہی اندر بعض واقعات اور حوادث اور علالت کے ایک تدریجی اثر نے ایسی حالت پیدا کر دی تھی کہ۔

نظام صحت درست نہ تھا

اس عرصہ میں بعض خاندانی اموات بھی اس قسم کی ہوئی تھیں جنہوں نے بندگان عالی کے قلب مبارک پر ایک گہرا اثر پیدا کیا چنانچہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو حضرتہ صاحبزادی نظام النساء بیگم صاحبہ کا ایسے وقت میں مرض دق سے انتقال ہوگیا کہ کسی کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔ یہ نوبجے کا وقت تھا اور بندگان عالی اوسوقت پرنس آف ویلز (موجودہ شہنشاہ ہند) کے ہمراہ سکندرآباد میں ملاحظہ پریڈ فرمارہے تھے کہ عین میدان پریڈ میں جبکہ آپ اپنے معزز مہمان کی خاطر و مدارات میں خصوصیت سے دلچسپی لے رہے تھے یکایک

اس حادثہ جانکاہ کی خبر پہونچی

حضرتہ صاحبزادی نظام النساء بیگم صاحبہ مرحوم کی سب سے پہلی اولاد تھیں جو ۳ شوال ۱۳۰۰ھ روز دوشنبہ پیدا ہوئیں تھیں انکی ولادت پر بڑی خوشیاں کی گیئں۔ اور بڑی بڑی آرزوئیں ماں باپ کی انکی ذات سے وابستہ تھیں مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

غرض اس مسرت و انبساط کی لہر میں سکندرآباد ہی میں آپ کو اس حادثہ جانکاہ کی خبر پہونچی اور آپ کے قلب پر ایسا صدمہ ہوا کہ اس غم میں تمام کام چھوڑ دیئے گئے اور واپس محل میں آگئے۔ اس روز شام کو ۶ بجے مکہ مسجد میں مرحومہ کو سپرد خاک کردیا گیا۔ دفن کے وقت شاہزادہ ویلز نے بھی اپنے اسٹاف کے دیسی افسروں کو شریک رہنے کا حکم دیا تھا۔ اور آپ بہ نفس نفیس معہ بیگم صاحبہ تعزیت کے لئے

حضرت غفران مکان کے پاس آئے

یہ غم تازہ ہی تھا کہ ۱۷ جمادی الاول سنہ ۱۳۲۷ھ کو حضرت صاحبزادی نظام النساء بیگم صاحبہ کی والدہ محترمہ چاندنی بیگم صاحبہ کو پیغام اجل آپہونچا اس حادثہ نے مرحومہ صاحبزادی کے غم کو اور بھی تازہ کردیا۔ اس قسم کے حوادث سے بے ثباتی کا نقش آپ کے قلب پر گہرا ہوتا گیا اور وقتاً فوقتاً تشنج کے دورے ہونے لگے۔

۱۷ محرم سنہ ۱۳۲۹ھ کو آپ کا آخری جلوس نکلا حضور بمعیت منجھلے صاحبزادہ صاحب کے ہاتھی کی عماری پر سوار تھے خواصی میں حضرت یمین السلطنت تھے دیگر امراء مصاحبین بھی ہاتھیوں پر سوار تھے پنچ محلہ سے مسجد تک جاکر یہ سواری واپس آگئی کون جانتا تھا کہ یہ جلوس آخری جلوس ہوجائے گا۔

جمادی الاول سنہ ۱۳۲۹ھ میں آپ کا قیام معہ محلات حضرت بابا شرف الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی پہاڑی پر تھا۔ آخر ماہ میں وہاں سے فلک نما میں تشریف لے آئے اور دو مہینے تک فلک نما ہی پر قیام رہا۔

شعبان کے آخری ایام میں قلب کی حالت اضطراری تھی اور وقتاً فوقتاً دورے ہوتے تھے۔

محبوب دکن کی آخری ساعات

آخر وہ یوم موعود آگیا جبکہ موت کے فرشتوں نے آپ کو پیغام اجل دیا۔ قلب کی اس اضطراری حالت کا اثر بڑھتا گیا یہاں تک کہ یکم رمضان سنہ ۱۳۲۹ھ کو ہفتہ کے روز کوئی غذا نہیں ہوئی۔ اور اسی روز تشنج کے بھی دورے ہوئے۔

۲ رمضان سنہ ۱۳۲۹ھ یوم یکشنبہ کو حکم دیا کہ تمام سرکاری کاغذات پیش کئے جاویں دو گھنٹہ کامل بیٹھ کر غیر معمولی طور پر تمام کاغذات ملاحظہ کئے۔ کام سے فارغ ہوکر ایک قدم بھی چلنے نہ پائے تھے کہ چکر آگیا اور وہیں بیٹھ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر حاضرین نے سنبھالا دیا جب ہوش آیا تو فرمایا **مجھے لٹا دو**

جب لٹا دیا گیا تو والدہ محترمہ کو یاد فرمایا ماں نے بیٹے کی حالت کو دیکھا تو

پاؤں تلے سے زمیں نکل گئی محبت مادری نے آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی صورت میں ظہور کیا۔ محبوب دکن بیٹے نے ماں کی حالت زار کو دیکھا تو نہایت حوصلہ اور شاہانہ وقار سے والدہ محترمہ کو تسلی دی اور کہا کہ

"اماں جان! گھبرانے کی کوئی بات نہیں میرا مزاج اچھا ہے صرف کثرت کار کی وجہ سے طبیعت کسل مند ہو گئی ہے۔"

جب حضرتہ والدہ محترمہ رخصت ہوگئیں تو طبیعت سنبھلنے کی بجائے بگڑنے لگی اور بیہوشی کے دورے پڑھنے لگے اور ایک ایک دو گھنٹہ کے وقفہ سے تشنج کے دورے تیز ہونے لگے۔ اس حالت کی خبر پاکر مہاراجہ یمین السلطنتہ سراسیمہ دوڑے آئے اور دوسرے امرائے دولت آصفیہ بھی فلک نما حاضر ہوئے۔ حکیم نابینا صاحب اور ڈاکٹر لقمان الدولہ اور دوسرے حاذق طبیب و ڈاکٹر علاج میں مصروف تھے مگر

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس روز یعنی ۳ رمضان کی شام کو غیر معمولی دو چار اسہال ہوئے [illegible] بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ مزاج کی حالت اصلاح کی طرف نہ آئی۔ ۴ رمضان منگل کے روز [illegible] آیا جو آخری سنبھالا تھا تو فرمایا سردار بیگم اور دوسری بیگمات کو بلاؤ۔ فوراً تعمیل ہوئی سب کو آخری نظر سے دیکھا اور رخصت کر دیا۔ گویا یہ آخری ملاقات تھی۔ ۹ بجے کے قریب حکیم اور ڈاکٹر آئے اور دوا پلانی چاہی تو انکار کر دیا اور فرمایا کہ

کیا تم لوگ اب بھی مجھے گناہ میں ڈالنا چاہتے ہو توبہ! توبہ استغفر اللہ

اس موقعہ پر آپ کی زبان پر نہایت اخلاص سے کلمہ طیبہ کا ورد تھا۔ دس بجے کے قریب فرمایا کہ کلام الٰہی پڑھو۔ طبیعت میں ضعف بڑھنے لگا اور علامات سکرات موت کی نمودار ہوگئیں جنکو دیکھ کر ڈاکٹر لقمان الدولہ نے زانو پر سر رکھدیا۔ آنکھیں کھول کر قرآن شریف اور سورۃ یٰسین پڑھنے

والوں کو دیکھا اور ڈاکٹر لقمان الدولہ کو کچھ کہا جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا مگر حکیم نابینا صاحب نے جو بالکل قریب تھے غور سے سنا اور طبعی طور پر انکی سماعت بھی تیز تھی اونہوں نے کہا

دیکھو! سرکار کلمہ طیبہ پڑھ رہے ہیں

لقمان الدولہ نے بھی بلند آواز سے دو چار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا تو سرکار نے آنکھیں کھولدیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لقمان الدولہ کو پہلے ہی فرمایا تھا کہ

کلمہ طیبہ کا ورد کرو

اسوقت طبعیت میں ایک سکون تھا۔ اور اس حالت سکوں میں ۴ ماہ رمضان ۱۳۲۹ برور دوشنبہ دن کے ساڑھے گیارہ بجے دکن کا محبوب بادشاہ آصف جاہ ہفتم کے تخت و تاج چھوڑ رخصت ہوا

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ خبر تمام شہر میں آناً فاناً پھیل گئی اور تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔ دو اور تین بجے کے درمیان آپ کی میت کو موٹر میں فلک نما سے چو محلہ لایا گیا دس بجے شب کے مشائخین نے میت کو غسل دیا اور حسب دستور قدیم میت کو بعض زیورات پہنائے گئے۔ اور جنازہ ایک صندوق میں رکھا گیا جس پر کمخواب کا غلاف تھا غلاف پر خوشبودار پھولوں کی چادر تھی۔ شامیانہ میت بھی کمخواب کا تھا جنازے کے آگے مولود خوان تھے اور ایک چھوٹی سی کشتی میں کچھ تبرکات بھی تھے۔ رات کے ڈیڑھ بجے کے قریب مکہ مسجد کے شاہی قبرستان میں حضرت غفرت مکان کے پہلو میں **اس محبوب وجود کو سپرد خاک کردیا**

قبر پر چودہ حافظ اور کچھ چوبدار رہ گئے۔ کیسا عجیب منظر اور عبرت انگیز مرقع ہے کہ جس وجود کی سلامتی اور رضامندی کے لئے کروڑوں انسان دست بدعا رہتے تھے۔ وہ زیر زمین ہے،

جنرل آفیسر کمانڈنگ گیریژن سکندرآباد نے یونہی اس خبر کو سنا اظہار غم کے لئے ۲۱ توپ کی سلامی دی۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کے تمام دفاتر اظہار غم کے لئے ایک ہفتہ تک

بند رہے حیدرآباد - رزیڈنسی اور سکندرآباد کی دوکانیں بھی مسلسل تین دن تک بند رہیں
اور بعض دوکانات پر اظہار غم کے نشان کے طور پر سیاہ پردے پڑے ہوئے تھے۔
اِس حادثہ پر جو آصفی تاریخ کا ایک ورق اُلٹنے والا تھا۔ ملک معظم وائسرائے ہند
کے علاوہ ملک کے ہر حصہ اور ہر طبقہ کی طرف سے انفرادی اور اجتماعی رنگ میں تعزیت
کے تار اور رزولیوشن وصول ہوئے۔

ظاہر ہے کہ اس خبر وفات نے تمام دنیا میں ایک دلچسپی پیدا کر دی لندن کے
اخبارات نے اعلیٰحضرت کی وفات پر اپنے ماتمی کالموں میں اظہار افسوس کیا اور
محبوب مرحوم کی اعلیٰ خوبیوں اور کمالات کے تذکرے شائع کئے۔ اعلیٰحضرت مرحوم
کی وفات نے تاریخ آصفی کے ایک باب کو ختم کردیا اور نئے باب کا آغاز ہوا

حضرت ولیعہد بہادر میر عثمان علیخان اسوقت تک ایک بے فکر زندگی
بسر کر رہے تھے لیکن آج وہ محسوس کر رہے تھے کہ انکے کندھوں پر کتنا بڑا بار ہے۔
ایک طرف محبوب و محترم باپ کے سایہ عاطفت سے الگ ہونا دوسری طرف
وسیع مملکت کی اہم انتظامی ذمہ داریاں اور فرائض ہر شخص اس قلب کی کیفیت کا
اندازہ نہیں کرسکتا جو اسے محسوس کر رہا تھا۔ اسطرح

حضرت آصف جاہ ہفتم کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا

دوسرا باب

حیات عثمانی کا دوسرا دور

(میر عثمان علیخان بہ حیثیت سلطان دکن)

شاہ مردو شاہ زندہ باد | قرآن مجید نے جو فرمایا ہے۔ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَاْنٍ کچھ شک نہیں ہر نیا دن بلکہ ہر دن کا ہر لحہ اپنی اپنی تجلیون کو لیکر آتا ہے انسان چونکہ واقعات اور حالات کے تبادلہ پر غور نہیں کرتا اور یونہی گذر جاتا ہے لیکن ایک عارف دیکھتا ہے کہ وقت کا ہر چھوٹے سے چھوٹا حصّہ حیرت انگیز تبدیلیان کر دیتا ہے۔ انقلاب عالم کی تاریخ ایسی ہی دلچسپیون کا مجموعہ ہے مگر تھوڑے اور بہت ہی تھوڑے ہیں جو ان حوادث اور اثرات پر غور کرتے ہیں۔ ۱۴ رمضان ۱۳۲۹ھ کا آفتاب جب طلوع ہوا تو کوئی نہیں جانتا تھا کہ

حیدرآباد کی تاریخ کا ورق اُلٹ جاے گا

لیکن دوپہر ہوتے ہوتے

شاہ مردو شاہ زندہ باد

کی آواز فضا میں فرشتون نے بلند کردی۔ حضرت ولیعہد بہادر میر عثمان علیخان کی زندگی کا یہ انقلاب ایک حیرت انگیز انقلاب تھا۔ اسلئے کہ وقتِ واحد میں آپ کے قلب پر

والد محترم کی وفات کا صدمہ تھا رنج اور غم کے جذبات جوش اور ہیجان میں تھے اور انہیں حالات میں آپکو

سریر آصفی کو زینت دینا تھا

تخت نشینی | چنانچہ حسب دستور دولت آصفیہ ۴ رمضان ۱۳۲۹ھ کو آپ مرحوم محبوب دکن اپنے والد محترم کے جانشین ہوکر

سریر آرائے دولت آصفی ہوئے

آصف جاہ ہفتم آپ کا لقب ہوا۔ ابھی اعلیحضرت مرحوم کی تکفین وتدفین بھی نہیں ہوئی تھی اس وقت صرف جانشینی کا اعلان ضروری تھا چنانچہ آپ کے بادشاہ ہونیکا اعلان نواب شہاب جنگ وزیر کوتوالی نے چارمینار کے متصل با آواز بلند پڑھا۔ اسکے بعد نواب وزیر یار جنگ بہادر کوتوال بلدہ گھوڑے پر سوار ہوئے ان کے ہمراہ مختصر سی جمیعت کوتوالی تھی اونہوں نے تمام راستوں پر

اس اعلان کا تکرار کیا

چنانچہ تھوڑے ہی وقت میں تمام شہر میں یہ اعلان ہوگیا کہ آج سے دولت آصفیہ کے نئے سلطان اور نظام دکن

اعلیحضرت میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ ہیں

اور اسی تاریخ یعنی ۴ رمضان ۱۳۲۹ھ کو جریدہ اعلامیہ[1] میں یمین السلطنتہ مہاراجہ بہادر مدار المہام نے اعلان کیا کہ چونکہ اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخان بہادر فرمانروائے سلطنت دکن انتقال کرچکے ہیں لہذا اعلیحضرت قدر قدرت نواب میر عثمان علیخان بہادر

حاشیہ[1]۔ میں یہاں جریدہ اعلامیہ محولہ بالا کو درج کردیتا ہوں۔ یہ جریدہ اعلان وفات تھا۔

سریر آرائے سلطنت ہوئے اور اس سانحہ جانگذار کی سوگواری میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے جملہ دفاتر سرکاری سات روز تک بند رہیں۔

اسطرح اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کا عہد حکومت

۲۹ر اگست ۱۹۱۱ء سے شروع ہوا

اورنگ نشین دولت آصفیہ ہونے کے بعد اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کو سب سے پہلے جو پبلک تقریب پیش آئی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴-

جریدہ غیر معمولی

جلد ۴۲ حیدرآباد دکن ۲۳ر مہر ۱۳۲۰ف م ۵ر رمضان ۱۳۲۹ھ نمبر ۵۰

۵ر رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۳ر مہر ۱۳۲۰ف

امرا و اعزہ و اعیان و ارکان دولت و ملازمین و رعایا و برایائے سرکار عالی کی اطلاع کیلئے اعلان کیا جاتا ہے کہ لفٹننٹ جنرل ہز ہائنس مظفر الملک والممالک نظام الدولہ نظام الملک نواب سر میر محبوب علیخان بہادر جنت آرامگاہ ثراہ وفی الجنۃ مثواہ کی جگہ اعلیجناب حضرت شہزادہ وسعید نواب میر عثمان علیخان بہادر اس ریاست ابد مدت کے مسند نشین ہوئے اور زمام حکومت اپنے دست مبارک میں لی ہے۔ چنانچہ اسکی منادی حسب دستور قدیم بہ ماہ صیام ۱۳۲۹ھ ہجری کو بلدہ میں کر دیگئی۔ پس جملہ خانہ زادان و غلامان و بہی خواہان دولت آصفیہ پر لازم کہ اطاعت و انقیاد کے ساتھ ملک و مالک کی خدمت گزاری میں سرگرم و مصروف نیز امن و امان ملک و آسایش و صلاح و فلاح رعایا میں کوشاں رہیں۔ صوبوں اور اضلاع و تعلقات کے منتظم یعنی جملہ صوبہ دار صاحبان و تعلقدار صاحبان و تحصیلدار صاحبان کو چاہیئے کہ اس اعلان کے مجمع عام میں علی رؤس الاشہاد پڑھے جانیکا انتظام کریں۔

علی ہذا القیاس جملہ معزز امرایان پائیگاہ و جاگیرات و نیز کل جاگیردار صاحبان وغیرہم اپنے اپنے پائیگاہ ہوں جاگیرات میں بذریعہ عہدہ داران متعلقہ مجمع عام میں اس اعلان کو پڑھے جانیکا بندوبست کریں فقط

کشن پرشاد یمین السلطنۃ
مدار المہام سرکار عالی

دربار تعزیت تھا

دربار تعزیت | یہ دربار حسب دستور قدیم ۵ رمضان ۱۳۲۹ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۹۱۱ء چہارشنبہ کے دن حویلی منھلی بیگم میں منعقد ہوا۔ یہ انگریزی دربار تھا اسلئے کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے رزیڈنٹ صاحب حیدرآباد تعزیت اور پرسہ کے لئے آنے والے تھے۔ اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم باوجودیکہ آپکا دل باپ کی وفات سے صدمہ رسیدہ تھا پورے وقار اور سکون کے ساتھ کنگ کوٹھی سے شاہانہ حیثیت سے سوار ہوئے۔ آپ ایک عالی شان لینڈو گاڑی میں سوار تھے۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر اور افسر الملک مرحوم اڈیکانگ تھے۔ سواروں کی ایک کافی جماعت ہمراہ تھی جن میں امپریل سروس کے سوار حبشی سواروں کا گارڈ اور باڈی گارڈ سلطانی کے سوار تھے۔

اعلیحضرت کی سواری کی گاڑی میں نقرئی گھوڑے جتے ہوئے تھے دوسری گاڑیوں میں دوسرے شرکائے جلوس سوار تھے۔ ٹھیک سوا پانچ بجے کرنل پینے رزیڈنٹ حیدرآباد معہ اپنے اسٹاف کے سفید لباس میں ملبوس داخل ہوئے۔ اعلیحضرت نے کرنل پینے اور رزیڈنسی کے افسران سے مصافحہ کیا۔ رزیڈنٹ اور انکا اسٹاف دربار آصفی کے طریق کے موافق اعلیحضرت کی داہنی جانب بیٹھ گیا اور حضور کے بائیں طرف امرا و عمایدو اراکین دولت آصفیہ کی نشست حسب دستور و مراتب تھی۔ اس موقعہ پر لمبی تقریروں کا موقعہ تھا۔ یہ دربار صرف دربار تعزیت تھا۔ اور رسمی طور پر حکومت برطانیہ کا اعلیحضرت کی حکومت کا اعتراف کرتا تھا۔ رزیڈنٹ صاحب نے کھڑے ہوکر اعلیحضرت مرحوم کی وفات پر گورنمنٹ کی طرف سے اظہار افسوس کیا اور پرسہ دیا۔ اسی تقریر کے ضمن میں مرحوم کی خوبیوں اور کمالات کا بیان کیا اور اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کے متعلق کہا کہ میں آپکے مستقبل کو امید اور بھروسے کے ساتھ دیکھ رہا ہوں اور مجھکو یقین ہے کہ آپنے وہی شاندار اوصاف ترکہ میں پائے ہیں جنکے لئے آپکے والد محترم بجا طور پر مشہور رہے تھے

رزیڈنٹ صاحب کی تقریر کا یہی خلاصہ اور مفہوم تھا۔ اسکے بعد قدرتی طور پر اعلیحضرت کو اس کا جواب دینا تھا۔ ایسے موقعہ پر جبکہ دل غم پدری میں نڈھال ہو اور حکومت برطانیہ کا نمایندہ اور ارکان دولت آصفیہ موجود ہوں اور آپ کو پہلی پبلک تقریر کا موقعہ ملا ہو۔ اور تقریر بھی ایسے موضوع پر جو آپ کے نظام عمل اور طریق حکومت کے لئے گویا

مرغ بادنما ہو

تقریر کرنا آسان نہیں تھا مگر آپ پورے سکون اور شاہانہ وقار کے ساتھ کھڑے ہوئے گو قلب مجروح اور محزون تھا مگر تقریر کے دوران میں آپ کے چہرہ کے آثار نے اس کیفیت کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس موقعہ پر پہلی مرتبہ یہ ثابت ہوا کہ حیدرآباد کا موجودہ سلطان اپنے جذبات پر بھی حکومت کرتا ہے۔ یہ آپ کی بہ حیثیت بادشاہ

پہلی پبلک تقریر تھی

آپ نے رزیڈنٹ کو اسطرح خطاب کیا۔

کرنل پینے! میں ممنون ہوں کہ آپ نے آج میری ملاقات کے لئے مہربانی کی ہز مجسٹی ملک معظم قیصر ہند نے جو شفقت آمیز اور کریمانہ پیغام دیا ہے میں از بس ممنون ہونگا اگر آپ اسکے لئے میرا مخلصانہ شکریہ ملک معظم کی خدمت میں پہونچا دیں گے۔

میں آپ سے یہ بھی کہونگا کہ وایسرائے ہند نے میرے والد محترم کی وفات پر جو ہمدردی اور تعزیت کا تار مجھے بھیجا ہے اس کے لئے بھی آپ مہربانی کر کے میرا بہترین شکریہ ہز اکسلنسی تک پہونچا دیں۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں حتی الامکان یہی کوشش کرونگا کہ اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چل کر

اپنی رعایا اور ملک کو فائدہ پہونچاؤں

اور ہمیشہ گورنمنٹ برطانیہ کا خیر خواہ رہونگا ۔ موقعہ کی اہمیت اور مناسبت کے لحاظ سے یہ تقریر نہایت اہم اور جامع تھی ۔ آصف جاہ ہفتم نے اپنی اس تقریر میں اپنی آئندہ زندگی کا جو پروگرام پیش کیا اور جس کا وعدہ انگریزی حکومت کے نمایندے اور دولت آصفیہ کے عمائد و اراکین کے سامنے کیا وہ نہایت مہتم بالشان اور سلطان دکن کے نصب العین کو لئے ہوئے ہے اور وہ

اپنی رعایا اور ملک کو فائدہ پہونچانا ہے

میں اس مقصد عظیم میں ممالک محروسہ اور ہندوستان دونوں کو شامل سمجھتا ہوں اپنی رعایا کے لفظ میں دولت آصفی کی رعایا ہے اور ملک سے ہندوستان مراد ہے اور اسکے بعد دولت برطانیہ سے اپنے تعلقات کو بھی صاف الفاظ میں واضح کردیا

ہمیشہ گورنمنٹ برطانیہ کا خیر خواہ رہونگا

اور یہ دونوں باتیں آپ کی عملی زندگی میں نمایاں نظر آتی ہیں جیسا کہ میں اس کتاب کے تیسرے حصہ میں اور دوسری جلد میں خصوصیت کے ساتھ تصریح کرونگا ۔ اعلیحضرت کی تقریر کے بعد دربار تعزیت ختم ہوگیا اور رزیڈنٹ صاحب اور انکے اسٹاف کے لوگ رخصت ہوگئے لیکن اعلیحضرت حسب دستور آصفی تشریف فرما رہے ۔ اس موقعہ پر امراء و عمائد سلطنت نے آئین آصفی کے موافق نذریں پیش کیں ۔ نذور کے بعد اعلیحضرت موٹر میں سوار ہوکر تشریف لے گئے ۔

مسند نشینی کا دربار اور عثمانی جلوس

اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کے سلطان دکن کا اعلان ۴ رمضان ۱۳۲۹ھ بروز دوشنبہ ہی دن کے تین بجے ہو چکا تھا جیسا کہ دولت آصفیہ کا آئین قدیم ہے لیکن اس کے لئے حسب دستور ۷ رمضان ۱۳۲۹ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۱۱ء بروز جمعہ دن کے چار بجے آپ کی مسند نشینی کا

انگریزی دربار ہوا

انگریزی دربار میں اسے اسلئے کہتا ہوں کہ اس دربار میں رزیڈنٹ صاحب نے حکومت برطانیہ کی طرف سے آصفجاہ ہفتم کو انکی تخت نشینی کی مبارکباد دی اور یہ دربار اسی غرض سے منعقد کیا گیا تھا۔ کرنل پینے معہ اپنے اسٹاف کے موجود تھے اور آصفجاہ ہفتم کی دولت آصفیہ کے عمائد وارکان بھی اس تقریب میں حاضر تھے۔ یہ دربار چو محلہ میں منعقد ہوا۔ کرنل پینے نے اعلیحضرت کو سریر آرائے دولت آصفیہ ہونے پر حکومت انگریزی کی طرف سے

مبارکباد دی

اور اس موقعہ پر ایک رسمی تقریر کی اعلیحضرت نے مناسب موقعہ رزیڈنٹ کا شکریہ ادا کیا۔ (یہ تقریریں ایک جائی طور پر دوسری جگہ درج ہونگی۔)

اس موقعہ پر ۲۱ ضرب توپ کی سلامی نے پھر آصفجاہ ہفتم کے تخت نشین ہونے اور حکومت برطانی کے اعتراف کا اعلان کیا۔

عطر و پان حسب معمول دربار تقسیم ہو کر دربار برخاست ہوا اور اس تقریب پر کنگ کوٹھی سے ۲۱ قیدی رہا کئے گئے۔

جلوس عثمانی

اگرچہ اعلیحضرت کا قلب والد محترم کی وفات کے صدمہ سے مجروح اور محزون تھا لیکن مجبوراً غم اور رنج کے جذبات پر قابو پا کر آپ پبلک تقریبوں میں شریک ہوتے تھے۔

۱۴ رمضان ۱۳۲۹ھ کو حیدرآباد میں اعلیحضرت کی سواری کا جلوس نکلا۔ یہ جمعہ کا دن تھا ساڑھے دس بجے یہ شاہانہ جلوس اس غرض سے نکلا کہ

آصفجاہ ہفتم کی مسند نشینی کا اعلان ہو

اور حیدرآباد کی رعایا اپنے بادشاہ کو دیکھ لے۔ اعلیحضرت اپنے بلند بالا اور نہایت مزین ہاتھی کی عماری میں سوار تھے ہاتھی کو اس تقریب پر نہایت خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا اسکے مستک پر اور جسم کے تمام اعضاء پر عجیب و غریب رنگ برنگ کے پھول اور بیلیں بنادی گئی تھیں اور اسپر طلائی عماری رکھی گئی تھی جو نہایت شوخ اور چمکدار تھی۔ عماری طلائی تو تھی ہی اسپر اسے ریاست کے شاہی رنگ میں ایسا نمایاں پالش کر دیا تھا کہ

آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں

جب یہ جلوس حویلی قدیم سے روانہ ہوا تو راستہ میں رعایائے دکن اپنے بادشاہ کے دیدار فرحت آثار کے لئے دورویہ کھڑی تھی اور جوان بخت سلطان کو دیکھکر شادمانی اور مسرت کے جذبات سے بے قابو ہو کر لگاتار چیرز دے رہی تھی اور ہر طرف سے دعاؤں کی اسقدر صدائیں اٹھ رہی تھیں کہ کچھ سنائی نہ دیتا تھا اعلیحضرت اپنی رعایا کی اس گرم جوشی۔ اخلاص اور شاہ پرستی کے جذبات کو دیکھکر بے حد متاثر تھے اور اپنی شاہانہ ذمہ داریوں کا احساس فرما رہے تھے۔

اعلیحضرت کا لباس اسوقت نہایت قیمتی تھا۔ اور دستار شاہانہ پر موتیوں کی متعدد مالائیں تھیں۔ اور دونوں بازوؤں پر بیش قیمت بازو بند تھے۔ غرض آپ شاہانہ لباس میں ملبوس تھے اور آفتاب کی کرنیں پڑھکر اس شاندار لباس کی ضیا کو اور بھی تیز کر رہی تھیں یہ جلوس شہر کے بازاروں میں نہایت خوش اسلوبی اور آہستہ خرامی کے ساتھ جارہا تھا اعلیحضرت اپنے دونوں ہاتھوں سے روپیوں کی مٹھیاں بھر کر دونوں طرف خیرات کے طور پر پھینک رہے تھے یہ جو کچھ بھی تھا شاہی آئین اور خاندانی رسم کے طور پر تھا ورنہ اعلیحضرت خیرات کے صحیح

طریق کو سمجھ رہے تھے۔ رعایا کے جذبات اخلاص کے اعتراف میں آپ دونوں طرف اپنے ہاتھ سے رعایا کے سلام کا جواب بھی دیتے جاتے تھے۔ یہ نظارہ بے حد موثر تھا چار غبار سے ساڑھے بارہ بجے چومحلہ رونق افروز ہوئے۔

یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ اعلیحضرت کی خواصی میں مورچھل لئے حاضر تھے۔ اعلیحضرت کے ہاتھی کے عقب میں کرنل افسر الملک کا ہاتھی تھا اور اسکے بعد ۵۳ ہاتھی سجے سجائے شریک جلوس تھے جن پر مستحق اور مجاز عمائد سوار تھے۔ امراء سواری اسپ شریک جلوس تھے۔

ساڑھے تین بجے دربار منعقد ہوا جس میں تمام امراء جاگیرداروں اور منصب داروں و جمعداروں نے نذریں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی پونے چھ بجے تک یہ دربار منعقد رہا۔ اور پھر برخاست ہوا۔

یمین السلطنت کی عزت افزائی

قبل اسکے کہ جلوس مبارک کی سواری روانہ ہو۔ اعلیحضرت نے مہاراجہ بہادر کو حویلی قدیم میں جواہرات سے سرفراز فرمائے اور اسطرح اپنے عمل سے بتایا کہ حیدرآباد کا سلطان

اپنے وفادار ارکان دولت کا قدر شناس ہے

اس سند نشینی کے دربار کی تقریب پر پہلا کام بندگان عالی نے یہ کیا کہ

بارہ ہزار روپیہ سالانہ کے وظیفے جاری کئے

یہ وظیفے مستحق لوگوں کے نام پر جاری ہوئے جن میں بلا امتیاز و تفریق ہر قوم کے لوگ داخل تھے۔

سرکار مہاراجہ کو جو جواہرات اس تقریب پر دئے گئے انکی تفصیل یہ ہے۔

ایک کنٹھا مروارید، ایک انگوٹھی طلائی، ایک خنجر طلائی مرصع کار۔ دو انگشتری جواہر نگار اس دار و دہش کے بعد یہ جلوس اور دربار ختم ہوا۔

طاعون کا اشتداد اور رعایا میں پریشانی

اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم جب سیر آرائے دولت آصفیہ ہوئے تو طاعون کی وارداتیں شروع تھیں چنانچہ ۲۷ اگست ۱۹۱۱ء سے محلہ نام پلی میں اسکا حملہ شروع ہوا حکومت کی طرف سے انسدادی کارروائی فوراً شروع ہوگئی۔ اور جو انتظامات علاقہ انگریزی میں اس وبا کے روکنے کے لئے بطور حفظ ماتقدم ضروری سمجھے گئے تھے وہی یہاں بھی اختیار کئے گئے اور جسطرح انگریزی علاقہ میں لوگ اپنی جہالت اور قدیم رسم ورواج کی پابندیوں کی وجہ سے ان انتظامات سے متنفر تھے یہاں بھی وہی حالت تھی۔ طاعون ترقی کر رہا تھا کہ اعلیحضرت مرحوم کی وفات کا واقعہ پیش آگیا اور نئے سلطان کو اپنی رعایا کے بچانے کا فکر دامنگیر ہونا قدرتی امر تھا۔ چنانچہ ۹ ستمبر ۱۹۱۱ء کو مسٹر جے۔ ٹی براکمین ناظم طبابت کو انتظام طاعون کے لئے پلیگ کمشنر مقرر کیا اور انہوں نے انسدادی تدابیر یعنی سگریگیشن کیمپ قائم کرنے اور متاثرہ رقبہ کے گھروں کو خالی کرانا شروع کیا۔ اور یہ تجویز پرانے رسم ورواج کے پابند اور جہلا کو ناپسند ہوئی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اڈیکمیٹ۔ دلاور گنج اور مسلم باغ کے لوگوں نے انتظام طاعون کے خلاف بلوہ کر دیا۔ اعلیحضرت مرحوم کی وفات پر ابھی چند ہی روز گذرے تھے۔ آصفجاہ ہفتم اپنے سوگوار دل کو اطمینان بھی نہ دے سکے تھے رعایا کی اس مصیبت کا احساس تو تھا ہی اس پر اسکی اس قسم کی حرکات نے سخت صدمہ دیا مگر ایسے ہی مواقع پر استقلال وہمت کا اظہار ہوتا ہے۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۱۱ء کو دن کے گیارہ بجے لودہے واڑی اور دہول پیٹھ کے لودہوں نے انتظام طاعون سے ناراض ہوکر بلوہ کر دیا اور چار ہزار کے قریب آدمیوں کا مجمع اکٹھا ہوکر کنگ کوٹھی کو فریاد لیکر چلا گیا ایسے جوش اور ہیجان کے وقت جو کچھ بھی نتائج پیدا ہوں وہ ممکن ہیں پنجاب کے مختلف مقامات پر خطرناک فساد انہیں انتظامات کے سلسلہ میں ہوچکے۔ لیکن اس جوان بخت کے اقبال اور اس کے استقلال کو دیکھو کہ یہ مجمع کنگ کوٹھی کی طرف بڑھا۔ آپ نے کسی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا بلکہ رعایا کی تسلی کے سامان کیئے۔ اور حوصلہ اور شجاعت سے انتظام کو قائم رکھا۔ کسی قسم کی بدنظمی پیدا نہیں ہونے دی رفتہ رفتہ لوگ اس انتظام کی خوبیوں سے واقف ہونے لگے اور عملہ انتظام کو بھی آسانیاں میسر آنے لگیں یہ ایسا نازک وقت تھا کہ اگر حکمت ودانش سے

کام نہ لیا جاتا تو نہ صرف حکومت کے وقار کو صدمہ پہونچتا بلکہ ممکن تھا کشت و خون تک نوبت پہونچ جاتی میں تو سمجھتا ہوں اعلیحضرت کے لئے یہ

پہلا امتحانی پرچہ تھا جس میں عمدگی سے کامیاب ہوئے

انسداد طاعون کے لئے کیا انتظامات کئے گئے اسوقت اس بحث میں نہیں جاتا اس واقعہ کو ترتیب واقعات کے زیر نظر درج کر دیا گیا ہے اور اس خیال سے کہ یہ اعلیحضرت کی ہمت بلند اور تدبیر صحیح کو ظاہر کرتا ہے

بہ حیثیت بادشاہ رزیڈنسی میں ورود

سریر آرائے دولت آصفیہ ہونے کے بعد پہلی مرتبہ آپ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۱ء کو رزیڈنٹ کی ملاقات کے لئے رزیڈنسی تشریف لے گئے۔ شنبہ کا دن تھا۔ ۵ بجے آپ بسواری موٹر کنگ کوٹھی سے روانہ ہوئے رزیڈنسی میں سلطان دکن کی شان کے موافق استقبال ہوا۔ رزیڈنٹ صاحب سے بے تکلفانہ اور دوستانہ ملاقات ہوئی ایک گھنٹہ تک اعلیحضرت رزیڈنسی میں قیام فرما رہے اور پھر واپسی عمل میں آئی۔ کرنل پیتے کو اعلیحضرت کے ساتھ خصوصیت سے محبت تھی اور اعلیحضرت بھی ہمیشہ ان سے خوش رہے۔

پہلا جمعہ | سلطان دکن ہونے کے بعد جمعہ کی نماز کے لئے آپ ۲۸ رمضان ۱۳۲۹ھ کو مکہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ جمعۃ الوداع تھا اور اس خبر نے کہ اعلیحضرت مکہ مسجد میں نماز کے لئے تشریف لائیں گے بے انتہا مخلوق کو جمع کر دیا تھا۔ اعلیحضرت حسب معمول سادگی کے ساتھ اخلاص سے خدا کے گھر میں داخل ہوئے اور بادشاہوں کے بادشاہ کے حضور

نذر عقیدت پیش کی

عید الفطر کا پہلا دربار | باپ کی وفات اور اورنگ نشینی دولت آصفیہ ہونے کے بعد پہلی عید آئی۔ رنج و راحت کے متضاد جذبات کے ہجوم میں چو محلہ میں یکم شوال بروز شنبہ رات کو بغلائی دربار منعقد ہوا۔ اس تقریب پر عمائد و اراکین کے علاوہ وہ تمام لوگ موجود رہتے

تبلیغہ اس تقریب پہ

اپنے بادشاہ کے حضور نذریں پیش کرتے ہیں

اعلیحضرت کنگ کوٹھی سے روانہ ہوکر دس بجے دربار میں رونق افروز ہوئے۔ اور دربار کے قدیم طریق کے موافق سلسلہ نذور شروع ہوا۔ اس تقریب پہ سر یمین السلطنتہ بہادر کو انکی خدمات کے اعتراف کے طور پر سلطان دکن کی طرف سے جواہرات سرفراز ہوئے۔ جنکی تعداد نو تھی۔ وسط شوال میں بھی ایک انگشتری سرفراز ہوئی۔ یہ دربار رات کے ۱۲ بجے تک جاری رہا اور بارہ بجے برخاست ہوا۔

وائسرائے ہند کی آمد | اسوقت لارڈ ہارڈنگ ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل تھے اعلیحضرت مرحوم کی وفات پر انہوں نے نہایت ہمدردی سے تعزیت کا تار روانہ کیا تھا۔ اور وہ خود بھی جلد آنے والے تھے چنانچہ ۲۲ شوال ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء بروز دوشنبہ سوا آٹھ بجے صبح کے وائسرائے کی اسپشل حیدرآباد پہونچی۔ اعلیحضرت نے پہلی مرتبہ بحیثیت سلطان دکن سلطنت دولت برطانیہ کے نائب السلطنت کو اپنے دارالخلافہ میں خیر مقدم کہا۔ دستور کے موافق وائسرائے بہادر کا استقبال ہوا۔ توپوں کی سلامی ہوئی۔ گارڈ آف آنر نے سلامی دی۔ جو پروگرام اس تقریب کے متعلق قبل از وقت رزیڈنسی کے مشورہ سے طے ہوچکا تھا۔ اور ۱۴ شوال ۱۳۲۹ھ کے جریدہ اعلامیہ میں پھر بترمیم ۱۷ شوال ۱۳۲۹ھ شایع ہوچکا تہا۔ اسپر پورا عمل ہوا بجز اس کے کہ روانگی ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۱ء بروز چہارشنبہ شب کو مقرر تھی لیکن دوسرے روز ۱۹ اکتوبر کی شبکو گیارہ بجے ہوئی اسطرح وائسرائے بہادر نے ایک روز زاید قیام فرمایا۔ وائسرائے بہادر کا قیام رزیڈنسی میں تہا۔ اعلیحضرت کی ملاقات سے وائسرائے کو طبعی طور پر بہت خوشی ہوئی اور انہوں نے نوجوان سلطان دکن میں قابلیت کے تمام صفات کو نمایاں دیکھا۔ اور اعلیحضرت کو بھی سب سے پہلا موقعہ ملا کہ آپ برطانی سلطنت کے نمایندے کو اپنے دارالخلافہ میں اپنے مہمان عزیز کی حیثیت میں قریب سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

گلبرگہ کو روانگی | ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ کو گلبرگہ شریف کے عرس میں شمولیت کے لئے بندگانعالی معہ محلات شاہی شام کے ساڑھے چھ بجے بذریعہ اسپشل ٹرین روانہ ہوئے اس سفر میں آپکے اسٹاف کے علاوہ سپہ سالار سلطنت بھی ہمرکاب تھے۔ گلبرگہ میں بھی آپ بادشاہ ہونے کے بعد پہلی مرتبہ تشریف لیجارہے تھے۔ مگر آپ کے اس سفر کی غرض محض گلبرگہ کی خاک میں سونے والے اللہ کے ولی کے حضور

اظہار اخلاص تھا

گلبرگہ کی رعایا تو اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتی تھی کہ ممالک محروسہ میں سے سب سے پہلے انکا بادشاہ انکے گھر میں آیا اور وہ خوشی سے یہ شعر پڑھتے تھے۔

وہ آئیں ہمارے گھر میں خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اعلیحضرت کو دربار گلبرگہ سے ہمیشہ سے عقیدت و اخلاص ہے اور علی العموم آپ عرس پر تشریف لیجاتے ہیں۔

دربار قیصری کی شمولیت | اعلیحضرت مرحوم کی وفات کے بعد ہمارا آپکی مصروفیت روایتی اور آئینی درباروں اور تقریبوں کی صورت میں رہی اور ابھی ایک بہت بڑی مصروفیت آپکے لئے اس سال کے ختم ہونے سے پہلے باقی تھی۔ اور یہ

ملک معظم کے دربار دہلی میں شمولیت تھی

اس دربار میں شریک ہونے کے لئے اعلیحضرت مرحوم تیاریاں کر رہے تھے لیکن کون کہہ سکتا تھا کہ دربار قیصری میں شمولیت کے لئے کس کے نام قرعہ پڑیگا۔ اعلیحضرت مرحوم زندہ ہوتے تو ہونے والا سلطان بحیثیت ولیعہد اس دربار میں شریک ہوتا مگر مشیت ایزدی نے یہی مقدر کیا تھا کہ وہ اس دربار میں

بحیثیت سلطان دکن شریک ہوں

آپکے اس سفر کا پروگرام ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۳ اردی ۱۳۲۰ف جریدہ میں

شایع کیا گیا جسکے رو سے غرہ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو روانگی اور ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو مراجعت مقرر ہو چکی تھی اور اسطرح عید الضحیٰ آپ بلدہ میں نہیں بلکہ دہلی میں کرنے والے تھے۔ یہ دہلی دربار ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ہونے والا تھا جس میں خود ملک معظم قیصر ہند جارج پنجم معہ ملکہ معظمہ تشریف لاکر تاجپوشی کے دربار کو رونق دینے والے تھے اس تقریب پر اعلیحضرت خود تو بہ نفس نفیس دہلی تشریف لیجا رہے تھے مگر حیدرآباد میں بھی اس تقریب پر اظہار مسرت کا پورا اہتمام فرمایا گیا اور اس کے لئے آپ نے روانگی سے پیشتر ایک جریدہ غیر معمولی میں یہ اعلان فرمایا:

خلاصہ جریدہ مورخہ ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کہ اس مسرت بار موقع پر ممالک محروسہ سرکار عالی کے تمام دفاتر کو ۷ دسمبر ۱۹۱۱ء م ۳ بہمن ۱۳۲۱ف روز پنجشنبہ سے ۱۳ دسمبر ۱۹۱۱ء م ۹ بہمن ۱۳۲۱ف روز سہ شنبہ تک جملہ دفاتر کو تعطیل دی جاوے منجملہ ان ایام کے ۷ و ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء یعنی ۳ و ۸ بہمن ۱۳۲۱ف کو دفاتر سرکاری بالکل بند رہیں گے اور بقیہ ایام مشروطی تعطیل کے ہونگے کہ ضروری سرکاری کام جاری رہے اور بغرض ادائی رسم تاجپوشی دس ہزار روپیہ کی منظوری دی گئی جسکے انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس کے ارکان ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب رائے بالمکند صاحب اور مسٹر ویکفیلڈ مقرر ہوئے۔ اس رقم سے طلباء مدارس کو شیرنی اور مساکین کو کھانا کھلایا گیا حسب قرارداد شاہی اعلان پڑھا گیا۔ بعد مغرب روشنی ہوئی ۱۰۱ توپوں کی سلامی سر ہوئی۔ الغرض پروگرام مقررہ و مشتہرہ کے موافق یکم ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بروز پنجشنبہ موکب ہمایونی بغرض شرکت دربار قیصری ساڑھے چار بجے دن کے بذریعہ اسپشل ٹرین روانہ ہوا۔ سلطان دکن کا بہ حیثیت سلطان یہ پہلا سفر تھا حیدرآباد سے روانگی پبلک تھی اسلئے بہت بڑا اژدہام رعایائے آصفی کا آپ کو خدا حافظ کہنے کے لئے موجود تھا۔ اس سفر میں خاندان شاہی کے بہت سے افراد ہمراہ تھے۔ اعلیحضرت کے محلات کے علاوہ بیگمات شاہی حضرتہ بیگم صاحبہ والدہ ماجدہ حضرتہ دادی صاحبہ قبلہ صاحبزادگان بلند اقبال برادران گرامی قدر لیڈی وقار الامراء بہادر اور انکی صاحبزادی اور

نواسیاں بھی اس سفر میں ہمرکاب تھے۔ جیسا کہ پروگرام میں مشتہر ہوچکا تھا ٹھیک وقت پر ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بروز سہ شنبہ دن کو ۵ منٹ کم ۱۲ بجے موکب ہمایونی

فائز دہلی ہوا

اسٹیشن پر رزیڈنٹ حیدرآباد اور فارن آفس کے عہدہ داروں اور امرائے حیدرآباد نے جو پہلے سے پہونچ چکے تھے شاندار استقبال کیا اسٹیشن پر

یوروپین گارڈ آف آنر موجود تھا

حسب دستور مراسم شاہی آپ کے ورود دہلی پر ۲۱ ضرب التواپ کی سلامی سر ہوئی اس موقع پر دہلی تو عروس البلاد بنا ہوا تھا۔ اعلیٰحضرت کے فروکش ہونے کے لئے

جہانگیر مینشن

میں انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ حضور اسٹیشن سے اتر کر سواری موٹر فرودگاہ کو تشریف لیگئے۔ دربار دہلی اور قیام دہلی کے واقعات اور حالات کو میں یہاں بیان نہیں کرونگا اسلئے کہ مستقل تصانیف اس خصوص میں شایع ہوچکی ہیں۔ یہ ایام نہایت مصروفیت کے تھے اس موقعہ پر تمام والیان ریاست جمع تھے اور ملک کے تمام حصوں سے ممتاز اور سربرآوردہ لوگ آئے تھے اور اہل حاجات۔ صناع۔ تاجر و سوداگر بھی بکثرت آئے ہوئے تھے۔ اعلیٰحضرت کے حضور سے بھی ہر شخص نے

اپنی قسمت کے موافق حصہ لیا

ملک معظم سے غیر رسمی ملاقات | ۱۰ ار دسمبر ۱۹۱۱ء کو بروز شنبہ اعلیٰحضرت حسب دعوت پولو کے میدان میں تشریف لے گئے تھے جہاں ملک معظم قیصر ہند بہ نفس نفیس موجود تھے اعلیٰحضرت کے پہونچنے پر ملک معظم نے نہایت گرم جوشی محبت اور اخلاص سے سلطان دکن کو خیر مقدم کہا اور اسطرح نہایت بے تکلفی سے قیصر ہند اور سلطان دکن میں ذاتی اور محبت آمیز ملاقات نے

عہد دوستی کو استوار کردیا

عطائے خطاب | ۱۴؍ دسمبر ۱۹۱۱ء کو بہ تقریب دربار تاجپوشی ملک معظم نے اعلیحضرت کو جی سی ایس۔ آئی (گرانڈ کمانڈر آف دی اسٹار آف انڈیا) کا خطاب دیا۔

واپسی حیدرآباد | غرض ۲۴؍ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ تک اعلیحضرت بے انتہا مصروف رہے اور آخر دہلی سے واپسی کا دن آپہونچا یعنی ۲۵؍ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بروز یکشنبہ دہلی کی درباری مصروفیتوں سے فارغ ہوکر آپ نے حیدرآباد کو مراجعت فرمائی۔ واپسی کیوقت بھی حکومت کی طرف سے مشایعت کیلئے سرکاری عہدہ دار موجود تھے۔ اسطرح یہ سفر بخیر و خوبی سے ختم ہوا اور پروگرام کے موافق ۲۹؍ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو دن کے دو بجکر پچاس منٹ پر آپکا اسپیشل وارد بلدہ ہوا۔ اس موقعہ پر رعایائے آصفی نے اظہار عقیدت کیا۔ نظام کالج کے قریب کنگ کوٹھی کے راستہ میں

ایک شاندار کمان تیار کی گئی تھی

جس میں سے سلطان دکن کی سواری گذری اور رعایا کے اخلاص و محبت کا ایک گہرا نقش آپ کے دل پہ چھوڑا۔

اسطرح آپ کے عہد سلطنت کے پہلے چار مہینے اس قسم کی غیر معمولی مصروفیتوں میں بسر ہوئے

عطایائے سلطانی

اس چار مہینے کے عرصہ میں آپ کو بہت کچھ داد و دہش کا موقعہ ملا۔ اسلئے کہ سفر و تقاریب پیدا ہوتی چلی گئیں خصوصاً دہلی کے سفر میں بہت سے حاجت مند حاضر ہوتے رہے اور جسکی قسمت میں جو تھا پاتا رہا۔ اس قسم کے عطایا کی تفصیل ممکن نہیں مگر میں بعض خاص رقوم کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں یعنی حج بدل کے لئے آپنے پانچ ہزار روپیہ عنایت فرمایا اور آخر ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ کو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے لئے پانچ لاکھ کا گران قدر عطیہ دیا۔ ان دونوں باتوں کا ذکر میں نے اسلئے ضروری سمجھا کہ پہلی چیز شعائر اسلام کے احترام کو ظاہر کرتی ہے آپ امور سلطنت کی نگہداشت کیوجہ سے حج کو نہیں جاسکتے تھے اسلئے

حج بدل کا اہتمام فرمایا

گو حج کیلئے جانے کا خیال آپ کو ہمیشہ رہا ہے اور اب بھی ہے بلکہ بہت ممکن تھا اگر یہ سلسلہ جنگ عظیمی کی

تاریخون میں تبدیلی نہ ہوتی تو اس سال

حج کو تشریف لیجاتے

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کا عطیہ آپ کی علم نوازی کا مظہر ہے اور یہ مبارک فال تھا کہ آپ نے تخت نشین ہونے کے بعد پہلے جو کام کئے ہیں وہ مذہب کی عظمت اور علوم کی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

قدر دانی عہدہ داران | پھر اس عرصہ میں بعض عہدہ داران دولت آصفیہ کی خصوصیت سے آپنے قدر فرمائی۔ یمین السلطنتہ سر مہاراجہ بہادر کو چار مرتبہ جواہر سرفراز ہوئے۔ بہ تقریب جلوس۔ بہ تقریب دربار عید الفطر۔ وسط شوال اور ماہ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ میں اور نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام پیشی مبارک کو ایک جواہر نگار انگشتری عطا ہوئی۔

راجہ فتح نواز ونت راجہ مرلی دہر بہادر صدر المہام صرف خاص و مال کو اوایل ماہ شوال ۱۳۲۹ھ کو ایک جواہر انگشتری سرفراز ہوئی۔

مرزا عبد الرحیم بیگ صاحب کو آخر ماہ ذی قعدہ میں ایک تلوار عطا ہوئی۔ اور نواب فصاحت جنگ بہادر کو اوایل شوال ۱۳۲۹ھ میں ایک جواہر کی انگشتری اور ایک تلوار عطا ہوئی۔ اس داد و دہش اور ان مصروفیتوں میں اعلیحضرت نے ۱۳۲۹ھ کو ختم فرمایا۔ میں اسے آپکی تخت نشینی کا پہلا سال قرار دونگا گو یہ چار ہی مہینے ہیں۔ اسلئے کہ واقعات کی ترتیب میں آسانی رہے۔

پائیگاہوں کی انتظامی اصلاحات

امرائے پائیگاہ کا دولت آصفیہ میں بہت بڑا اعزاز و امتیاز رہا ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ امرائے پائیگاہ نے دولت آصفیہ کی تعمیر میں بہت بڑی قربانیاں کی ہے اور دولت آصفیہ نے بھی اس خاندان کو یہ عزت و رفعت دی کہ انہیں شاہی خاندان کیساتھ تعلقات صہری کا امتیاز بخشا۔ مجھے یہاں پائیگاہ کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ پائیگاہ جاگیرات دولت آصفیہ میں بہت بڑی ممتاز جاگیرات تھیں اور ہیں۔ لیکن شاہی عواطف اور اکرام کے سبب سے امرائے پائیگاہ نے اپنی

اسٹیٹس کے انتظام کو کلیتہً اپنے عہدہ داروں کے سپرد کر رکھا تھا جسکی وجہ سے بعض انتظامی اصلاحات کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ میں لکھ چکا ہوں کہ اعلیحضرت اپنے ایام ولیعہدی میں تمام حکومت کے نظام کا نہایت غور سے مطالعہ کر رہے تھے اور آپ کے سامنے

اصلاحات کا بہت بڑا کام تھا

جاگیرات کی اصلاحی اسکیم میں آپ نے سب سے پہلے پائیگاہوں پر توجہ کی۔ ۱۹۱۱ء یا سال جلوس کے پہلے سال کے واقعات میں پائیگاہوں کی اصلاح کے سوال کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ پائیگاہ کے امرا کی پوزیشن ایسی تھی کہ خاندان آصفی کے ساتھ رشتہ کے تعلقات کی وجہ سے سلاطین آصفیہ بھی انکے معاملات میں دخل دینا کچھ پسند نہ فرماتے تھے دوسری طرف یہ چشم پوشی حالات میں اصلاح کی مزید ضرورت کا احساس پیدا کر رہی تھی۔

اعلیحضرت میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ نے تمام حالات پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ

اصلاحات کے بغیر چارہ نہیں

چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر اعلیحضرت نے ۲۹ رشوال المکرم ۱۳۲۹ھ م ۲۳ راکتوبر ۱۹۱۱ء ایک فرمان جاری فرمایا۔ یہ فرمان سر برائن ایجرٹن کے نام تھا جس میں اسکے انسپکٹر جنرل پائیگاہ کی حیثیت سے تقرر کا ذکر تھا اور اسکے دائرہ عمل کی تفصیل تھی۔

اعلیحضرت کے تخت نشین ہونیکے ایام میں سر برائن ایجرٹن (جو اسوقت تک سر نہوئے تھے) ۶ ماہ کی رخصت پر ولایت گئے ہوئے تھے اور وہ ابھی رخصت سے اوائل اکتوبر میں واپس ہوئے تھے۔ اعلیحضرت کا یہ اقدام معمولی نہ تھا۔ ابھی آپ کو تخت نشین ہوئے دو ماہ بھی نہ گذرے تھے۔ سر برائن ایجرٹن کے تقرر کے متعلق جریدہ کی اشاعت نے قدرتی طور پر امرائے پائیگاہ کے ساکن سمندر میں ایک لہر پیدا کر دی۔ اور انہیں اپنی حالت کا احساس ہوا۔

اعلیحضرت کا مقصد پائیگاہوں کی حالت کی اصلاح تھی۔ اور یہ تجویز آپ نے نہیں کی تھی بلکہ اعلیحضرت مرحوم کے زیر نظر تھی اور اگر آپ کی زندگی وفا کرتی تو آپ اسپر عمل کرتے البتہ

اعلیحضرت مرحوم کی تجویز کا آصفجاہ ہفتم نے عملی پہلو بدل دیا مرحوم یہ چاہتے تھے کہ یہ کام ایک کمیٹی کے ذریعہ ہو مگر آصفجاہ ہفتم نے سمجھا اور خوب سمجھا کہ کمیٹیوں کے کام میں غیر ضروری تعویق ہوتی ہے کبھی انکا قورم نہیں ہوتا اور کبھی اسکے ممبر اپنے اصل فرایض منصبی کیوجہ سے فارغ نہیں ہوتے اسلئے آپ نے ایک ذمہ دار شخص کو مخصوص کردیا چنانچہ اعلیحضرت نے اس خصوص میں جو فرمان سر برائن ایگرٹن کے نام جاری فرمایا اس میں لکھا کہ

"آپ کے سپرد جو کام میں نے اب کیا ہے وہی کام صرف خاص کے عہدہ داروں کی ایک کمیٹی سے لینے کی تجویز حضرت غفرانمکان علیہ الرحمۃ نے کی تھی یہ تجویز جاری نہ ہوئی تھی کہ انکا انتقال ہوگیا۔

اب میں وہی تجویز فقط اس قدر ترمیم سے جاری کرتا ہوں کہ کمیٹی کے تقرر کے عوض آپ کو بہ حیثیت انسپکٹر جنرل پائیگاہ مقرر کیا کیونکہ مجھے مناسب پایا گیا یہ کام متعدد عہدہ داروں کی کمیٹی سے بہتر ایک ہی آدمی جلد اور اچھا کرسکتا ہے اور چونکہ میں آپکو ایک عرصہ دراز سے بخوبی جانتا ہوں۔ لہذا مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے کہ آپ اس اہم کام کو قابل تحسین طور سے انجام دیں گے۔"

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ اصلاحات کے لئے جب قدم اٹھایا جاوے تو ایسی تحریک اور تجویز کو خوش آمدید کہنے والے بہت کم ہوتے ہیں پائیگاہ کے عہدہ داروں اور والیان پائیگاہ میں اس جدید نظام سے ایک قسم کی حرکت کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ اس اصلاحی اقدام کے متعلق مختلف قسم کی رائیں اور تبصرے ہونے لگے۔ ابتداءً اعلیحضرت کا خیال یہی تھا کہ موجودہ حالت دریافت کرکے آئندہ کے لئے ایک بہترین نظام عمل تجویز کیا جاوے لیکن جب سر برائن نے اپنی تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا تو بعض اندرونی پیچیدگیاں پیدا ہونے لگیں اور بعض نقائص کی اہمیت نمایاں ہونے لگیں جس پر پائیگاہوں کا انتظام کلی طور پر سر برائن ایگرٹن کے سپرد کردیا گیا۔ اور اسطرح

والیان پائیگاہ کے اختیارات لے لئے گئے

یہ ایک وقتی انتظام تھا انکو محروم کرنا مقصود نہ تھا اصلاح مدنظر تھی۔ اس انتظام جدید
ماتحت سر برائن ایجرٹن کا لقب بھی "کنٹرولر جنرل پائیگاہ" مقرر ہوا۔ اور اسطرح کچھ عرصہ کے لیئے
سر برائن ایجرٹن ہی عملی صور پر پائیگاہ نوبل بن گئے اصل پائیگاہ نوبلز کو جو کچھ ملتا تھا وہ جاری رہا
پائیگاہوں کی اصلاحی اسکیم کا سلسلہ بہت مبا ہوگیا یہانتک کہ یہ سلسلہ ۱۳۴۸ھ تک چلا گیا جبکہ
پائیگاہیں اصل والیان پائیگاہ کے سپرد کردی گئیں بجز سر وقار الامرا مرحوم کی پائیگاہ کے کہ اسکا نامزد
والی نواب سلطان الملک بہادر دماغی عوارض کیوجہ سے اس قابل نہیں سمجھے گئے کہ وہ اپنے
فرائض کو سر انجام دے سکیں۔ اٹھارہ سال کے اس عرصہ میں متعدد کمیشن ہائے کا تقرر ہوا۔ جو
کبھی پائیگاہ اور صرف خاص کے باہمی تنازعات یا مطالبات کے طے کرنے کے لئے ہوئے اور کبھی
پائیگاہوں کے اندرونی تنازعات کے تصفیہ کے لئے ان کمیشنوں کے تقرر پر پائیگاہوں اور صرف خاص
کی ایک کثیر رقم خرچ آئی جو حفاظت حقوق کے لئے قانونی مشیروں اور پیروکاروں کو دینی پڑی۔
ابتداءً ان کمیشنوں کے تقرر میں اعلیحضرت کی حکومت ہی کے عہدہ داروں کا عنصر تھا لیکن بعد میں
اعلیحضرت نے یہ مناسب سمجھا کہ اغراض انصاف کے لئے بعض باہر کے قابل اور ممتاز آدمیوں کو جو اپنی
قانونی حیثیت اور علمی امتیاز سے ممتاز ہوں شریک کمیشن کیا جاوے چنانچہ گلانسی کمیشن میں لکھنؤ سے
مولوی نبی اللہ صاحب مرحوم مشہور ایڈوکیٹ اور جسٹس طیب جی کو شریک کیا گیا اور بالآخر ریلی کمیشن
میں جسٹس ریلی جج ہائیکورٹ مدراس کو صدر الصدور اور رائے مرلی دہر صدر المہام صرف خاص کے
ساتھ شریک کیا۔ جسٹس ریلی کا تقرر بمشورہ گورنمنٹ آف انڈیا ہوا تھا اور انہیں اس کمیشن میں صدر
کی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ جو فرمان مبارک اس خصوص میں ۲۹ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ کو شرف صدور
لایا اس میں تحریر فرمایا کہ۔

"چونکہ ہر سہ پائیگاہ کا تصفیہ میرے پیش نظر ہے اور حقوق کا بین الورثہ اطمینان بخش طریقہ پر
تصفیہ ہونا ضروری ہے لہذا اس غرض سے میں نے ایک کمیشن سہ اراکین کا مقرر کیا ہے جس میں
مسٹر جسٹس ریلی جج مدراس ہائیکورٹ بہ حیثیت پریسیڈنٹ شریک رہیں گے (جن کا تقرر بہ مشورہ

گورنمنٹ آف انڈیا ہوا)   "اس کمیشن کا تقرر آخری تھا کیونکہ اسکی رپورٹ کے بعد اعلیحضرت نے
وہ مشہور اور تاریخی جریدہ شایع کیا جو

پائیگاہوں کے متعلق قول فیصل ہے

تاریخی جریدہ میں اسلئے کہتا ہوں کہ اسکو بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے اور اس لئے
بھی کہ دولت آصفیہ میں آجتک اتنا بڑا جریدہ جو اپنی تفاصل اور احکام کی نوعیت کے لحاظ سے
معہ اپنے ضمیمہ توضیحی کے ایک جزو سے کم نہیں۔ انہیں کمیشنوں کے سلسلہ میں ہندوستان کے
مایہ ناز قانون دان بھی ایک یا دوسری جانب سے حصہ لیتے رہے چنانچہ سر راش بہاری گھوش
مشہور و معروف بنگالی قانون دان بہت بڑی فیس لیکر پائیگاہ کی طرف سے پیروی کرتا رہا صرفخاص
کیطرف سے مسٹر عبداللہ یوسف علی نے پیروی کی اور ضمنی کمیشنوں میں جو پائیگاہ کے اندرونی معاملات
کے متعلق قائم رہے ہے۔ مثلاً لیڈی وقارالامرا اور پائیگاہ سر وقارالامرا کے ذہنی مطالبات کے
سلسلہ میں سر پرائن کی کمیشن اور صدر الصدور کی کمیشن میں کلکتہ کے مشہور و ممتاز بیرسٹر ارڈلی
نارٹن نے لیڈی وقارالامرا بہادر کے مطالبات کو پیش کیا اور لیڈی وقارالامرا بہادر کے خلاف
پائیگاہ کے مطالبات میں آنریبل مسٹر سید انند سہا (سابق ڈپٹی پریسیڈنٹ اسمبلی اور سابق ممبر گورنمنٹ
بہار حال ایم۔ ایل۔ سی) بیرسٹر پٹنہ نے ڈیفنس کیا اسکے ساتھ لیڈی وقارالامرا بہادر کی طرف سے
بعض دوسرے وکیل اور بیرسٹر بھی تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ حیات عثمانی کے ایڈیٹر کو بھی اس تمام
جنگ میں شریک رہنے کا موقع حاصل تھا۔

غرض

یہ جنگ برابر اٹھارہ سال تک مختلف صورتوں میں جاری رہی اور لیڈی وقارالامرا بہادر
کی ذات تک تو اب بھی جاری ہے۔ اس جنگ میں صرف خاص اور پائیگاہ اور اسکے متعلقین کا
بلا مبالغہ لاکھوں روپیہ خرچ ہوا۔ آخران تمام کمیشنوں کی رپورٹوں کو مدنظر رکھکر اعلیحضرت اصفجاہ ہفتم
نے وہ تاریخی جریدہ جاری فرمایا جسکا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں۔ اور اس پر عمل بھی ہوگیا یا اسکی تکمیل

اپنے وقت پر ہو جائیگی۔

ان تمام کمیشنوں کی تحقیقات کی بنا پر صرف خاص کا مطالبہ پانچ تعلقات کی واپسی کا چونکہ ثابت نہ ہوا اعلیحضرت نے اسے خارج قرار دیا۔ اور جن مواضعات پر صرف خاص کا حق ثابت ہوا وہ دلادے اور انتظامی اخراجات ۲ رفی روپیہ وضع کرکے انکی آمدنی کی ڈگری دیدی اسیطرح صرف خاص کے جن ایسے مواضعات کا حق ثابت ہوا وہ معہ واصلات واپس کردینے کے احکام جاری ہو گئے۔ ان کمیشنوں کی تحقیقات کے دوران میں نواب امام جنگ بہادر خورشید الملک کے دو صاحبزادوں سکندر الدین خان اور رحیم الدین خان کی طرز و روش کو رئیس وقت کی ذات کے متعلق ناقابل اطمینان پایا گیا اس خصوص میں اعلیحضرت کو ۴ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ کو ایک فرمان جاری کرنا پڑا۔ اعلیحضرت چاہتے تو تادیبی سزا کا قانونی رنگ اختیار کرتے مگر آپ نے جوش کی بجائے اپنے رحم کا اظہار فرمایا۔ یہ لوگ خاندان شاہی سے تعلقات کیوجہ سے زیادہ قابل پرسش ہو سکتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ بالآخر ختم ہوگیا اور پائیگاہوں کی واپسی عمل میں آگئی اور پائیگاہوں کے متعلقین کے گذارے اور حصص شریعت کے فیصلہ کے موافق مقرر ہو گئے۔ اس سلسلہ میں اعلیحضرت کے فرامین کا ایک مبسوط سلسلہ ہے جو پائیگاہ کی تاریخ میں مفصل درج ہو سکتا ہے میرا کام صرف واقعات کو جمع کرنا ہے انپر کرٹی سزم مقصود نہیں اسلئے پائیگاہوں کے اس اصلاحی اقدام میں کیا فروگذاشتیں ہوئیں یا انمیں کونسے پہلو مزید اصلاح اور توجہ چاہتے ہیں ان پر بحث کرنا میرے مقصد کا حصہ نہیں۔ اگرچہ پائیگاہوں کی اصلاح کا مضمون اٹھارہ سال کے لمبے عرصہ کی داستان ہے مگر میں نے اسے ایک ہی جگہ بیان کر دینا ضروری سمجھا۔

سر برائن ایجرٹن آخر اس کام کو ختم کرکے چلے گئے اعلیحضرت نے انکی خدمات کا اعتراف بذریعہ فرمان مبارک متر شدہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کیا اور انکی خدمات کے صلہ میں اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے اکیس ہزار روپیہ کا انعام دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا سر برائن کے جانے کے بعد نواب عقیل جنگ بہادر صدر المہام پائیگاہ مقرر ہوئے۔ اور اب جبکہ

پائیگاہیں واگذاشت ہو چکی ہیں اور صرف نواب سلطان الملک بہادر کی پائیگاہ کا انتظام ایک بورڈ آف ٹرسٹ کے سپرد ہے نواب عقیل جنگ بہادر اسکے صدر ہیں۔

ایک مختصر تبصرہ

واقعات کے سلسلہ میں آگے چلنے سے پیشتر میں ان حالات پر ایک مختصر سا تبصرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ظاہر ہے کہ اعلیحضرت مرحوم کی وفات کے بعد معاً آپ پر حکومت کی ذمہ داریوں کا ایک نازک اور بہت مشکل بار تھا۔ عمائد سلطنت اور اراکین دربار کی حالت بھی اعلیحضرت مرحوم کے عہد کے آخری ایام میں جس قسم کی تھی اسکا بھی کسیقدر اشارہ میں اوپر کر آیا ہوں۔ پھر بعض نہایت اہم سفر آپکے سامنے تھے اور اسی عرصہ میں ہندوستان میں انگریزی حکومت کے نائب (وائسرائے ہند) کو حیدرآباد آنے کا موقعہ ملا۔ اور طاعون کے شیوع کی وجہ اور اسکی انسدادی تدابیر میں بعض وقتوں نے شہر کے امن کو بعض اوقات خطرہ میں ڈالدینے کی دہمکی دی۔ مگر آپ نے ان تمام مشکلات اور خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور کسی موقعہ پر کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہیں کیا۔ پھر اسی سلسلہ میں پائیگاہوں کی اصلاح کا اقدام معمولی چیز نہ تھی۔ احتمال تھا کہ پائیگاہ امراشاید اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کر دیتے لیکن اعلیحضرت نے اصلاحی اقدام کرتے وقت اپنا انقطاعی فیصلہ کر لیا تھا اور چونکہ اقدام اصلاحی تھا تخریبی نہ تھا اسلئے گو مختلف قسم کے خیالات کا ادہر ادہر چرچا ہوا لیکن بالآخر سب کو معلوم ہوا کہ پائیگاہوں کی واگذاشت کے وقت قابل اطمینان حالت تھی وہ قرضوں سے نجات پا چکی تھیں اور انکے خزانہ میں ایک بیش انداز رقم موجود تھی۔ ان تمام امور پر یکجائی غور سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ آصف جاہ ہفتم اپنے عزم کا پکا۔ اور اصلاحی اقدام میں خطرات سے بے پروا اور مشکلات سے نہ گھبرانیوالا سلطان ہے اور یہی اسکی کامیابی کا راز ہے۔

یہ خصوصیت اسکی ابتک کی زندگی میں نمایاں ہے کہ جس کام کیلئے اسنے ارادہ کیا اسکی راہ میں آنیوالی مشکلات نے اسکو اپنے مقام سے ہٹنے پر مجبور نہیں کیا وہ ان مشکلات میں بھی ثابت قدم رہا چنانچہ مسئلہ برار سے بھی اسکا اندازہ بآسانی ہو جاتا ہے۔ بہر حال پائیگاہوں کے متعلق جو قدم اٹھایا تھا انہیں پیچھے نہ ہٹایا۔

دوسرا سال جلوس عثمانی

(۱۹۱۳ء کے واقعات)

۱۳۳۰ھ کے آغاز کے ساتھ ہی حضرت آصفجاہ ہفتم نے ایک مختصر سے سفر کا بجانب اورنگ آباد عزم فرمایا۔ اس سفر کے کئی وجوہ تھے اول تو اعلیحضرت مرحوم کی وفات کے بعد لگاتار تھکا دینے والی مصروفیت رہی تھی اور آپ چاہتے تھے کہ آئندہ کے پروگرام پر غور کرنے کے لئے کچھ دن باہر چلا جاؤں اور آرام کروں۔ اصل مقصد تو یہی تھا لیکن طاعون بھی شدت سے پھیل رہا تھا اسلئے طبّی مشورہ کے ماتحت نقل مکانی بھی احتیاطاً ضروری تھی دوسرے اس طریق سے رعایا کے حالات معلوم کرنیکا بالراست موقعہ ملیگا۔ ان تمام امور کے مدنظر اعلیحضرت نے معہ محلات و سرپیان السلطنۃ مہاراجہ بہادر عزم اورنگ آباد فرمایا چنانچہ ۸ محرم ۱۳۳۰ھ کو آپ کی اسپیشل ٹرین اورنگ آباد پہونچی۔ رعایائے آصفی اور عہدہ داران حکومت نظام نے اپنے نئے بادشاہ کا مخلصانہ استقبال کیا۔ ۱۰ صفر ۱۳۳۰ھ تک آپ کا قیام وہاں رہا پھر واپسی عمل میں آئی مگر یہ واپسی بھی ایک چھوٹے سے دورہ مملکت کے اغراض لئے ہوئے تھی۔ راستہ میں ایک روز منوہر آباد قیام فرمایا اور ۱۲ صفر ۱۳۳۰ھ کو آپ کی اسپیشل ٹرین بروز اتوار رات کو ۱۲ بجے قاضی پیٹھ پہونچی اور ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ تک حضور نے وہاں قیام فرمایا اور دوسری ربیع الاول بروز چہارشنبہ وہاں سے روانہ ہوئے اور سکندر آباد کے راستے سے پھر اورنگ آباد تشریف لیگئے اور ۱۴ ربیع الثانی تک وہاں قیام فرمایا اور ۱۵ ربیع الثانی بروز پنجشنبہ شام کو ۵ بجے حضور معہ محلات و حشم و خدم و مدار المہام سرکار عالی حیدرآباد تشریف لے آئے۔ اس سفر میں آپ کے قیام اورنگ آباد نے وہاں عمال اور عہدہ داروں میں ایک خاص چستی اور مصروفیت پیدا کردی۔ اعلیحضرت کو اپنی رعایا کی واقعی اور حقیقی ضرورتوں کا صحیح احساس ہوا۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ

رفتہ رفتہ دورِ اصلاحات شروع ہوگیا

دربار عید نوروز ۲۵ رجادی الثانی سنہ ۱۳۳۰ھ روز دوشنبہ شام کے ۶ بجے چومحلہ میں عید نوروز کا دربار منعقد ہوا یہ دربار نہایت پرشوکت وشان تھا اس دربار میں اعلیحضرت نے اپنے بعض امرائے اور راجہ صاحب گدوال اور راجہ صاحب ودم کنڈہ کو بیٹھنے کی اجازت دی یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا اس عزت افزائی پر انھوں نے نذر پیش کر کے اظہار تشکر کیا

چوتھا صاحبزادہ پیدا ہوا ۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ کو محل سرائے عثمانی میں چوتھے صاحبزادے کی ولادت ہوئی جنکا نام نواب میر احمد علیخان بہادر رکھا گیا اور ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ کے جریدہ غیر معمولی کے ذریعہ اس تقریب پر ایک یوم کی تعطیل ہوئی مگر افسوس ہے کہ صاحبزادہ میر احمد علیخان چھوٹی عمر میں فوت ہوگئے۔ ۱۰ رجادی الثانی سنہ ۱۳۳۳ھ کو انکا انتقال ہوا اور وہ حضرت برہنہ شاہ کی درگاہ میں مدفون ہوئے۔ اولاد کی وفات کا صدمہ ہر شخص کو ہوتا ہے۔ اعلیحضرت ان جذبات رنج والم سے خالی نہیں لیکن اسکے ساتھ ضبط وصبر کی قوتوں سے بھی بہرہ وافر ملا ہے۔

ایک سازش کا انکشاف اور عتاب سلطانی اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کی تخت نشینی جیساکہ میں شروع ہی میں لکھ آیا ہوں ایسے حالات میں ہوئی تھی کہ تمام انتظام ریاست ایک تجدید کا تقاضا کر رہا تھا۔ اوایل سنہ ۱۳۳۰ھ میں آپکے نوٹس میں ایک سازش کے جراثیم آئے جس کا راس رئیس محی الدولہ صدر الصدور ناظم امور مذہبی سمجھا گیا صدارت کا عہدہ دولت آصفیہ میں نہایت ممتاز اور واجب الاحترام منصب ہے اور لوگوں کے دلوں میں مذہبی اعمال وعقائد کا احترام اسے اپنے نمونہ اور عمل سے پیدا کرنا چاہیے لیکن محی الدولہ کی بعض کارروائیاں نہایت مشکوک اور مضرت رسان معلوم ہوئیں اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں پر پوری طرح غور کرنے کے بعد یہ مناسب سمجھا کہ پوری قوت اور مستعدی کے ساتھ اس قسم کے فتنوں کا شروع ہی میں سدباب کر دینا چاہیے چنانچہ ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ھ کو مندرجہ ذیل فرمان نافذ فرمایا

مہاراجہ مدار المہام پیشکار صاحب یمین السلطنت

اشتہا (؟) جو محی الدولہ بہادر نے حال ہی کی جبکا حملہ میری ریاست اور میرے مدار المہام کی ذات پر تھا اور جبکا ثبوت مجھے مل چکا ہے اور اسکا اعتراف بھی انہوں نے کیا ہے اس کی سزا میں محی الدولہ بہادر خدمات صدر الصدوری ناظم امور مذہبی سے معطل کئے گئے اور انکے تمام خطابات منسوخ کئے گئے آئندہ سے انکا ڈیوڑھی دربار میں آنا بھی موقوف کیا گیا۔ یہ حکم جریدہ اعلامیہ میں اطلاع کے لئے شائع کیا جاوے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو فقط

شرحِ دستخط مبارک بندگان عالی

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ جمعہ

اس اعلان اور عتاب کا مقصد محض اصلاح تھی۔ اور اسنے بہت سے فتنوں کا سدباب کر دیا۔ اہلکاروں کو بروقت تنبیہ ہو گئی اور وہ ہوشیار ہو گئے کہ انکا حکمران آنکھیں بند کر کے مصروف عشرت نہیں بلکہ وہ اپنے فرائض ملکداری کو پوری سرگرمی اور کھلی آنکھ سے سرانجام دے رہا ہے اور وہ کسی ایسے فعل یا حرکت کو کبھی معاف نہیں کریگا جو کسی پہلو سے انتظام ریاست کیلئے مضر ہو

اس واقعہ نے حیدرآباد میں احتساب عثمانی کا سکہ بٹھا دیا اور کوئی متنفس بھی ایسا نہ رہا جس میں احتیاط اور سلامت روی کی روح نہ پیدا ہو گئی ہو۔ لوگوں پر اسبات کا بھی بڑا اثر ہوا کہ اعلیٰحضرت کے وسایل وخبر رسانی نہایت زبردست ہیں اور وہ اپنی رعایا اور عہدہ داروں کے حالات سے پورے باخبر رہتے ہیں۔ اس عتاب شاہی کا مقصد محض اصلاح تھی محی الدولہ کی ذات سے کوئی عناد نہ تھا۔ اسلئے ۱۲ رمضان ۱۳۳۱ھ کے فرمان مبارک کی روسے یادگار تخت نشینی کی تقریب پر انکا مسلوبہ خطاب انکو واپس دیدیا گیا۔ اور اسطرح عتاب شاہی اور عفو شاہی کے دونوں نمونے نمایاں ہوئے اور قدرتی طور پر رعایائے آصفی میں خوف اور امید کے جذبات پیدا ہو گئے۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا بادشاہ ایسے قصور کو کبھی نظر انداز نہیں کریگا جو امور مملکت کیلئے خطرہ کا موجب ہو۔ اور اسمیں درگذری اور خطا بخشی کا بھی بے انتہا جذبہ کارفرما ہے

مسند نشینی کی تقریب اور رعایا کا ایڈریس | مسند نشینی و سالگرہ کی تقریب پر بیوم ۲۵ و ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ بروز چہارشنبہ و ایکشنبہ جملہ دفاتر سرکار عالی میں تعطیل دی گئی اور اسکا اعلان حسب دستور جریدہ اعلامیہ مورخہ ۱۹ جمادی الثانی کیا گیا اس موقعہ پر ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ بروز چہارشنبہ رات کے ۹ بجے باغ عامہ کے ایڈریس ہال میں رعایائے آصفی نے اپنے بادشاہ کے حضور جذبات عقیدت کا اظہار بذریعہ ایک اڈریس کیا۔ اسوقت تک دربار شاہی کے انعقاد کا طریق قدیم ہی تھا اور ایسے دربار رات ہی کو ہوتے تھے شاہ دیجاہ کے برآمد ہونے میں بعض اوقات مقررہ وقت کا خیال رکھا نہیں جاتا تھا۔ اور گھنٹوں درباریوں کو انتظار کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اعلیحضرت آصفجاہ نے اس عمل کو جوکہ بعض حالات اور اسباب ہی کے ماتحت ہوتا ہے پسند نہیں فرمایا اور اپنے عمل سے

اس رسم قدیم کی اصلاح کردی

اس موقعہ پر رعایائے آصفی نے اپنے اخلاص و وفاداری کا یقین دلایا اور آصفجاہ سابع نے رعایا کی بہتری اور رفاہ عامہ کے مستقل پروگرام کا اظہار کیا دربار نہایت شان و شوکت کا تھا اور رعایا کا اخلاص و وفاداری اس سے ظاہر ہے کہ وہ رات کے دو بجے تک استقبال اور خوشی سے ہوشیار اور بیدار رہتی۔ اور تمام حیدرآباد میں اس یوم سعید کا نہایت شوق سے [illegible]

دوسرا دربار سالگرہ | ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ [illegible] اعلیحضرت کی سالگرہ [illegible] دربار [illegible] منعقد ہوا۔ [illegible]

[illegible]

نواب میر کاظم علیخان بہادر کی ولادت | ۵ رشعبان المعظم ۱۳۳۰ھ کو حرم سرائے عثمانی میں ایک اور مولود کی ولادت نے اولاد عثمانی میں اضافہ کیا۔ اس تقریب ولادت پر بذریعہ جریدہ اعلامیہ ایک یوم کی تعطیل عام ہوئی۔

اس شاہزادہ کا نام میر کاظم علیخان کاظم جاہ بہادر رکھا گیا۔ شہزادہ کاظم جاہ بہادر خدا کے فضل وکرم سے اپنی علمی ترقی میں مصروف ہیں۔ شاعرانہ مذاق رکھتے ہیں اور اشعار کہتے ہیں اور کاظم تخلص فرماتے ہیں۔ انکا کلام علی العموم سالگرہ مبارک کی تقریب پر صحایف بلدہ کی خصوصی اشاعتوں میں شایع ہوتا ہے۔ اس سال کی سالگرہ کے موقعہ پر آپ نے اعلیحضرت کی غزل پر ایک خمسہ لکھا تھا جس کا آخری بند یہ ہے۔

عرض کاظم ہے بصد عجز واداے عثمان — تم کو یہ فخر سزاوار ہے سیاے عثمان

بارک اللہ یہ ارشاد ہوا اے عثمان — بخت میرا بھی شنا ور ہے عجب اے عثمان

بیر تا جاتا ہے جو قلزم ذخار کے ساتھ

اس تقریب پر ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ کو جمعرات کے دن بوقت مغرب چو محلہ میں ایک دربار منعقد ہوا۔ اور اس موقعہ پر خاندان آصفی کی رسوم وآئین کے موافق جملہ اراکین دولت ومنصبداروں اور دوسرے لوگوں نے نذریں پیش کیں آٹھ بجے تک یہ دربار منعقد رہا۔ ولادت فرزند پر آپ نے بادشاہ ہوکر

پہلی مرتبہ دربار منعقد فرمایا اور نذروں کو قبول کیا

مسند نشینی کی تقریب کا پہلا سالانہ دربار | ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ کو بروز چہارشنبہ دن کے ساڑھے ۲ بجے آپ نے مسند نشینی کی سالگرہ کا پہلا دربار چو محلہ میں منعقد فرمایا اور دستور قدیم کے موافق اس تقریب پر بھی نذریں پیش ہوئیں اور آپ نے انکو شرف قبولیت بخشا۔

ایک اتفاق عجیب | قدرتی طور پر اس سال یہ متعدد مواقع ایسے پیش آئے کہ دودمان آصفی کی قدیم روایات کے موافق دربار منعقد ہوئے اور المنین والبستگان دولت آصفیہ نے نذریں پیش کیں۔

بدبین اور حاسد طبع لوگ جو ہر ملک اور قوم میں پائے جاتے ہیں اونہوں نے ان یار بار کی نذور کو کسی اور نظر سے دیکھا اور محل اعتراض ٹھیرایا یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس خصوص میں مخالفانہ خیالات کا خفیف سا چرچا ہوا۔

اشرفی کیس | اوایل ماہ شوال ۱۳۳۰ھ میں ریلوے پولیس نے واڑی جنکشن پر اشرفیون کے کچھ صندوق گرفتار کیے جو صاحبزادی لیاقت النساء بیگم صاحبہ بنت نواب سر وقار الامراء بہادر مرحوم بمبئی بھیج رہی تھیں اس مقدمہ نے ایک خاص دلچسپی پیدا کرلی قانونی حیثیت سے یہ مقدمہ ریلوے مجسٹریٹ علاقہ رزیڈنسی میں پیش ہوا۔ کلکتہ کے مشہور و معروف بیرسٹر مسٹر ارڈلی نارٹن اسکی پیروی کے لیے آئے پائیگاہ نواب سر وقار الامراء بہادر ان اشرفیون کو اپنی ملکیت قرار دیتی تھی مگر وہ اپنے مقدمہ کو ثابت نکر سکی اور رزیڈنسی مجسٹریٹ نے ان اشرفیون کو صاحبزادی لیاقت النساء بیگم صاحبہ کو واپس دئے جانے کا حکم دیدیا۔

انقلاب وزارت

اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کی سلطنت کے ابتدائی سال بڑے معرکہ کے سال تھے اور نہایت عظیم الشان امور پر آپ کو بڑی جرأت اور مستقل مزاجی سے فیصلہ دینا پڑا۔ پائیگاہون کے جدید انتظام کیوجہ سے جو چرچا ہو رہی تھی وہ ابھی جاری ہی تھی کہ ایک اور بڑے انقلاب کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ

انقلاب وزارت تھا

دولت آصفیہ کی وزارت عظمیٰ بجائے خود ایک تاریخی حیثیت رکھی۔ اس وقت مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت وزیر اعظم دولت آصفیہ تھے۔ انکے خلاف ایک سازش ہی کیوجہ سے نواب محی الدولہ بہادر ناظم امور مذہبی

معتوب و موقوف ہوئے

تھے مگر اب بعض حالات ایسے پیدا ہوگئے کہ اعلیحضرت نے وزارت میں تبدیلی

کو ضروری سمجھا۔ میں ان حالات اور واقعات کی تفصیل یا تبصرہ کی نہ تو ضرورت سمجھتا ہوں اور نہ
اس کتاب کا یہ موضوع ہے بلکہ مجھے اس حصہ حیات عثمانی میں صرف واقعات کو بیان کرنا ہے
خواہ میرا ذاتی زاویہ نگاہ ان کے متعلق کچھ بھی ہو۔ اور تاریخ کا ایک دور رس طالب علم واقعات
کے سلسلے سے ہی اصل اسباب اور انکے صحیح نتائج کو بآسانی سمجھ سکتا ہے غرض خواہ کچھ بھی
ہو، اعلیحضرت نے اسوقت وزارت عظمیٰ میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ ۲۵ رجب
۱۳۳۰ھ مطابق ۵ شہریور ۱۳۲۱ف کو ایک جریدہ شائع ہوا جس میں سر کشن السلطنت
مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کی سبکدوشی از خدمت مدار المہامی کا اعلان ہوا۔ اور اسی
جریدہ کے ذریعہ سے سفیرانہ تقرر

نواب سر سالار جنگ بہادر ثالث

کا خدمت مدار المہامی پر ہوا۔ سر کشن السلطنت ۱۰ ار جمادی الاول ۱۳۱۹ھ کو
عہدہ جلیلہ مدار المہامی پر فائز ہوئے تھے اور ۲۵ رجب ۱۳۳۰ھ کو مستعفی ہوئے۔
سر سالار جنگ کے خاندان میں وزارت عظمیٰ کا عود کرنا عہد عثمانی کی قدر دانی
کا ایک نمایاں اظہار تھا مگر افسوس ہے یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہا نواب یوسف علیخان
سر سالار جنگ ثالث ۱۱ محرم ۱۳۳۳ھ کو اس عہدہ سے سبکدوش ہو گئے۔ اور قریباً پانچ سال تک
آصف جاہ ہفتم نے بنفس نفیس اس ذمہ داری کے کام کو بھی سر انجام دیا اور حضرت آصفجاہ ششم
کی طرح اپنے عمل سے دکھا دیا کہ

میں دونوں کام کرنیکا اہل ہوں

اس انقلاب وزارت پر بھی دور و نزدیک مختلف قسم کی چہ میگوئیاں ہوئیں اور
اور ایک عرصہ تک مخالف و موافق خیالات کا اظہار ہوتا رہا لیکن اعلیٰ حضرت ایک کوہ وقاری
اور مستقل مزاجی کے ساتھ ان تمام امور کو دیکھتے رہے۔ آپ کے مد نظر ایک نصب العین اور
منزل مقصود تھا اور وہ ضمنی باتوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتے تھے۔ اس

انقلاب وزارت کے مسئلہ نے شاہانہ قوت و شوکت کا اظہار کر دیا جو لوگ صرف یہ سمجھتے تھے کہ حکومت کی عنان وزارت ہی کے ہاتھ میں ہے ان پر کھل گیا کہ یہ خیال لغو اور غلط ہے۔ حکومت بادشاہ ہی کی ہے اور وہ چاہے تو

ایک وزیر اعظم کو الگ کر کے دوسرے کو مقرر کر دیتا ہے

اب سر سالار جنگ ثالث وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اور سر مہاراجہ یمین السلطنت اس خدمت سے سبکدوش ہو گئے۔ نواب سالار جنگ ثالث کے سپرد قلمدان وزارت ۱۱ محرم ۱۳۳۳ھ تک رہا۔ اور پھر حالات میں تغیر ہوا۔ اور

سالار جنگ ثالث بھی سبکدوش ہو گئے

اور جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں پانچ سال تک اعلیٰحضرت خود اس کام کو کرتے رہے اور کام میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا بلکہ تھوڑے وقت میں ہوتا رہا۔ لیکن وزیر اعظم کے متعلق صرف اندرونی نظم و نسق کے معاملات نہیں ہوتے بلکہ دولت برطانیہ کے ساتھ تعلقات میں بھی اسکے فرائض منصبی کو ایک اہمیت حاصل ہے اسلئے

وزارت عظمیٰ کے سوال نے نئی صورت پیدا کر لی

جسکا ذکر میں ۱۳۳۸ھ کے واقعات میں کرونگا۔

شملہ اور بمبئی کے سفر

نواب سالار جنگ ثالث کے عہد وزارت عظمیٰ کے آغاز ہی میں اعلیٰحضرت کو سفر شملہ اور بمبئی پیش آیا۔ پہلے سفر یعنی شملہ کے سفر کے متعلق غرہ شوال ۱۳۳۰ھ کے جریدہ میں اعلان کیا گیا اور فروری ۱۹۱۲ء کی اس میں صراحت فرمائی گئی۔ اس اعلان کے موافق بندگان عالی کی سواری معہ اسٹاف بروز جمعہ رات کے گیارہ بجے شملہ کو بذریعہ اسپیشل ٹرین روانہ ہوئی۔ رزیڈنٹ حیدرآباد آنریبل مسٹر پن صاحب بھی اس سفر میں اعلیٰحضرت کے ہمرکاب تھے اس سفر کا مقصد وائسرائے ہندلارڈ ہارڈنگ سے ملاقات تھی۔ لارڈ ہارڈنگ نے حیدرآباد میں اعلیٰحضرت مرحوم کا پرسہ اور آصفجاہ ہفتم کو

مسند نشینی کی مبارکباد دینے کے لئے ۲۲ رشوال ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۹۱۱ء حیدرآباد آچکے تھے۔ اس لئے یہ سفر قدرتی طور پر اس سلسلہ کی ایک زنجیر تھا۔ اور رسمی حیثیت سے ایک ملاقات بازدید اور اظہار شکریہ کی نوعیت رکھتا تھا لیکن ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے والی ریاست اور دولت برطانیہ کے نائب ہند کی ملاقات میں بہت سے سیاسی امور بھی غیر رسمی طور پر طے ہوجایا کرتے ہیں۔ قطع نظر سفر کے اغراض و مقاصد کے بہ سلسلہ واقعات و حالات یہ سفر شملہ رزیڈنٹ صاحب کی معیت میں ہوا۔ روانگی حیدرآباد سے بالکل پرائیویٹ تھی رات کی خاموشی میں ٹرین روانہ ہوئی۔ شملہ پر حکومت کی طرف سے مقررہ قواعد کے موافق آپ کا استقبال ہوا۔ اور ملاقات سے فارغ ہوکر اعلیحضرت نے زیادہ دیر تک شملہ کا قیام پسند نہ فرمایا اور پروگرام مقررہ کے موافق ۱۱ر شوال کو بندگانعالی کی اسپیشل بروز دوشنبہ صبح کے ساڑھے چار بجے حیدرآباد پہونچی یہ داخلہ بھی پرائیویٹ تھا تاہم عہدہ داران اور ارکان دولت اپنے بادشاہ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ رزیڈنٹ صاحب اپنے منصبی فرایض کے سلسلہ میں کچھ دنوں کے لئے وہیں قیام فرما رہے۔

حیدرآباد میں واپسی کے گیارہویں روز بعد یعنی ۲۲ر شوال ۱۳۳۰ھ کو اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے عزم بمبئی فرمایا جمعہ کا دن تھا اور رات کے گیارہ بجے معہ محلات شاہی و اسٹاف حضور اسپیشل ٹرین بمبئی کو روانہ ہوئی اس موقعہ پر بھی آپ کی روانگی پرائیویٹ تھی یہ سفر صرف بمبئی تک محدود نہ تھا بلکہ جیسا کہ جریدہ غیر معمولی مورخہ ۲۹ر آبان ۱۳۲۱ف ظاہر ہوتا ہے گلبرگہ شریف اور اجمیر شریف بھی اس سفر میں داخل تھے۔ یہ سلسلہ سفر ۲۰ر ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ تک رہا جبکہ بندگانعالی واپس فائز الحرام بلدہ ہوئے بمبئی پہونچکر آپ معہ حشم و خدم مالابارہل کے ایوان آصفی میں فروکش ہوئے اور یکم ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ تک وہاں قیام رہا اس سفر میں قیام بمبئی کے ایام میں اعلیحضرت از بس مصروف رہے۔ اس سفر کا اصل مقصد درگاہ خواجہ اجمیری کی حاضری تھی۔

بمبئی کے اس قیام نے وہاں کے پریس اور پبلک میں بڑی دلچسپی پیدا کردی اور اعلیحضرت کی تشریف آوری کے متعلق مختلف مضامین اور فوٹو اخبارات نے شایع کئے۔

مسلمانان بمبئی اپنے ایک ممتاز فرمان روا کی آمد پر بے حد نازاں تھے۔ قیام بمبئی میں اعلیحضرت کی مصروفیت بیحد تھی ان ایام میں جواہرات کے تاجروں اور دوسری اشیاء کے تاجروں کا بھی ایک جمگھٹا رہتا تھا۔

اجمیر کو روانگی

یکم ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ کو موکب ہمایونی بروز یکشنبہ رات کے ۱۲ بجے بذریعہ اسپیشل ٹرین اجمیر کو روانہ ہوا۔ اعلیحضرت کو ان بزرگان دین اور ائمہ اسلام سے ارادت اور عقیدت ہے اسلئے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال

عقیدت کے پھول چڑھانے کو حاضر ہوئے

ظاہر ہے کہ اجمیر میں کس وسیع پیمانہ پر آپ کے لئے تیاریاں اور اہتمام ہوگا۔ حکومت انگریزی کے مقامی افسران کی مصروفیت بڑھ گئی تھی اور وہ دولت برطانیہ کے یار وفادار کی آسایش و آرام اور حفاظت کے مکمل انتظام میں مصروف تھے۔ وہاں اعلیحضرت نے چالیس ہزار روپیہ تقریباً نیازات میں صرف کیا اور دوسرے مصارف خیر میں بھی کچھ صرف ہوا۔ درگاہ کے متوسلین بھی مالامال ہوگئے۔ ۱۳ ذیقعدہ تک آپ کا قیام وہاں رہا۔ ۱۳ کی شام کو بروز جمعہ رات کے ۱۲ بجے آپ کا اسپیشل گلبرگہ کے عزم سے روانہ ہوا

اعلیحضرت علی العموم ان سفروں میں یہ اہتمام فرماتے کہ رات کی خاموشی میں سفر شروع ہو تاکہ پبلک کے اژدہام اور ہجوم سے بچیں اور آپ جمعہ کی رات کو سفر کے لئے پسند فرماتے یعنی جمعہ کا دن گزار کر شب درمیانی جمعہ و ہفتہ غرض ۱۳ ذی قعدہ کو وہاں سے روانہ ہوئے اور ۱۵ ذیقعدہ کو گلبرگہ داخل ہوئے یہ اتوار کا دن تھا جبکہ ساڑھے پانچ بجے شام کو آپ کا اسپیشل پہونچا۔ مقامی عہدہ داران اور دوسرے ممتاز لوگوں نے رسمی استقبال کیا آپ نے اپنے اخلاص و عقیدت کے پھول

گلبرگہ کے ولی اللہ کی درگاہ پر چڑھاوے

اور اس کے بعد ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ بروز جمعہ دن کے دو بجے آپ فائز حیدرآباد ہوئے آپ کے اس سفر سے واپسی پر مسرت کی ایک لہر حیدرآباد میں حرکت کر رہی تھی اور استقبال کیلئے بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

بظاہر یہ سفر آپکا ایک دینی سفر تھا بمبئی کا سفر تو ایک ضمنی چیز تھی۔ اعلیحضرت کو اولیاء اللہ سے بہت محبت ہے۔ خصوصاً دربار گلبرگہ اور اجمیر کے ساتھ ایک خاص ارادت ہے۔ اسطرح یہ سفر بخیر و خوبی ختم ہوا۔

حویلی قدیم میں تعمیرات کا سلسلہ

حویلی قدیم کے متعلقہ محلات میں ضروری ترمیم و تعمیر کا سلسلہ جاری تھا اس کے معائنہ کیلئے آپ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ کو بسواری اسپ تشریف لے گئے اور تمام کاموں کو بہ نظر غایر معائنہ کیا اور ضروری مشورے اور اصلاحی تدبیرین افسران متعینہ تعمیرات کو دیتے رہے جس سے آپ کا مذاق آرٹ نمایاں ہوتا تھا۔

اب یہ سال ۱۳۳۰ھ کا آخری حصہ تھا اور وہ اپنی ترقیات کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے ختم ہو رہا تھا چنانچہ آخری ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ م اوایل دسمبر ۱۹۱۲ء میں اعلیٰ حضرت ملک معظم قیصر ہند کی طرف سے سلطان دکن کو برٹش افواج کا

اعزازی کرنل بنادیا گیا

اور آپ نواب کرنل میر عثمان علیخان بہادر بالقابہ کے نام سے موسوم ہوئے۔

چھٹے فرزند کی ولادت | اسی سال ۱۳۳۰ھ کی ۱۳ ذی الحجہ کو صاحبزادہ میر رضا علیخان پیدا ہوئے۔ اور بذریعہ جریدہ اعلامیہ اس تقریب پر ایک دن کی تعطیل دی گئی۔ مگر افسوس ہے کہ نواب میر رضا علیخان بہادر کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور موصوف حضرت برہنہ شاہ صاحب کی درگاہ میں دفن ہوئے اور ان کے ماتم میں بذریعہ جریدہ اعلامیہ ۱۷ محرم ۱۳۳۱ھ

ایک یوم کی تعطیل ہوئی یہی انکی تاریخ وفات ہے۔

عطا و سخا اس سال بھی دولت آصفیہ کے عماید وارکین دولت اور وفادار و مخلص خدام کی قدردانی ہوئی اور وقتاً فوقتاً انکو جواہرات اور دوسری اشیا ربطور انعام وعطا ملتی رہیں انکی تفصیل طویل ہے میں صرف ان صاحبان کے اسمائے گرامی ہی کو درج کر دیتا ہوں۔

سر امین السلطنت مہاراجہ بہادر[1]۔ نواب ولی الدولہ بہادر[2]۔ نواب لطف الدولہ بہادر[3]۔ نواب افسر الملک بہادر[4]۔ نواب ناصر الدولہ بہادر[5]۔ نواب عثمان یار الدولہ بہادر[6]۔ خان بہادر نزل خان صاحب سابق کوتوال و ناظم کروڑگیری[7]۔ نواب عزیز الدولہ صاحب بہادر[8]۔ ڈاکٹر نواب شاہ میر جنگ بہادر[9]۔ نواب خسرو جنگ بہادر[10]۔ بغدادی صاحب[11]۔ اور بہت سے لوگوں کو مختلف اوقات میں نوازش خسروی سے حصہ ملا۔ رفاہ عام کے کاموں اور مختلف قسم کے اداروں کے لئے یکمشت نقد رقم کے عطایا بھی دے گئے۔ چنانچہ بعض ان میں سے یہ ہیں:

(۱) مسافرخانہ کی تیاری کے لئے حضرت بنی شاہ صاحب کو ([illegible])

(۲) میموریل فنڈ ملباری کے لئے ([illegible]) پانچہزار

(۳) ریاست بہاونگر کی قحط زدہ خواتین کے لئے ([illegible])

(۴) درگاہ حضرت شاہ صوفی باباصاحب کی سرائے کی تعمیر کیلئے ([illegible])

(۵) اسٹیشن ماسٹر اورنگ آباد (صمار) اسٹیشن ماسٹر منماڑ ([illegible])

(۶) درگاہ جات اورنگ آباد۔ ([illegible])

(۷) حیدرآباد کی فری میسن سوسائٹی کو ([illegible])

(۸) سکندرآباد کی ریس گراونڈ کے لئے ([illegible])

(۹) مجاورین اجمیر شریف کو غربا کو کھانا کھلانے کے لئے ([illegible])

اور دو مرتبہ خود مجاورین کو ([illegible])

(۱۰) لارڈ ہارڈنگ کے حادثہ مین محفوظ رہنے کے صدقہ کیلئے ([illegible]) ہزار

لیڈی ہارڈنگ کو بھیجا گیا۔

(۱۱) ہلال احمر کے چندہ میں پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) دیا

(۱۲) جنوبی افریقہ کے ہندوستانی مصیبت زدوں کی امداد میں (۱۰۰۰۰)

یومیہ و ماہوارات کی اجرائی اسکے علاوہ ہے۔ ان عطایا کو دیکھکر یہ باسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ اعلیحضرت کی داد و دہش کا رخ مفید عام امور اور اداروں کی طرف ہے فضول اور لایعنی اخراجات کی طرف آپ کی توجہ کبھی نہیں ہوئی جب بھی اس قسم کی داد و دہش کی تفصیل دیکھی جاویگی تو انہیں اہل علم و فن کی قدر دانی ہے یا پبلک اداروں کی سرپرستی یا مذہبی مقامات کی درستی اور قیام کے لئے اظہار اخلاص ہے۔

پچیس سالہ عہد حکومت کے واقعات

اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ سالوار واقعات کو بیان کرنے کی بجائے پچیس سال کے واقعات کو یکجائی طور پر بیان کر دوں میں ان واقعات کے بیان میں اختصار کو مدنظر رکھونگا اس لئے کہ تفصیلات تو سالانہ ایک مجلد ضخیم کا تقاضہ کرتی ہیں اور میں محدود صفحات میں پچیس سالہ عہد حکومت کے واقعات کو لے آنا چاہتا ہوں اسی مقصد کے لئے میں مختلف عنوانوں کے تحت ان واقعات کو جمع کرنے کی کوشش کرونگا۔ وباللہ التوفیق

ذاتی حالات و واقعات

سالگرہ مبارک کے دربار سالگرہ کی رسم تو قدیم سے چلی آتی ہے اور مختلف رنگوں اور صورتوں میں اسکا ظہور ہوتا ہے۔ میں اس رسم کی تاریخ اور اس تقریب کے فلسفہ پر بحث نہیں کرونگا سلاطین اور بڑے آدمیوں کی سالگرہ کی تقریب دنیا کے ہر حصہ میں منائی جاتی ہے اس موقعہ پر وابستگان دولت اور احباب مختلف قسم کے ہدایا پیش کرتے ہیں خاندان مغلیہ میں جسکا بقیہ اور آثار اس

دولت آصفیہ میں نظر آتے ہیں

سالگرہ کی تقریب پر بڑے عظیم الشان دربار ہوتے تھے۔ بادشاہ سلامت دربار میں تشریف لاتے اور راجگان ہند اور وابستگان دولت نذریں پیش کرتے تھے۔ ان درباروں کی مختصر کیفیت بھی چشم عقل کو محو حیرت و تماشا کر جاتی ہے۔ اسی اصل پر حیدر آباد میں یہ رسم جاری ہے اور اس تقریب پر شاہ ذیجاہ اپنی افواج و عساکر کی پریڈ لیتے ہیں۔ دربار ہوتا ہے جس میں بعض اوقات رعایا کی طرف سے ایڈریس پیش ہوتے ہیں اور نذریں دی جاتی ہیں اعلیٰ حضرت آصفجاہ سے پہلے سالگرہ یا دوسرے درباروں کا گو وقت مقررہ ہوتا تھا لیکن بادشاہ سلامت اپنے وقت کے بادشاہ ہوتے تھے لیکن اعلیٰ حضرت

وقت کی پوری پابندی فرماتے ہیں

آصف جاہ ہفتم کی اس ربع صدی کی سالگرہوں کی تقریب میں بھی ارتقائی اور اصلاحی رنگ موجود ہے۔ شروع میں سالگرہ کے دربار بڑے اہتمام اور شان سے ہوتے تھے لیکن اب آئین بالکل سادگی اور اختصار ہوتا چلا جاتا ہے۔ حویلی قدیم میں دربار ہوئے ۱۳۳۱ھ کے دربار سالگرہ کی تقریب بزنگ ڈنر کنگ کوٹھی میں منائی گئی اسلئے کہ حویلی قدیم میں تعمیرات کا سلسلہ شروع تھا اور "خلوت" تیار نہ ہوا تھا۔ اسلئے بذریعہ جریدہ اعلامیہ ۳۰ تیر ۱۳۲۲ف مطابق ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ یہ اعلان ہوا کہ سالگرہ کا ڈنر کنگ کوٹھی میں ہوگا جو لوگ ڈنر میں مدعو ہوں وہ اپنی نذریں وہاں ہی پیش کردیں اور دوسرے لوگ دوسرے دن پیش کر سکتے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مگر ۱۹ رجب ۱۳۳۱ھ کو سالگرہ مبارک کی تقریب کے سلسلہ میں باغ عامہ کے ٹاؤن ہال میں رعایائے حیدر آباد کی طرف سے جلسہ مبارکباد منعقد ہوا۔ اس موقع پر اعلیحضرت کے حضور ایک ایڈریس پیش کیا گیا جس میں رعایائے حیدر آباد نے اپنے

اپنے اخلاص و وفا کی حقیقت کا اظہار کیا

اوران توقعات کو پیش کیا جو وہ ذات شاہانہ سے رکھتی ہے۔ اعلیحضرت نے اپنی پسندیدگی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ غرض سالگرہ مبارک کی تقریب دولت آصفیہ میں ایک مستقل تقریب عید ہے اور ہر سال وہ ارتقائی منزلیں طے کر رہی ہے۔ اس تقریب پر شعرا تو پہلے بھی قصیدے وغیرہ کہتے تھے لیکن صحایف و جراید میں کوئی خصوصیت اس موقعہ پر نہوتی تھی۔ اس عہد عثمانی میں صحایف و جراید نے بہت بڑی ترقی کی ہے اور ریاست نے بھی انکی فیاضانہ اعانت میں کبھی مضایقہ نہیں کیا اور اب اس تقریب پر کثرت کے ساتھ

سالگرہ نمبر

شایع ہوتے ہیں اور ہر اخبار کا سالگرہ نمبر بہت محنت اور کوشش سے تیار کیا جاتا ہے ملک کے اس علمی مذاق کی سرپرستی کے لیئے

ذات شاہانہ نے بھی ہاتھ بڑھایا

ان سالگرہ نمبرون کی کاپیان بکثرت خرید کر شائع کی جاتی ہیں اور اعلیحضرت شاہزادگان والا مقام اور اعیان دولت اس علمی دربار میں آتے ہیں۔ اعلیحضرت بہ نفس نفیس فارسی اردو زبان کے شعرا کے لیئے مصرعہ ہائے طرح عطا فرماتے ہیں اور کافی وقت پیشتر انکا اعلان ہوتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شاعران شیرین مقال اس زمین میں اپنی نازک خیالیون اور بلند پروازیون کے گلہائے گوناگون پیش کرتے ہیں۔ اور ذات شاہانہ شہزادگان بلند اقبال بھی اس مشاعرہ تقریب مسرت میں بذریعہ جراید شریک ہوتے۔ اور شاہی کلام شایع ہو کر نہ صرف علمی اور شاعرانہ مذاق کو ترقی دینے کا موجب ہوتا بلکہ اس سے رعایا میں وفاداری اور اخلاص کے جذبات میں ترقی ہوتی ہے۔

سالگرہ کی مسرتون کا سلسلہ تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں پھیلا اور اضلاع میں بھی اس تقریب پر جلسے ہونے شروع ہوئے اور ان جلسون میں رقص و سرود کی محفلین بھی گرم ہونے لگین اعلیحضرت نے اس نقص کو دیکھا اور اس دلنواز مرض کے بڑھنے کے آثار

محسوس کئے تو فوراً اسکی اصلاح کے لئے ایک خاص جریدہ شایع کیا جسکا مضمون حسب ذیل۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر سال میری سالگرہ کی خوشی میں رعایا چندہ جمع کرکے خوشیاں مناتی ہے اسکا صرف بیجا ہوتا ہے جس سے اسکی علت غائی مٹ جاتی ہے حالانکہ اسکا مصرف ایسا ہونا چاہئے جس سے ایک طرف غریبوں کو فائدہ پہونچے اور دوسری طرف پبلک پر اچھا اثر ہو۔ لہذا ان امور کو مدنظر رکھکر میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ سے جہاں کہیں اس قسم کا چندہ جمع ہو اس سے غریبوں کو کپڑا اور غلہ دیا جاوے اور وظائف تعلیمی جاری کئے جاویں یا بحصول اجازت کوئی رفاہ عام کا کام کیا جاوے۔ بہرحال ایٹ ہوم یا رقص و سرور کے جلسے یک قلم موقوف رہیں جس سے بعوض فائدہ کے اس کا اثر سوسائٹی اور پبلک پر برا پڑتا ہے۔" (جریدہ جلد ۵۳ ۳ نمبر ۳ مورخہ ۱۹ اسفندار ۱۳۴۱ ف)

اس جریدہ کی اشاعت نے غیر معمولی اثر پیدا کیا اور عمال حکومت کے اعمال و افعال کی درستی اور اصلاح کے لئے وہ ایک زبردست محرک ہوا۔ سالگرہ کی خوشی کے بہانے سے جو اعمال اور بدعنوانیاں ہونے لگی تھیں وہ یک قلم دور ہوگئیں۔ کچھ شک نہیں کہ آصف جاہ ہفتم کی بلند نظری دوراندیشی اور قوت تدبیر نے اس حکم کے نافذ ہونے پر اپنا سکہ منوالیا اور عام طور پر اس امر کا اعتراف کیا گیا کہ اعلی حضرت کو فرسودہ اور نازیبا رسوم اور مصارف کی اصلاح میں کمال حاصل ہے۔

اس کے بعد سالگرہ کے درباروں اور جلسوں کے اہتمام میں نمائش اور تکلف جاتا رہا اور سادگی اور حقیقی خوشی کے اظہار کی صورتوں نے جگہ لیلی بلکہ میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ خوشی و خورمی کا فلسفہ بدل دیا اور لہو و لعب اور رقص و سرود کی محفلوں کو

علمی مذاق سے تبدیل کردیا

ایک جنبش قلم سے تمام ممالک محروسہ میں علمی لہر پیدا کردی۔ اس تقریب پر شایع ہوئے

جرایدمیں مضامین نظم و نثر لکھنے والے پیدا ہوگئے اور ہر سال تاریخ آصفیہ کے قیمتی اور گم شدہ اوراق اس تقریب پر جرایدمیں شایع ہونے لگے چونکہ سلطنت کی عظمت کے اظہار کے لئے بعض رسوم بھی ضروری ہوتی ہیں اسلئے اس حدتک سالگرہ کے موقعہ پر

پریڈ وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے

اور ایک ڈنر بھی دیاجاتا ہے اور وابستگان دولت آصفیہ نذرین بھی پیش کرتے ہیں۔

سالگرہ کی نذور کے متعلق انسدادی تدابیر سالگرہ اور اسکے متعلقہ دربار و ن اور نذور کے سلسلہ میں ایک اور امر کا بیان کرنا بھی موقع کی مناسبت سے ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اس تقریب پر نذور پیش کرنے کا طریق قدیم الایام سے چلا آتا تھا لیکن آصف جاہ ہفتم کے عہد میں اسکا سلسلہ کسیقدر وسیع ہوا اور یہ کوئی جبری اور قہری امر نہ تھا بلکہ محض ارادت اور اخلاص پر مبنی تھا البتہ بعض عہدہ دار آئین اور امرا آئین آصفی کے روسے پابند تھے لیکن جب یہ جذبہ عام ہوا اور اضلاع کے عہدہ داران نے اس میں کسی قدر غلو کیا تو اعلیحضرت کو اسکی اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور اس خصوص میں آپ نے مندرجہ ذیل فرمان مبارک بذریعہ جریدہ اعلامیہ شایع کیا۔

جریدہ غیر معمولی مورخہ ۶ر تیر ۱۳۲۴ف فصلی

فرمان

چونکہ میری سالگرہ کے موقع پر ممالک محروسہ سے منجانب رعایا پر جو نذور پیش ہوتے ہیں اسکی وجہ سے ہر سال کچھ نہ کچھ بدعنوانی تھوڑی بہت پیدا ہوتی ہے لہذا میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ سال سے یہ طریقہ قطعاً موقوف رہے تاکہ بدعنوانیوں کا ہمیشہ کے لئے سدباب ہوجائے البتہ جب کبھی میں بطور تبدیل مقام یا تفریح ممالک محروسہ کے کسی مقام پر جاؤں تو صرف اس ضلع صوبہ یا تعلقہ کے عہدہ دار و سربرآوردہ اشخاص مقامی نذور بالمشافہ پیش کرسکتے ہیں اور اس حدتک کچھ قباحت نہیں ہے۔ میرے اس حکم سے تمام سابقہ فرامین کی جو کہ خاص اس باب میں جاری ہوئے تھے انکی تنسیخ ہوگئی ہے اور آئندہ جو شخص اسکی خلاف ورزی کریگا وہ بہ

سیراب ہوتا ہے اور اعلیٰحضرت نے بھی پسند فرمایا کہ اس طریقہ جاریہ کو مسدود کر کے اس حد تک استثنا رکھدیا کہ جب بہ تقریب دورہ اعلیٰحضرت کسی مقام پر تشریف لیجائیں تو خاص لوگ بالمشافہ نذر پیش کر سکتے ہیں اس طریق سے عہدہ داروں کے دامن کو بھی پاک رکھنے کا سامان ہو گیا۔

الغرض سالگرہ کی تقریب بدستور سال بسال ایک مقررہ آئین پر منائی جاتی ہے اور اس میں کسی قسم کے اسراف کو دخل نہیں۔

اس تقریب کا آغاز ہمیشہ دوگانہ شکرگذاری سے ہوتا ہے اور کوئی پبلک تقریب اس سے پہلے نہیں ہوتی۔ اعلیٰحضرت مسجد میں تشریف لیجاتے ہیں اور دو رکعت نماز پڑھتے ہیں اسطرح اپنے محسن و مولا کے حضور سب سے پہلے نذر نیازمندی و عبودیت پیش کرتے ہیں جس نے اپنے محض فضل اور رحم سے گذرنے والے سال کو بخیر و عافیت گذارنے کا موقعہ دیا۔

عطائے خطابات

سالگرہ کی تقریب پر علی العموم شاہان دولت آصفیہ کی طرف سے عمّال و ارکان دولت آصفیہ کی حسن خدمت کے اعتراف میں خطابات کے دئے جانے کا سلسلہ قدیم الایام سے چلا آتا ہے اور حقیقت میں یہ شاہان مغلیہ اور دوسرے سلاطین کا ایک معروف طریق عمل ہے۔ انگریزی اور دوسری یورپی حکومتوں میں بھی یہ دستور موجود ہے۔ البتہ بعض جدید انقلابی حکومتوں میں اس سلسلہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔

دولت آصفیہ میں پہلے خطابات کی نوعیت سلطنت مغلیہ کے خطابات کی سی تھی۔ اور جو خطاب کسی خاندان کے مورث اعلیٰ کو ملتا تھا وہی اس کی نسل میں بھی جاری رہتا تھا۔ مقصد اس سے یہ ہوتا تھا کہ تلاش وفادار اور خدمتگذار حکومت کے خاندانکی

اسی جذبۂ عقیدت و اخلاص کو ترقی ہو مگر رفتہ رفتہ خطابات کی نوعیت کے اس دستور میں تبدیلی ہوگئی۔ آصف جاہ ہفتم نے خطابات کے سلسلہ میں بھی بعض اصلاحات فرمائی ہیں اب خطابات کثرت سے نہیں دئے جاتے عام طور پر فہرست بہت ہی محدود ہوتی ہے۔ اعلیٰحضرت مرحوم نے یہ بھی فرمان جاری فرمایا تھا کہ جن لوگوں کو خطابات دئے جادیں انکے نام کے ساتھ نواب کا لفظ استعمال کیا جادے۔ اسلئے نواب کا خطاب گویا ہر اس شخص کو ملجاتا ہے جو خطاب آصفی سے ممتاز ہو۔ حکومت برطانیہ میں نواب کا خطاب بجائے خود ایک مستقل خطاب ہے۔

ایک وقت تھا کہ دولت آصفیہ کے سلاطین رزیڈنٹ کو بھی خطاب دیتے تھے چنانچہ مسٹر جی۔ اے کرک پیٹرک جو ۱۷۹۸ء سے ۱۸۰۵ء تک رزیڈنٹ تھے اور بعد کو [illegible] انکو دولت آصفیہ کی طرف سے

حشمت جنگ مؤتمن الملک افتخار الدولہ

کا خطاب دیا گیا تھا۔ انکے زمانہ ہی میں حشمت گنج آباد ہوا تھا۔ ایسا ہی مسٹر ہنری رسل کو ثابت جنگ کا خطاب دیا گیا اور مسٹر مٹکاف کو منتظم الدولہ کا خطاب ملا یہ ۱۸۲۰ء سے ۱۸۲۵ء تک رزیڈنٹ تھے انکے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔

خطابات کی تقسیم میں شاہی خاندان کے خطابات مخصوص ہیں۔ شاہی خاندان کے ممبروں سے جاہ کا خطاب مختص ہے۔ جیسے شاہزادہ اعظم جاہ بہادر، معظم جاہ بہادر علی ہذا القیاس دوسرے خطابات میں "جنگ" ابتدائی درجہ کا خطاب ہے۔ اس سے برتر ہو تو "دولہ" کا خطاب ہے اور اس سے برتر ہو تو "ملک" کا خطاب ہے آخری درجہ میں خطاب پانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ بہرحال اعلیٰحضرت آصف جاہ ہفتم نے اپنے عہد سلطنت میں عطائے خطابات کے سلسلہ میں بھی تدریجاً اصلاح فرمائی۔ پائیگاہ نوابان علی العموم اپنے خاندانی اعزازات کے بھی وارث ہی ہوتے تھے گو وہ

خطابات بارگاہ خسروی سے انہیں از سر نو عطا ہوتے تھے۔ نواب سلطان الملک بہادر اسوقت ہر سہ پائیگاہوں میں "ملکی" خطاب سے ممتاز ہیں اور یہ خطاب اعلیحضرت مرحوم کے عہد سلطنت میں دیا گیا تھا۔ آسماں جاہی اور خورشید جاہی پائیگاہوں کے والیان پائیگاہ علی الترتیب نواب معین الدولہ بہادر و نواب لطف الدولہ بہادر کو "دولائی" کے خطابات اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم نے سرفراز فرمائے نواب ولی الدولہ بہادر مرحوم بھی اس خطاب سے ممتاز تھے۔ شہزادگان عالی تبار سب کے سب "جاہی" خطاب سے مخاطب ہیں اور ریاست کے بہت سے وفادار اور ممتاز عہدہ داروں کو "جنگی" خطاب سے مخاطب فرمایا گیا ہے۔

ہندو اعلیٰ عہدہ داروں میں سے بھی بعض ممتاز عمّال کو "راجہ بہادر" کے خطاب سے معزز فرمایا گیا ہے۔ میں اس موقعہ پر کوئی فہرست ان خطاب یافتگان کی نہیں دینا چاہتا اسلئے کہ یہ اس تالیف کے موضوع میں داخل نہیں۔ اس مقام کی مناسبت سے مجھے اسیقدر ہی بیان کرنا تھا کہ سالگرہ کی تقریب پر اعلیحضرت بھی دستور قدیم کے مطابق خطابات عطا فرماتے ہیں۔

۱۳۳۱ھ کے واقعات

۱۹۱۳ء میں اعلیحضرت بدستور امور ملکداری کی تنقیح و اصلاح کے کاموں میں مصروف رہے اسوقت تک محرم میں بہت بڑا اہتمام ہوتا تھا۔ اعلیحضرت خود بھی لنگر کے معائنہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے چنانچہ ۱۳۳۱ھ کا لنگر آپ نے مبارک بنگلہ (جو محلات مبارک کی کچہری میں جدید عمارت تعمیر ہوئی تھی) سے ملاحظہ فرمایا۔ اس سال کے واقعات میں سے ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ نواب عمادق جنگ بہادر کے ہاں ۲۰ رجب ۱۳۳۱ھ کی درمیانی شب کو بیٹا پیدا ہوا اور ہفتہ کی صبح کو انہوں نے بارگاہ خسروی میں نذر پیش کی اعلیٰ حضرت اپنے ایک وفادار اور مخلص کارکن کی مسرت سے اسقدر خوش ہوئے کہ آپ نے اس نوید مسرت پر

پانچ توپوں کی سلامی کا حکم دیا۔ ممالک محروسہ میں شاید یہ پہلا موقع تھا جسکی ولادت پر اس طرح اظہار مسرت ہوا اور وہ شاہی خاندان کا فرد نہ تھا۔

لارڈ ہارڈنگ پر بم اندازی کا واقعہ

لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند پر دہلی میں جبکہ عین جلوس کے وقت بم پھینکا گیا تو اس حادثہ کی اطلاع نے حیدرآباد کو بھی متاثر کئے بغیر نہ چھوڑا لیکن چونکہ وائسرائے ہند خداتعالے کے فضل سے اس حادثہ سے سلامت بچ گئے اعلیحضرت سلطان دکن نے حکم اس خوشی کی تقریب میں باغ عامہ میں ایک عظیم الشان جلسہ مسرت ترتیب دیا گیا جسمیں اعلیحضرت بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔ اس تقریب پر مدارس بلدہ کے تمام طلبہ کو مٹھائی اور تمغے تقسیم ہوئے۔ جریدہ غیر معمولی کے ذریعہ تمام ممالک محروسہ میں ایک یوم کی تعطیل دیگئی اور بچوں کی ضیافت کے لئے دس ہزار منظور کیا گیا۔

بمبئی کا ایک اور سفر

اسی سال بمبئی کا ایک مختصر سا سفر اور ہوا۔ ۵ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ بروز دوشنبہ اعلیحضرت معہ محلات شاہی دو بجے اسپیشل ٹرین سے عازم بمبئی ہوئے اور وہاں جاکر احمد منشن میں بندگانعالی نے قیام فرمایا یہ سفر دو ہفتہ کا تھا چنانچہ ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ بروز دوشنبہ بعد دوپہر ۳ بجے آپ کا اسپیشل عازم بلدہ ہوا۔ اور بخیر و عافیت فائز بلدہ ہوئے۔ یہ سفر محض تفریحی تھا۔

دکن ہارس کے آنریری کرنل کا عہدہ

ماہ ذیحجہ ۱۳۳۰ھ کے اواخر میں ملک معظم نے سلطان دکن کو برٹش افواج کا اعزازی کرنل مقرر کیا گیا۔ اور آخر ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ کو اعلیحضرت دکن ہارس کے آنریری کرنل کے عہدہ پر ممتاز ہوئے اور ۵ اپریل ۱۹۱۳ء کو اس اعزاز کی تقریب پر رسالہ مذکور نے اپنے ہیڈ کوارٹرز میں اعلیحضرت کو ڈنر دیا

چنانچہ خسرو دکن رسالہ مذکور کے اعزازی کرنل کی حیثیت سے اس ڈنر میں شریک ہوئے اور اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ بے تکلفی سے پیش آتے رہے۔

اجمیر کا دوسرا سفر ۱۳۳۱ھ کے آخر میں پھر آپ نے ایک مختصر سا سفر اجمیر و آگرہ کا کیا۔ چنانچہ ۱۰ ذیحجہ ۱۳۳۱ھ بروز دوشنبہ رات کے گیارہ بجے اعلیحضرت معہ محلات شاہی بذریعہ اسپشل ٹرین اجمیر کو روانہ ہوئے۔ اور وہاں کے ایک مشہور ساہوکار امید مل کو یہ عزت بخشی کہ اسکی کوٹھی میں آپ نے قیام فرمایا۔ دوران قیام میں روزآنہ دیگیں پکوا کر لٹائی جاتی تھیں اور صدقات و خیرات کا سلسلہ جاری تھا ۲۳ ذیحجہ تک آپکا قیام وہاں رہا ۲۴ کو آگرہ کو روانہ ہوئے وہاں ایک روز قیام کرکے مراجعت عمل میں آئی اور راستہ میں ایک روز گلبرگہ میں قیام فرمایا اور ۲۹ ذیحجہ بروز شنبہ دن کے ۱/۲ ۹ بجے داخل بلدہ ہوئے۔

حیدرآباد میں پہلی ہڑتال

رمضان ۱۳۳۱ھ میں دفتر کروڑگیری میں ایک مخبری ہوئی کہ سوداگران پارچہ محصول کروڑگیری سے بچنے کے لیئے غلط بیجک پیش کرکے سرکار کو دھوکا دیتے ہیں اور سرکاری محصول غبن کرجاتے ہیں اس مخبری نے عہدہ داران کروڑگیری میں ایک تعجب خیز سنسنی پیدا کردی اور اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ تاجران پارچہ کے بہی کھاتے ضبط کرلئے جاویں اور انکی پڑتال ہو چنانچہ اس مقصد کے لیئے پولیس بلدہ کی امداد سے افسران کروڑگیری نے تاجران پارچہ کے گذشتہ دس سال کے بہی کھاتے ضبط کرلیئے یہ ۲ شوال ۱۳۳۱ھ روز چہارشنبہ کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ سے قدرتی طور پر تاجران پارچہ میں سخت گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہونا ضروری تھا چنانچہ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے باہم اتفاق کرکے

ہڑتال کردی

تاجران غلہ نے بھی انکا ساتھ دیا۔ اور اپنی دوکانوں کو بند کردیا حیدرآباد میں اس قسم کی ہڑتال کا یہ سب سے پہلا موقعہ تھا مگر کچھ شبہ نہیں کہ گو پہلے سے کوئی منظم تحریک نہ تھی

مگر یہ نتیجہ خیز ثابت ہوئی تاجران پارچہ وغلہ اپنی ضد پر قائم ہے۔ اس کے خطرات کا اندازہ کرکے
محکمہ مالگزاری میں ایک کمیٹی حالات پر غور کرنے کے لئے مقرر ہوئی اور سر اکبر حیدری (جو اس
زمانہ میں معتمد عدالت و کوتوالی تھے) نے دوکانداروں کو سمجھایا کہ وہ دوکانات کھولدیں لیکن
انہیں اسی امر پر اصرار تھا کہ انکے بہی کھاتہ خلاف ضابطہ ضبط کئے گئے ہیں اور یہ امر انکی
دیانت اور تجارت پر ایک خطرناک حملہ ہے اسلئے وہ اپنی دوکانوں کو نہیں کھولیں گے جبتک
انکے بہی کھاتے واپس نہ دیئے جاویں۔ سر اکبر حیدری اور انکے رفقاء نے اس معاملہ کے تمام
پہلوؤں پر غور کیا اور انہوں نے اس فتنہ کے انسداد کے لئے یہ مناسب سمجھا کہ

بہی کھاتے واپس کردیئے جاویں

چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور تاجروں نے اتوار کے دن ۵ شوال ۱۳۳۱ھ کو دوکانات
کھولدیں اسطرح

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

کا معاملہ ہوگیا۔

اس ہنگامہ میں سر اکبر حیدری کے تدبر و دانش نے ایک نتیجہ خیز حصہ لیا
اور ایک سلگتی ہوئی چنگاری کو بجھادیا۔ جو کمیٹی اس قضیہ کے لئے مقرر ہوئی تھی
یہ فیصلہ کیا کہ افسران سررشتہ کروڑگیری کو [illegible]

علمی فیاضیاں اور علمی اداروں کی سرپرستی

دولت آصفیہ ہمیشہ سے علمی فیاضیوں اور علمی
سرپرستیوں میں ممتاز و شہرۂ آفاق رہی ہے کوئی دور اس دولت آصفیہ کا ایسا نہیں گذرا
کہ صاحبان علم و فضل اسکے دامن سے وابستہ ہوکر فکر معاش سے بے فکر [illegible]
اعلیٰحضرت آصفجاہ سابع کا عہد تو اس سلسلہ میں ترقی یافتہ اور بے نظیر ہے [illegible]
علمی اداروں اور فنی مشاغل [illegible]
ترقی اور اعانت کے لئے بھی

دست عثمانی کھلا رہا

بعض مصنفین کو یکمشت اور ماہانہ امداد دی گئی اور بعض کی کتب کے متعدد نسخے خرید کر کے شوق تالیف و تصنیف بڑھایا گیا۔ بعض تعلیم گاہوں اور مدارس کے نام گرانقدر امدادی رقوم یکمشت اور ماہوار اجرا ہوئیں۔ اور یہ سلسلہ صرف ہندوستان کے اندر ہی نہیں ہندوستان سے باہر تک وسیع ہوا۔ چنانچہ مکہ معظمہ کے ایک مدرسہ کے نام دوسو روپیہ ماہوار کلدار کی امداد دی گئی یہ فہرست اسقدر طویل ہے کہ اسکے لئے بجائے خود ایک

مستقل اور مبسوط جلد کی ضرورت ہے*

مولانا شبلی نعمانی۔ مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار۔ خواجہ کمال الدین جناب مرحوم مسلم مشنری۔ منشی دین محمد صاحب ایڈیٹر میونسپل گزٹ۔ حکیم مولوی نظام الدین خان صاحب مترجم قرآن مجید بزبان گجراتی وغیرہ مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر بانی اسلامیہ کالج اٹاوہ وغیرہم کثیر التعداد لوگوں کے نام معقول وظائف جاری ہوئے اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے

مفلوک الحال لوگوں کی اعانت و دستگیری : دولت آصفیہ کے عملی پروگرام میں یہ امر بھی ہمیشہ داخل رہا ہے کہ مفلوک الحال اور حاجتمند اصحاب کی مدد کرنے میں خوشی محسوس کیگئی آصفجاہ ہفتم نے اپنے عہد مبارک میں اس سلسلہ کو بھی بہت بڑی وسعت دی۔ یہ دیکھا نہیں گیا کہ کوئی اہل حاجت جو واقعی قابل امداد ہو آستانہ عثمانی تک پہونچا ہو اور پھر محروم رہا ہو۔ عالمگیر مصائب جو قدرتی آفات ارضی و سماوی کے ماتحت آتے ہیں ان میں بھی ہمیشہ آپ مخلوق الٰہی کی ہمدردی اور دفع مصائب میں شرکت کرتے ہیں۔ اپنی ریاست میں تو آپ کو اسکا خیال قدرتی طور پر رہتا ہی ہے مگر ریاست کے باہر نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی ایسے مواقع پر آپ نے ہمیشہ اپنے

دست اعانت کو دراز فرمایا ہے

---

*حاشیہ۔ مرتبہ حیات عثمانی کے زیر غور ہے (عرفانی)

بہاؤنگر کا قحط سنہ ۱۳۳۰ھ کے آخر میں ریاست بہاؤنگر میں قحط کی آفت نمودار ہوئی۔ اس موقعہ پر ریاست مذکور کی قحط زدہ عورتوں کی امداد کے لئے آپ نے پانچہزار کی رقم عطا فرمائی۔

ہندی مصیبت زدگان جنوبی آفریقہ کی امداد اسی طرح جنوبی آفریقہ میں مقیم ہندوستانی جب سنہ ۱۳۳۱ھ میں مبتلائے آلام و مصائب ہوئے اور ہندوستان میں انکی مصیبت کی داستان عام ہوئی تو اعلیحضرت نے بغیر کسی درخواست کے ان کی امداد کے لئے دس ہزار روپیہ کلدار کی رقم عطا فرمائی۔ اسی طرح جب جنگ بلقان میں وہاں کے مسلمانوں پر مصیبت آئی تو آپ نے مسلمان بھائیوں کی امداد کے لئے برٹش ہلال احمر کو دو ہزار پونڈ کا گرانقدر عطیہ بھیجا لیکن مصیبت کی [illegible] چونکہ کافی نہ تھی آپ نے چند ماہ کے وقفہ سے مزید دو ہزار پونڈ دئے اور پھر احساس ضرورت پر پانچسو پونڈ کی مزید اعانت بھیجی۔

متفرق امدادی کارنامے سنہ ۱۳۳۲ھ کے ذی قعدہ میں لکھنو میں دریا کی طغیانی نے ستم ڈھایا اور بہت سے خاندان بیخانمان ہوگئے۔ اور وہاں کے مصیبت زدوں کی آہ و زاری کو دولت آصفیہ کے صاحب تاج و تخت نے یہ کہتے ہوئے سنا ؎

> خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
> سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اور انکی مصیبت میں عملی شرکت کے لئے دس ہزار کلدار کا عطیہ دیا۔

لیڈی ولنگڈن بیگم ان کے شوہر لارڈ ولنگڈن بمبئی کے گورنر تھے اور بمبئی کے گورنر کو سیاسی حالات و تعلقات کے لحاظ سے حیدرآباد سے کوئی تعلق نہیں) بمبئی میں سنہ ۱۳۳۲ھ میں [illegible] کی [illegible] قائم کی تھی جو مصیبت زدگان کی امداد کے لئے تھی اس کار خیر میں شرکت کے [illegible] ہزار کی گرانقدر رقم آپ نے روانہ کی

ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۳ھ میں غربائے اہل اسلام کی امداد کے لیے اکیس ہزار چار سو روپیہ اور اسی ماہ میں لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج ہسپتال واقعہ دہلی کی امداد کے لئے

ایک لاکھ روپیہ دیا۔

۱۳۳۵ھ کے آغاز کے ساتھ ہی مصیبت زدگان بھگین پلی کی امداد کا سوال آپ کے سامنے آیا اور آپ نے نہایت فیاضی اور فراخدلی سے دس ہزار روپیہ کا عطیہ دیا۔

اسی مہینے میں نادار حاجیوں کی اعانت کے متعلق تحریک ہوئی جو بوجہ افلاس جدہ میں پڑے رہتے تھے انکی واپسی کے لئے ایک فنڈ کی تجویز ہوئی تو اعلیٰحضرت نے دس ہزار کلدار سے ان کی دستگیری کی۔

ماہ صفر ۱۳۳۶ھ میں مصیبت زدہ مسلمانان بہار کی امداد کے لئے ایک لاکھ روپیہ دیا ۱۹۲۰ء میں ہز اکسلینسی لیڈی چیمسفورڈ کی مجوزہ یتیم بچوں اور ماؤں کے فنڈ میں پچاس ہزار دیا۔

وسط فروری ۱۹۲۲ء میں لیڈی ریڈنگ کے خواتین کے فنڈ میں پچیس ہزار عطا فرمایا۔

مالابار میں جب مصیبت پیش آئی اور یتامیٰ اور بیوگان کے علاوہ بہت سے لوگ پریشان ہو گئے تو انکی امداد کے لئے اوائل ماہ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ میں مصیبت زدگان مالابار کی اعانت کے لئے پچاس ہزار دیا۔

آخر ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ میں پچاس ہزار کلدار کا فیاضانہ عطیہ مصیبت زدگان موپلاؤں کی امداد کے لئے دیا گیا اور اس رقم سے مالابار میں یتیم خانہ اور صنعتی کارخانجات قائم کر کے موپلا بیوگان اور یتامیٰ کی پرورش کا سامان کیا گیا۔ پھر اوائل محرم ۱۳۴۳ھ میں پچیس ہزار اور مالابار سے طغیانی زدہ لوگوں کی اعانت کے لئے دیا۔

اسی ۱۳۴۳ھ کے ربیع الاول میں کلکتہ کے مسلم یتیم خانہ کی امداد کے لئے دس ہزار اور پھر جمادی الاول میں دس ہزار دیا۔

مصیبت زدگان بیرون ہند کی امداد اعلیٰحضرت آصف جاہ ہفتم کی داد و دہش کا تذکرہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں صرف حیدرآباد یا ہندوستان تک ہی نہیں پہنچتا بلکہ ہر ملک تک

ہر قوم کے مصیبت زدگان کی امداد کے لئے آپ ہمیشہ سابق بالخیرات ثابت ہوئے ہیں ہیں ذیل میں چند واقعات کا تذکرہ کرتا ہوں اور اسی سے عام ہمدردی کا اندازہ ہو جائے گا جو خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ آپ کو ہے۔

(۱) ماہ نومبر ۱۹۱۲ء میں مصیبت زدگان جاپان کی اعانت کا سوال آپ کے سامنے آیا جاپانیوں کو مذہب وملت کے لحاظ سے اور سیاسی حیثیت سے کسی قسم کا تعلق دولت آصفیہ یا اعلیٰحضرت سے نہ تھا۔ لیکن انسانی ہمدردی کے قانون میں ملک وقوم ومذہب کا کوئی سوال نہیں ہوتا آپ نے ان مصیبت زدگان کی امداد کے لئے فوراً تیس ۳۰ ہزار کا عطیہ عطا فرمایا

(۲) اوائل شعبان ۱۳۴۳ھ میں مراکو کی جنگ میں مقتولوں اور مجروحین کی بیواؤں اور بچوں کی امداد کے لئے پانچسو پونڈ عطا فرمائے۔

(۳) وسط ماہ شوال ۱۳۴۳ھ میں ترکی کے غریب اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد واعانت کے لئے انجمن ہلال احمر کو پچاس ہزار روپیہ عطا فرمایا۔

(۴) آخر ماہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں فلسطین کے زلزلہ زدگان کی امداد کے لئے ایک ہزار پونڈ عطا فرمایا۔

(۵) اوائل ماہ رجب ۱۳۴۹ھ کو بیت المقدس کے زاویہ الہنود (جو ہندوستانی مسافرین اور زائرین کے لئے بطور لسرائے ہے) کی مرمت کے لئے پانچہزار روپیہ عطا فرمایا

(۶) جنوری ۱۹۳۱ء میں مکہ معظمہ کے نامے سے موسوم ہسپتال کیلئے ۲ لاکھ پونڈ تقریباً تیس ۳۰ لاکھ روپیہ دیا اور اس رقم کے خرچ کے متعلق اعلیٰحضرت نے یہ تجویز فرمایا کہ اسے ملک معظم (۱۰ تہائی) کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاوے۔

یہ ایک مختصر سی فہرست ہے ورنہ ہر ملک اور قوم کے لئے آپ کا دستِ شفقت دراز ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور عظیم الشان واقعہ کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو اگرچہ اسلامی حیثیت رکھتا ہے لیکن اگر وسعت نظر سے کام لیا جاوے تو آپ کے اسلامی

نقطہ نگاہ سے الگ کرکے دیکھنا چاہیئے۔

معزول سلطان ٹرکی کی اعانت | یہہ واقعہ سلطان ٹرکی (معزول خلیفۃ المسلمین) کی امداد و اعانت کا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ مذہب کے لحاظ سے اسے سلطان دکن سے تعلق ہے اور اب تو حضرت ولیعہد بہادر اور شاہزادہ معظم جاہ بہادر کے تعلقات صہری کی وجہ سے اس شاہی خاندان سے دوہرا تعلق ہے لیکن جسوقت اعلیحضرت سلطان دکن نے انکی اعانت کا خیال فرمایا اوسوقت رشتوں کا تو وہم وگمان بھی نہ تھا آپ نے محض اس خیال سے کہ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا بادشاہ تھا اور عزل کے بعد اسکی قوم نے اسے ایسے حالات میں چھوڑدیا ہے کہ وہ اپنی زندگی بسر کرنے کے بھی قابل نہیں رہا اسکی ذاتی جائداد و املاک پر بھی قبضہ کرلیا۔ یہہ حالات نہایت جگر دوز تھے۔ اور روئے زمین کے مسلمانوں میں سے کسی کو یہہ خیال نہ آیا کہ وہ شخص جو کل تک خلیفۃ المسلمین کھلاتا تھا اور مسلمان اسے اپنا مذہبی اور سیاسی پیشوا سمجھے ہوئے تھے آج ایسے حالات سے گذر رہا ہے کہ

عرصہ حیات اسپر تنگ ہو رہا ہے

اس مصیبت کا احساس دنیا بھر کے مسلمانوں میں سے صرف

سلطان دکن کو ہوا

اور اونہوں نے فوراً انکی آسایش سے زندگی بسر کرنے کے لئے ایک گرانقدر وظیفہ مقرر کرکے کل

اسلامی دنیا پر احسان کیا

یہہ واقعات اور حالات بہت قریب کے ہیں اور عام طور پر مشہور ہیں اس لئے میں تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتا اور علاوہ براین یہ نہایت دردناک کہانی ہے کہ نوجوان ترکوں نے جنگ یورپ کے بعد کس طرح اپنے سلطان اور خلیفہ کو معزول کیا اور کن حالات میں اسے اپنے محبوب شہر (قسطنطنیہ) سے نکال دیا۔ میں یہاں صرف ان مراسلات کو درج کردیتا ہوں جو اعلیحضرت اور معزول سلطان ٹرکی

درمیان ان کے **وظیفے کے تقرر پر ہوئیں**

اس کے ساتھ ہی ہیں انگلستان میں اس موقعہ پر رائے عامہ کا جو اظہار ہوا ان کے ایک مشہور و معروف رسالہ ریویو آف ریوز میں کیا گیا اسے بھی درج کروںگا۔

اعلیحضرت کا فرمان مبارک متعلق تقرری وظیفہ

فرمان واجب الاذعان مورخہ ۲۵ ذی قعدہ الحرام ۱۳۴۲ھ جو معزول خلیفہ عبدالمجید خان کے نام تا حیات وظیفہ جاری کرنے کے بارے میں شرف صدور لایا ہے وہ پبلک کی اطلاع کیلئے ذیل میں شایع کیا جاتا ہے فقط شرحد ستخط

مہدی یار جنگ (معتمد سیاسیا)

فرمان مبارک

چونکہ آجکل معزول خلیفہ عبدالمجید خان کی مالی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے اور وہ ان دنوں یورپ میں قیام کئے ہوئے ہیں جہاں کے مصارف بے انتہا بڑھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس آیتہ کے بموجب المومن اخوۃ المومن (میرے خیال میں اعلیحضرت کا منشا کل مومن اخوۃ ہے۔ عرفانی) انکی سقیم حالت کے مدنظر میں اپنی استطاعت کے موافق انکی تائید کرنا اپنا مذہبی فرض خیال کرتا ہوں چنانچہ انہیں وجوہات کی بنا پر ماہ جولائی ۱۹۲۴ء سے تا حیات تین سو پونڈ کا ماہانہ وظیفہ مقرر کرتا ہوں اور قریب میں ان کا ایڈریس معلوم ہونے پر رقم کے ایصال کا انتظام عمل میں آئیگا۔ پبلک کی اطلاع کی غرض سے میرا یہ حکم جریدہ غیر معمولی میں طبع کرادیا جائے فقط شرحد ستخط مبارک اعلیحضرت

۱۵ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ یوم پنجشنبہ

اس فرمان کی اطلاع معزول خلیفہ عبدالمجید خان صاحب کو نواب سر حیدر الملک علی امام (جو اس وقت حیدرآباد کے وزیر اعظم تھے) نے بذریعہ تار دی اسکے جواب میں بطور اظہار امتنان ایک تار بھیجا جسکا اردو ترجمہ ایک فرمان مبارک مشتہرشدہ، ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

کی تعمیل میں شایع کیا گیا جو حسب ذیل ہے۔

فرمان مبارک

معزول خلیفہ عبدالمجید خان نے وظیفہ کی خبر سنکر (جسکو کہ میں نے حال ہی میں انکے نام جاری کیا ہے) جو ٹیلیگرام میرے نام بھیجا ہے اسکا اردو ترجمہ اس جگہ درج کیا جاتا ہے تاکہ اسکی اطلاع تمام عالم اسلامی کو ہو جائے اور یہ بھی ظاہر ہو کہ اسکا اثر انکے قلب پر کسی طرح ہوکہ۔ اور کن الفاظ میں اسکا اظہار انہوں نے لیا ہے اور اس تحریر سے میں کس قدر متاثر ہوں فقط شرحِ دستخط مبارک

ترجمہ ٹیلگرام

ہز اگزالٹیڈ ہائینس دی نظام آف حیدرآباد

السلام علیکم۔ موید الملک سر علی امام کا تار برقی مجھے ابھی وصول ہوا جسکے ذریعہ سے اونہوں نے مجھے اس فیاضانہ اعانت کی اطلاع دی ہے جو میرے لئے حضور نے تجویز فرمائی ہے۔

حقیقی اخوت و اتحاد اسلامی کا یہ ثبوت جو آپ نے از خود اور اس ممتاز طریقہ سے دیا ہے وہ میرے لئے باعث تشکر و افتخار ہے۔ شرح دستخط عبدالمجید خان (معزول خلیفہ)

اس فیاضی اور اخوت و اتحاد اسلامی کی شاندار نظیر نے نہ صرف ہندوستان میں اور نہ صرف عالم اسلام میں بلکہ کل دنیا میں ایک غلغلہ بلند کیا۔ اسلامی اخبارات اور انجمنوں نے اسپر خراج تحسین ادا کیا۔ مسٹر سید رحمٰن گیلانی رکن مجلس وضع قوانین پنجاب نے ترکوں کو عبرت دلانے والا اعلان شایع کیا اور اعلیحضرت کا شکریہ ان الفاظ میں کیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کی جانب سے ہز اگزالٹیڈ ہائینس کا دلی شکریہ خدا انکی عمر دراز کرے آمین۔ اس مسرت آگین خبر نے کہ ہز مجسٹی خلیفہ کے لئے تین سو پونڈ ماہانہ کا وظیفہ تاحیات جاری کیا گیا ہے مجھے حسب ذیل سطور لکھنے کے لئے مجبور کیا ہے جو بطور ناچیز

شکریہ کے ہیں حضرت اقدس و اعلیٰ نے ہندوستانی مسلمانوں کی جانب سے حضرت خلیفہ کی معاونت فرمائی ہے جنہیں انکے ہم مذہبوں نے انہیں کے بھائیوں انہیں کی رعایا نے جلا وطن کر دیا اور اغیار غیر مسلموں اور اعدائے اسلام کے حوالہ کر دیا کہ وہ انہیں اپنے جبر کے اثر کا شکار بنائیں۔ ہیں ہز اگزالٹیڈ ہائینس نظام دکن کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو دنیا کے غیر مسلموں کے حملہ سے بچا لیا اور اسطرح ساری مسلم قوم کا دائمی شکریہ حاصل کر لیا۔

اس وظیفہ پر ولایت کے مشہور و معروف رسالہ ریویو آف ریویوز نے ایک زبردست مضمون خلیفہ اسلام کے عنوان سے ایک آرٹیکل میں شائع کیا جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

خلیفہ اسلام

اس لمحہ دنیائے اسلام سیاسی یا سلاقی مسائل کے علاوہ ایک اور مسئلہ کی جانب سے پریشان خاطر و پراگندہ دل ہے۔ سلطان عبد المجید خان کو جلا وطن کرنے اور انہیں خلافت سے محروم کرنے پر اس نے ابھی تک مصطفیٰ کمال کو معاف نہیں کیا ہے۔ ترکی جمہوریت پسندوں نے خانوادہ عثمانی کے رئیس کو قسطنطنیہ سے نکالتے ہوئے جنکی ذات میں ایک عرصہ سے مومنین کی خلافت یا سرداری کی قوت جمع تھی جس خطرہ کا اندازہ کیا تھا انہیں اس سے کہیں عظیم تر خطرہ کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے اگرچہ تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ فتوحات کے ذریعہ ایک خاندان سے خلافت دوسرے خاندان میں منتقل ہوئی ہے فقہائے اسلام نے علی العموم اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ ایک خلیفہ صرف اسی صورت میں خلافت کی حیثیت سے گرجائیگا جب کہ وہ مرتد ہو گیا ہو یا وہ اطاعت اختیار کر کے اور اپنے آپ کو اغیار کے حوالہ کر دے یا مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دے۔

جلا وطن خلیفہ عبد المجید خان نے نہ تو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑا اور نہ وہ مرتد ہیں نیز امیر المومنین کی حیثیت سے ایک خلیفہ کے تسلیم کئے جانے کا اختیار سنی مسلمانوں کی

کثرت آرائے پر منحصر ہے لہذا اس اصول کے موافق عبدالمجید خان کو خلیفہ تسلیم کیا گیا سارے
ممالک کی مساجد میں بلا امتیاز نسل و قومیت مثلاً دہلی ۔ حیدرآباد ۔ کابل ۔ بخارا ۔ قاہرہ
اور دیگر مقامات کی عبادت گاہوں میں عبدالمجید کے نام سے بحیثیت خلیفہ دعا کی جاتی ہے ۔
لہذا یہ امر صاف ہے کہ قسطنطنیہ سے جلاوطنی انہیں اپنے منصب سے علیحدہ نہیں کر سکتی ہے ۔
اور وہ بھی اسلام کے مذہبی سردار ہیں ۔ اور مصطفیٰ کمال کے فیصلے سے ترکی خلافت کا ابھی
تک خاتمہ نہیں ہوا ۔ اور یہ ایک کھلا مسئلہ ہے کہ سنی مسلمانوں کی عالمگیر کانفرنس میں
انکی پوزیشن کس حد تک متاثر ہوگی ترکی کے جمہوریت پسند یہ انکار کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے
اندر کوئی خلافت نہیں رکھیں گے ۔ لیکن باقی عالم اسلام کے دلوں میں انہیں اپنے
جذبات کو بھڑکانے کا کوئی حق نہیں ہے

نظام کا وظیفہ

با این ہمہ جلاوطنی نے عبدالمجید خان کو مفلس بنا دیا ہے ۔ یہ مذہب اسلام کا کوئی
رکن نہیں ہے کہ انکا خلیفہ "ہم بغل افلاس" رہے اور اس لئے خلیفہ امیر المومنین
سوئٹزرلینڈ میں بے یار و مددگار بسر کر رہا ہے اکثر مسلمانوں کی امامت و پیشوائی سے معذور
کر دیا ان میں سے ایک سب سے زیادہ رفیع المرتبت یعنی نظام حیدرآباد گزشتہ
ماہ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ اپنے روحانی* رئیس کی امداد و اعانت کریں اور تین سو
پونڈ ماہانہ انکے وظیفہ کے لیے مقرر کریں ایک اسلامی رئیس کے لئے ایک سنی بادشاہ
کیطرف سے یہ وظیفہ فی الفور

نظام کو ایک ایسی ہمدرد و فیاض ہستی ظاہر کر دیا

جس کی وجہ سے ہر جگہ ان کے ہم مذہب مسلمان انکی قدر کریں گے اور اسکی وجہ
یہ قابلیت پیدا ہو جائے گی کہ برطانیہ حکومت سے صوبجات برار کے متعلق جو بحث چھڑی
ہوئی ہے اسکو ایک مذہبی رنگ میں بدل دیں (یہ امداد اس خیال سے نہیں ہوئی تھی (عرفانی))

حاشیہ* (روحانی بھائی ۔ (عرفانی)

اسلام کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ خلیفہ کسی غیر مسلم طاقت پر منحصر نہ رہے۔ نظام حیدرآباد
ایک مستقل حکمران ہیں اور حکومت برطانیہ کے باوفادار لیکن گذشتہ سال اونہوں نے
استرداد براڑ پر حیدرآباد کا دعویٰ نہ کیا ہوتا (یہہ وہ دعویٰ ہے جسکو تسلیم کرنے میں
حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہند نے عجلت سے کام نہیں لیا ہے بلکہ اس پر اطلاق کا
اظہار بھی نہیں کیا ہے) تو ضرور عالم اسلام ان پر شبہ کرتی کہ یہہ بعض برطانیہ عظمیٰ کے
ایک حکم بردار کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ بحالات موجودہ ایسا کوئی شبہ پیدا نہیں
ہو سکتا اور نظام نے سنی مسلمانوں کے تشکر و امتنان پر جن کا ایک کثیر حصہ برطانوی
شاہنشاہیت میں بسر کرتا ہے ایک ایسے وقت

اپنے فیاضانہ عمل سے اپنا حق قائم کر دیا ہے

جبکہ ان کے اور برطانوی حکومت کے مابین ایک مقدمہ بعض شدنی ہے اس طرح
نظام کو جو عز و وقار حاصل ہوا ہے وہ حدود ہند سے نکلکر افریقہ اور ایشیا کے کئی دیگر قطاع
تک جائے گا۔ المختصر یہ کہ

نظام کو قوت متخیلہ کا بڑا حصہ ملا ہے

اور یہ وہ عطیہ الٰہی ہے کہ جسکا مشرق سے مقابلہ کرتے ہوئے مغربی اقوام
اور مغربی حکومتوں میں فقدان ہوتا ہے ورنہ وہ ضرور ان خارج الفہم عناصر کو موجودے
زیادہ تیز نظری سے بھانپ لیا کرتیں جو کہ دردن انسانوں پر موثر ہوا کرتے ہیں۔

جنگ عظیم اور آصف جاہ ہفتم

اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کے گذشتہ پچیس سال ایک حیرت انگیز انقلاب اور
جدوجہد کے سال گزرے ہیں۔ آپ نے جیسا کہ میں نے کسی دوسری جگہ بیان کیا ہے
تاج سلطنت آصفی کو زینت دی تو دولت آصفیہ مختلف قسم کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا
مرکز تھا۔ اور ملک کی اصلاح و رفع البحالی کی تدابیر کے لئے ایک عظیم الشان پروگرام جوان سال

وجوان بخت سلطان کے سامنے تھا ابھی آپ کو سریر آرائے دولت آصفیہ ہوئے تین سال ہی ہوئے تھے کہ

جنگ عظیم کی آگ بھڑک اٹھی

اس جنگ کے اسباب اور تفصیلات اور نتائج پر بحث کرنے کے لئے یہاں موقعہ نہیں اس موضوع پر مختلف زبانوں اور مختلف ممالک میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں شائع ہو چکی ہیں مجھکو صرف اس حصہ کا تذکرہ کرنا ہے جسکا تعلق اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کی ذات اور سلطنت سے ہے۔ یہ جنگ دول یورپ کی عموماً اور دولت برطانیہ کی خصوصاً

زندگی اور موت کا سوال تھا

میرے نقطۂ نظر سے تو یہ موقع غدر ۱۸۵۷ء سے بھی نازک ہو گیا تھا۔ ایسے موقعہ پر بڑے تدبر اور فراست کی ضرورت تھا۔ نوجوان سلطان نے اپنی آبائی روایات کے احترام میں دولت برطانیہ کی اعانت و رفاقت میں

اپنے تمام وسائل کو وقف کردیا

اور جس طرح غدر کے ایام میں دولت آصفیہ ہی ایک ایسی سلطنت تھی جو حکومت برطانیہ کے بقا کا موجب ہوئی اور جسکے متعلق اسوقت کے انگریزی ذمہ وار حکام نے اس اس حقیقت کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا اسیطرح اس موقعہ پر اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کی امداد نے دولت برطانیہ کے وقار اور عظمت کو قائم رکھنے میں شاندار قربانی کی۔ اور آغاز جنگ ۴ اگست ۱۹۱۴ء سے لیکر ۲۸ جولائی ۱۹۱۹ء تک (جبکہ علانیہ جنگ صلح نامہ پر دستخط ہو کر ختم ہوئی) سلطنت آصفیہ نے سرکاری، غیر سرکاری۔ مالی و مادی۔ فوجی ہر قسم کی امداد دیکر ثابت کر دیا کہ گو اس حرب عظیم میں یورپ کی حکومتوں نے معاہدات کو ردی کے ٹکڑے اور کاغذ کے پرزے سمجھکر پس پشت ڈالدیا مگر دولت آصفیہ کے سلطان نے اپنے عمل سے بتادیا کہ

مسلمان نازک اوقات میں بھی عہد ناموں کی پابندی کرتا ہے

اور حکومت برطانیہ کی امداد کے لئے اپنی افواج اپنے کارخانہ اور اپنے خزانے کھول دیئے اور ہر ممکن طریق سے حق دوستی اور شرط تعاون کو پورا کیا۔ اگرچہ اس اعانت و امداد کی پوری تفصیل میں اس جگہ نہیں دے سکتا تاہم مختصر سا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) آغاز جنگ ۴ اگست ۱۹۱۴ء کو ہوا۔ اسکے ساتھ ہی گورنمنٹ ہند نے امپیریل سروس ٹروپس کا مطالبہ کیا۔ دولت آصفیہ نے پہلی رجمنٹ فوراً بھیج دی۔ اور حکومت ہند نے اسے مصر بھیج دیا۔ مصر اور فلسطین میں اس نے کارہائے نمایاں کئے۔ دوسری رجمنٹ کو ریزرو میں رکھا۔ سرکاری مراسلات میں حیدرآباد امپیریل سروس ٹروپس کے کارناموں کو سراہا گیا۔ اور تفصیل کے ساتھ انکے کارناموں کا ذکر کیا گیا۔ معرکوں میں جو خدمات حیدرآباد امپیریل سروس ٹروپس نے سرانجام دیں۔ انکی اور اس رجمنٹ کے افسروں اور عہدہ داروں کی انفرادی طور پر تعریف کی گئی۔ جنکی تفصیل پندرہویں امپیریل سروس کیولری بریگیڈ کی تاریخ میں درج ہے جو ملک معظم کے حکم سے لندن میں طبع ہوئی۔ ان افواج کے تمام اخراجات دولت آصفیہ کے خزانے سے دئے گئے [illegible] کے قریب خرچ ہوا۔

(۲) رکروٹوں کی بھرتی میں [illegible] کی آسانیاں بہم پہونچائی گئیں۔ سرکار آصفیہ [illegible] کے قریب [illegible] رکروٹ [illegible]

(۳) سرکار [illegible] اور [illegible] انڈین گورنمنٹ [illegible] کا بوجھ احسن [illegible] کی غرض سے [illegible] عطیات و امداد [illegible] عمل میں لائی گئی۔

(۴) [illegible] خان

اس رسالہ کے سواروں کے لئے جدید نمونہ کی تلواریں جنگ پر روانہ ہونے سے پیشتر
بصرف دس ہزار خرید کر دی گئیں اور اس رسالہ کے کمانڈنگ افسر اور دوسرے
افسران کے لئے گھوڑے مہیا کئے گئے

(۵) دیسی والیان ملک کی جانب سے جو لائلٹی نام ایک ہسپتالی جہاز تیار کر کے
پیش کیا گیا اعلیحضرت نے اس میں نمایاں حصہ لیا۔

(۶) امریکہ سے چاندی آتے تک اعلیحضرت نے پچاس لاکھ روپیہ کی خام چاندی
انگریزی سکہ مسکوک کرنے کے لئے دی۔ علاوہ بریں اپنی دارالضرب میں سکہ کی ریزگا
دوانی۔ چونی۔ اٹھنی۔ کی کثیر تعداد مسکوک کر کے دی۔

(۷) دارالضرب کی شاخ کاغذ مہور نے مدراس وار فنڈ اسٹامپ اور حیدرآباد
لیڈیز وار ریلیف اسٹامپ مفت چھاپ کر دیئے۔

(۸) سرکار عالی کے ورکشاپ میں کثیر تعداد میں سامان جنگ تیار کر کے دیا
گیا۔ جسکی مالیت کسی صورت میں دس لاکھ روپیہ سے کم نہ تھی اہم ترین کام جو ورکشا
میں تیار ہوا وہ ٹوٹوں کے صندوق۔ گولے باربرداری کی گاڑیاں۔ اس تمام سا
کی تیاری میں دولت آصفیہ نے کوئی منافع حکومت برطانیہ سے نہ لیا۔

(۹) گھاس کے بہت بڑے ذخائر مفت دیدئے گئے جن پر ریاست کے بائیس ہزا
سالانہ خرچ کرتی رہی۔

(۱۰) جمعیت سرکار عالی نے ۱۶ خچر، ۱۵۰ گھوڑے اور توپ خانہ کے ۳۵ بڑے گھو
حکومت ہند کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر اور اس کے راستہ میں سہولتیں پیدا کرنے
کیلئے دیدیئے۔ اور نقد مالی امداد میں بھی کسی قسم کا تامل نہ کیا گیا مختلف جنگی قرضوں
میں شمولیت اختیار کی گئی۔ اور مالی امداد ایسے موقعوں پر کی گئی جبکہ ملک معظم کی گورنمنٹ
سخت مالی مشکلات میں مبتلا ہو رہی تھی۔ اور خطرہ تھا کہ وہ وقت برطانیہ کے وقار او

مالی امتیاز میں تزلزل نہ پیدا ہوجاوے ایسے موقعہ پر اعلیحضرت کی امداد اپنے رنگ میں

بے نظیر ہے

اور سچ تو یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر بنک آف انگلینڈ کی مالی امداد کی جبکہ اکی ساکھ خطرہ محسوس کر رہی تھی۔

غرض

دوران جنگ میں دولت آصفیہ کی اعانت و رفاقت کا عملی مظاہرہ ہوتا رہا۔ جب لڑائی ختم ہوگئی اور ان نقصانات کا درد محسوس ہونے لگا جو اس جنگ میں سپاہیوں کے مرنے یا مجروح ہو کر نکمے ہو جانے سے ہوئے تو اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے عساکر آصفیہ کی جان بازی کے صلے میں کمال کر دیا۔ مقتولین کے پس ماندان کو وظائف دیئے گئے انکی اولاد کی فوجی تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ داری حکومت نے لی۔ قابل ملازمت نوجوانوں کو ملازمت کے معاملہ میں مقدم کیا وہ لوگ جو مجروح ہو کر ناکارہ ہو چکے تھے۔ ان کو وظائف معقول ہی سے سرفراز کیا گیا اور یا سول ڈیپارٹمنٹ میں ان کے لئے موزوں ملازمتیں دی گئیں اور جن فوجیوں کے کارہائے نمایاں کو پیش کیا گیا۔ ان کے لئے مختلف قسم کے انعامات نقد و زراعتی رقبوں کے عطایا کی صورت میں دیے گئے۔ یہی نہیں بلکہ افواج کنٹنجنٹ (جو برٹش انڈیا کے ماتحت ہے) کے سپاہیوں کو بھی ممالک محروسہ کے متعدد اضلاع میں زرعی رقبے بطور انعام دیئے گئے۔

اس قسم کی امداد مادی اور مالی امداد کے علاوہ میرے نقطہ خیال سے سب سے بڑی وہ امداد ہے جو

آصفجاہ ہفتم نے اخلاقی امداد کے رنگ میں دی

اس اخلاقی امداد کی کیفیت بہت دلچسپ اور طویل ہے مگر میں اسکا بھی

بالاختصار ذکر کرونگا جنگ کا بازار جوں جوں گرم ہوتا گیا اور مختلف طاقتیں اور حکومتیں شریک ہوتی گئیں اور بعض ایسے موقع آ گئے جو

مذہبی حیثیت سے نہایت نازک تھے

انہیں سے ایک ترکوں کا جنگ میں شریک ہونا تھا ترکی حکومت کا رئیس اس وقت خلیفۃ المسلمین سمجھا جاتا تھا اور خلافت کا اثر تمام اسلامی دنیا پر پڑ سکتا تھا اعلیحضرت نے اپنے اخلاقی اور اسلامی اثر سے کام لیکر ترکوں کو شریک جنگ ہونے سے روکنا چاہا مگر یہہ ممکن نہ تھا۔ ترکوں کی زندگی اور موت کا سوال تھا اور ان کے لیئے بجز شریک جنگ ہونے کے چارہ نہ تھا۔ اس کا نتیجہ عربوں میں مخالفت کا سلسلہ شروع ہو گیا وہ کن حالات اور اسباب کے ماتحت ہوا اس کے ذکر کا یہ موقعہ نہیں واقعہ یہ ہے کہ اختلاف ہوا اور اس اختلاف نے ہندوستان کے مسلمانوں پر اثر ڈالا۔ قریب تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں حکومت ہند کے خلاف مخالفت کا طوفان برپا ہو جاتا مگر ایسے موقعہ پر

آصفجاہ ہفتم نے اٹھتے ہوئے طوفان میں سکون پیدا کر دیا

اعلیحضرت نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے اخلاقی اثر سے برطانیہ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی اور ایسے نازک وقت میں انکو وفادار رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس تحریک کا اثر اسقدر غالب اور قوی تھا کہ

ہندوستان کے مسلمانوں نے ہزار ہا رنگروٹ بھیجے

اور مسلمانوں کی اس خدمت کا لفظی اعتراف انگلستان اور ہندوستان کے تمام حکام نے کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جنگ عظیم کو کامیاب بنانے کے لیئے برطانیہ کی سر تحریک میں نمایاں حصہ لیا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اعلیحضرت نظام دکن کی تحریک زیادہ موثر اور غالب رہی ورنہ مختلف قسم کے خطرات کا احتمال تھا۔

اُس وقت اِس امداد کی تعریفوں میں انگلستان کے سیاسی مشاہیر اور اخبارات بے انتہا مصروف تھے مگر مجھے یہ کہنے میں تامّل نہیں کہ

یہ لسانی اعتراف تھا عملی نہیں تھا

جنگ ختم ہوگئی اور ملکِ معظم انگلستان نے اعلیحضرت کو ہز اگزالٹڈ ہائینس کے خطاب اور یارِ وفادار دولتِ برطانیہ کے القاب سے اپنے دستخطی خط میں مخاطب فرمایا۔ انگریزی اعلیٰ حکام متعینہ ہند اور شہزادہ ویلز (حال ملکِ معظم) نے ان خدمات کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت آصفجاہ ہفتم کی نہ صرف تعریف و تحسین کی بلکہ اخلاص کے جذبات میں ان خدمات کا شکریہ ادا کیا۔

اختتامِ جنگ پر اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے مبارکبادی کا تار جو ملکِ معظم کو دیا اور جو جواب ملکِ معظم نے بھیجا اس میں ان خدمات کا اعتراف ہے اس لئے میں اسے یہاں دیکر اس حصہ کو ختم کر دیتا ہوں۔

اعلیحضرت کا پیام

حکومتِ برطانیہ کے یارِ وفادار کی حیثیت سے اپنی اور اپنی رعایا کی خدمت میں برطانیہ عظمیٰ اور اس کے حلیفوں کی نمایاں فتح پر نیز تمام دنیا پر مسلط جنگِ عظیم کے بخوبی خاتمے پر گرم جوشی کے ساتھ اپنی عقیدت مندانہ و مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں خدا کرے کہ سارے عالم میں غیر متزلزل امن قائم ہو جاوے اور ان برکات میں اضافہ ہو جاوے جن سے ساری سلطنتِ برطانیہ آپ کی و حکمرانی میں مستفید ہو رہی ہے

حضور ملکِ معظم کا جواب

اس ہولناک جنگ کے خاتمہ پر آپ نے جو محبت آمیز اور موثر پیام بھیجا ہے میں اس کی بڑی قدر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آئندہ بہ توفیقِ الٰہی دنیا کو امن نصیب ہو۔ مجھے اس پر فخر ہے کہ جنگ میں میری ہندوستانی افواج نے ایسی

شاندار خدمات انجام دین اور یورا گزالٹڈ ہائنس اور دیگر والیان و سرداران ہند نے ہمیشہ غیر متزلزل اور موثر طور پر امداد دی ہندوستان اسکے روسا اور اسکے اقوام کی شجاعت کی یاد امپائر میں تا ابد تازہ رہیگی میری تمنا ہے کہ افواج حیدرآباد کی گراں بہا خدمات پر

آپ کو بذات خود مبارکباد دوں

اُن خدمات کا اعتراف لفظوں سے آگے نہیں گیا گو آصفجاہ ہفتم نے تجارتی رنگ میں کوئی سودا حکومت برطانیہ سے نہ کیا تھا بلکہ انہوں نے ان عہود و مواثیق کو عملی رنگ میں پورا کیا جو آپ کے دودمان آصفی نے دولت برطانیہ کے نمائندوں سے کئے تھے ۔

اعلیحضرت کی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کے ایک مظاہرہ کا تعلق اس جنگ سے اور بھی ہے ۔ اور میں اسکو اسی جگہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنگ عظیم کامیابی کے ساتھ ختم ہوگئی مگر اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں ایک اندرونی خلفشار جنگ عظیم میں کئے ہوئے وعدوں کے ایفاء کے لئے شروع ہوگئیں اور کانگریس اور خلافت کی تحریک میں ایک شدت پیدا ہوگئی ۔ مختلف تحریکیں ترک موالات اور ستیاگرہ ۔ سودیشی وغیرہ کے رنگ میں ملک کے مختلف حصوں میں شروع ہوگئیں ۔ اور بعض حصص ملک میں تو خطرناک رنگ پیدا ہوگیا جیسے پنجاب میں مارشل لا جاری کرنا پڑا جہاں خطرناک ہنگامے ہوئے اور انہیں ایام میں افغانستان نے اپنی آزادی کی جنگ شروع کردی اعلیحضرت نے ایسے موقع پر بھی ایسی حزم و احتیاط سے کام لیا اور حکومت برطانیہ سے اپنے حقوق طلب کرکے حکومت کی پریشانیوں میں اضافہ کرنا پسند نہیں کیا ۔ اگرچہ بعض سیاسی مدبر اسے آصفجاہ ہفتم کی سیاسی غلطی کہتے ہیں اور ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہی وقت اپنے حقوق کے مطالبات کے لئے موزوں تھا مگر

آصفجاہ ہفتم نے اسوقت بھی اپنی بلند حوصلگی کا اظہار کیا

اور جس حکومت کو ان کے یار وفادار ہونے پر اعتماد ہے اس اعتماد کو متزلزل نہ ہونے دیا۔ اور سیاسی اخلاق کی بجائے اسلامی اور حقیقی اخلاق کو بتایا۔ کسی قسم کا مطالبہ اس تمام زمانے میں نہیں کیا گیا بلکہ اس قسم کے فتنوں کے فرو کرنے اور ممالک محروسہ کو اس قسم کی تحریکوں سے پاک رکھنے میں

پوری قوت سے کام لیا

وہ چاہتے تو براڑ کا سوال اسوقت اٹھا سکتے تھے مگر نہیں اسے اس وقت تک ملتوی کر دیا گیا جبکہ حکومت برطانیہ ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی جھگڑوں پر قابو پا چکی تھی۔ مجھے یہاں براڑ کے مسئلہ پر بحث نہیں کرنا بلکہ صرف آصفجاہ ہفتم کی اولوالعزمی کا ایک پہلو بیان کرنا تھا۔

غرض

اس جنگ عظیم میں اعلیحضرت سلطان دکن نے آصفی ہاؤس کی تمام روایات وفاداری اور عہد ناموں کی پاسداری کے متعلق اپنا عملی نمونہ پیش کیا۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں پرنس آف ویلز ہمارے موجودہ شاہنشاہ ہند اڈورڈ ہفتم جب حیدرآباد آئے تو انہوں نے نہایت تفصیل کے ساتھ شاہی دعوت کی تقریب پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا چونکہ اب وہ قیصر ہند ہیں۔ میں انکی اس تقریر کو ایک تاریخی تقریر کی حیثیت سے اس موقع پر درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اسلئے بھی کہ اس تقریر میں سلطانِ دکن کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔

"یور اگزالٹڈ ہائنس، لیڈیز و جنٹلمین!

"میں یور اگزالٹڈ ہائنس کا ان پر اثر الفاظ کے لئے جن سے میرا جام صحت تجویز کیا گیا ہے اور شاہانہ دعوت کے لئے جو آپ نے مجھے دی ہے۔ نہایت شکر گزار ہوں۔

میں حیدرآباد آنے کا خواہشمند تھا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ جو دوستی ورشتۂ اتحاد ہمارے خاندان اور حیدرآباد کے حکمرانوں کے درمیان قائم ہے میرے ذاتی تعارف کی وجہ سے وہ مستحکم ہو جائے۔

"تاریخ میں حیدرآباد اور حکومت برطانیہ کے باہمی رشتۂ اتحاد و دوستی کو صاف صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جب سے ہندوستان میں حکومت برطانیہ قائم ہوئی ہے حیدرآباد اور اس کے حکمرانوں نے یکساں طور پر ہمارے مقاصد کے مطابق کام کیا ہے۔ ٹیپو سلطان، مرہٹوں اور پنڈاریوں کے برخلاف اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ابتدائی معرکے اس رشتے کے استحکام کا بیّن ثبوت ہیں اور جن عہد ناموں اور اتحادِ باہمی کی بنا پڑی وہ تاریخ ہند میں بہت بعد کے واقعات ہیں، زیادہ قریب کے واقعات اس مبارک ابتداء کا لازمی نتیجہ ہیں۔ جو واقعات، یعنی ہندوستان کا غدر اور حالیہ جنگ عظیم حکومتِ برطانیہ پر اثر انداز ہوئے ہیں ان دونوں اہم واقعوں اور ان دونوں مشکل واقعات کے رونما ہونے پر اپنی قدیم روایات برقرار رکھتے ہوئے حیدرآباد نہایت ہی ثابت قدم رہا ہے"

"۱۸۵۷ء کے غدر میں حیدرآباد کی مسلّمہ وفاداری نے سلسلۂ ست پڑا سے اقصائے جنوب تک سارے ہندوستان کو عالمگیر فسادات سے جن نے ہمارے اضلاع شمالی کو پریشان کر رکھا تھا، پاک و مامون رکھنے کے لئے بہت کچھ مدد کی۔ جنگ عظیم میں جو اب ختم ہو چکی ہے (جس سے مجھ کو مسرت ہوئی ہے) موجودہ نیک نام حکمراں کی زیر حکومت حیدرآباد نے ایسی اخلاقی اور مادی امداد دی ہے جس سے بلا شبہ یہ پایا جاتا ہے کہ یونائیٹڈ ہائنس نے "وفادار دوست سلطنت برطانیہ" کے القاب کے مفہوم کو جسے حال ہی میں حضور ملک معظم نے باضابطہ طور پر تسلیم فرمایا ہے، بڑی ثابت قدمی کے ساتھ صحیح طور پر عملی جامہ پہنا دیا ہے۔ ہمیشہ دائرہ تقریر میں غالباً یہ

ناممکن ہوگا کہ جو جو امداد یور اگزالٹڈ ہائنس نے دی ہے اُن سب کا اعادہ یہاں کرسکوں
میں صرف مشہور مشہور واقعات کا ذکر کرونگا۔ سب سے اوّل تو یہ کہ امپیریل سروس لانسرز
اور بیسویں دکن ہارس کو آغاز جنگ سے اس کے ختم تک تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپیہ کے ذاتی
صرف سے میدانِ جنگ میں موجود اور تیار رکھا گیا۔

" امپیریل سروس لانسرز کے قابل تعریف کارنامے یور اگزالٹڈ ہائنس کے لیے
باعث فخر ہیں۔ دکن ہارس کے متعلق میں صرف یہ کہونگا کہ بلحاظ اس کی خدمات حسنہ
کے ہز مجسٹی ملک معظم نے سال گزشتہ اس کے نام کے ساتھ "رائل" کا لقب ایزاد فرمادیا
اس فوج کے کرنل ہونے کی حیثیت سے آپ نے اُن کو جدید قسم کی تلواریں اور افسروں کو
گھوڑے دے کر اپنی دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے، مالی امداد غیر محدود طور پر دی ہے منجملہ
دیگر رقومات کے میں ان چیزوں کا ذکر کرونگا۔ ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ روپیہ بطور رقم جنگ
اور دو لاکھ پونڈ آبدوز لڑائی اور برہم رسائی ٹینک و ہوائی جہاز وغیرہ میں آپ نے دیئے
۲۵ ہزار پونڈ سلور ویڈنگ فنڈ میں برائے امداد پس ماندگان ذاکارگان۔ ۱/۲ ۲ الاکھ روپے
امپیریل انڈیا ریلیف فنڈ کے لیے اور ایک لاکھ میرے اپنے فنڈ میں آپ نے اور
عنایت کیے۔ کسی معاملے میں بھی خفیف سے خفیف تعلق ہم سے کیوں نہ ہوا ور
خواہ کوئی ضرورت ہو، مثلاً سروین ریلیف فنڈ، بلجین ریلیف فنڈ یا جنگ کے آفت
زدہ افسروں کا امدادی فنڈ ہو، یور اگزالٹڈ ہائنس سے جو اپیل کیا گیا وہ کبھی خالی نہیں
گیا۔

اُن سپاہیوں کو جو جنگ میں شریک ہوکر اپاہج ہوگئے تھے اور اُن لوگوں کے
پس ماندگان کو جو جنگ میں کام آئے تھے، یور اگزالٹڈ ہائنس نے بطور یادگار صلح ایک
قطعہ اراضی عطا فرمایا اور اُن کو وہاں آباد کرکے اس مقام کا نام صلح نگر کیا۔

" علاوہ ازیں اور معاملات میں بھی یور اگزالٹڈ ہائنس نے ہم سے ساتھ اپنی

گہری دلچسپی اور کم نہ ہونے والی دوستی کا اظہار فرمایا۔

یور اگزالٹڈ ہائنس، آپ کو ملک معظم کی جانب سے اعتراف کے طور پر بڑے بڑے امتیازات حاصل ہیں اور وہ معزز القاب جو یور اگزالٹڈ ہائنس کو عطا ہوئے ہیں جو حیدرآباد کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے اُن لاثانی کارناموں اور قابل فخر منزلت کو جو اس ریاست کے حکمران کو حاصل ہے دنیا کے روبرو ظاہر کرتے ہیں۔ آپ کی مہربانی اور عنایت کا میں بیحد ممنون ہوں اور اب میں حاضرین سے جس ریاست کے کارناموں کا معترف ہوں اُس کے نامور حکمران کی درازی عمر و اقبال کے لئے میرے ساتھ جام صحت پینے میں شریک ہونے کی تحریک کرتا ہوں۔"

دولتِ آصفیہ عثمانیہ کے شاہزادوں کا رشتہ مناکحت دولتِ عثمانی ترکی سے

اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کے عہد ترقی کا یہ واقعہ بھی ایک عظمت کا پہلو لئے ہوئے ہے کہ اسوقت تک دولت آصفیہ کے تعلقات صہری اور مناکحت حیدرآباد سے باہر ہندوستان تک بھی وسیع نہ ہوئے تھے مگر عہد عثمانی میں یہ سلسلہ حیدرآباد اور ہندوستان سے باہر نکل کر دنیا کی مشہور و معروف اسلامی حکومت (ترکی) جو صدیوں سے خلافت اسلامیہ کی قائم مقام سمجھی جاتی ہے اور جسکا بادشاہ خلیفۃ المسلمین کہلاتا تھا) سے جا ملا۔ اور ولیعہد دولت آصفیہ اور ان کے برادر عزیز شاہزادہ معظم جاہ بہادر کے تعلقات صہری خاندان آل عثمان سے قائم ہوگئے۔

اس شادی پر ولایتی اخبارات نے جو تبصرے کئے انکا بھی کسیقدر اقتباس دیدیا جاویگا۔ اعلیحضرت سلطان دکن نے شہزادیوں کے مہر کے متعلق ایک حکیمانہ انتظام ادائیگی اور مستقل آمدنی کا کردیا اور اسلامی طریق پر مہر کو فوراً ادا کردیا۔ یہ تمام امور ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔
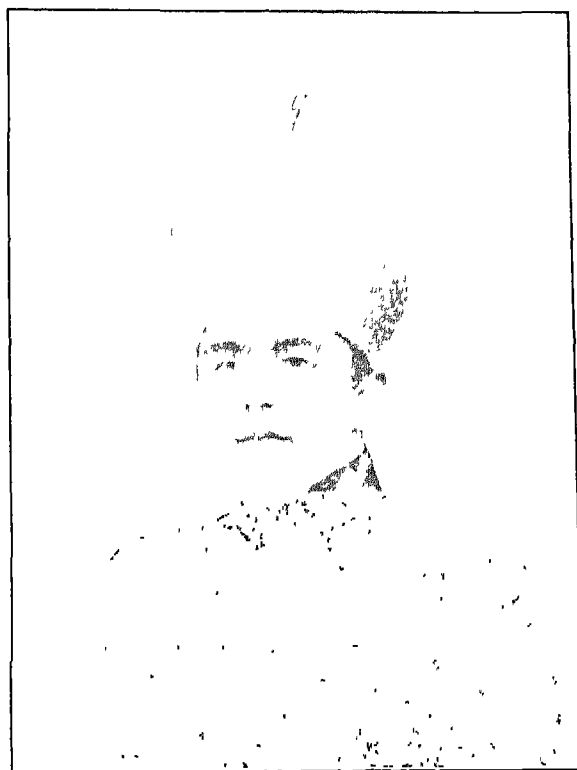
ہز ہائنیس پرنس آف برار ولیعہد بہادر سلطنت آصفیہ

حضرت ولیعہد بہادر کی شادی کا پیغام اور تحریک

مولانا شوکت علی صاحب (جو ان رشتوں میں واسطہ تھے) نے اس حقیقت کو اسطرح بیان کیا ہے۔

یہ رشتہ صرف اعلیحضرت ہز اگزالٹڈ ہائنس حضور نظام کی معاملہ فہمی اور اسلام پرستی کا نتیجہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے جو میرا تعلق حضور خلیفہ سے ہے۔ میرا ذاتی تعلق نہیں بلکہ محبت خلافت اور ہندوستان کے مسلمانوں کا تعلق ہے۔ اسی بنا پر جب میں گزشتہ سال نیس گیا تھا تو چند گھنٹوں میں ہی مطلب کی سب باتیں ہو گئی تھیں۔ اور اعلیحضرت میرے ہمخیال تھے کہ نوعمر شہزادیوں کی شادی جلد ممالک اسلامی میں کرادی جائیں اور ان کو یورپ کی ہوا سے نکالکر اسلامی ماحول میں رکھا جائے۔ واپسی پر قاہرہ میں شہزادی عفت حسن کے ذریعہ سے جو ملک فواد بادشاہ مصر کی بھتیجی ہیں۔ ترکی شہزادی سے ملاقات ہوئی اور ان کی حالت زار دیکھکر اور حالات سنکر دل تڑپ گیا۔ بعد کو بیروت میں بڑی تعداد میں ترکی خاندانوں کے شہزادوں اور شہزادیوں سے ملا۔ اور سب کو ہمخیال بنالیا۔

جب حیدر آباد گیا اور اعلیحضرت حضور نظام سے شرف حضوری حاصل ہوا حضور والا نے ایک اسلام کے خادم سے محبت سے گفتگو فرمائی۔ تو میں نے اپنا فرض سمجھا تمام حالات سے اسلام کے اس سچے حامی کو مطلع کردوں۔ جب ان آل عثمانی شہزادیوں کا تذکرہ آیا تو حضور نظام نے خود دریافت فرمایا کہ حضرت خلیفہ کی شہزادی سے بڑے شاہزادے کا رشتہ ہوجائے تو کیسا؟

" اندھا کیا چاہتا ہے؟ دو آنکھیں "! میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ ۱۲ بجے دن کو رخصت فرمایا۔ دوپہر کو خود اپنے خاصہ میں سے کھانا بھجوایا۔ اور دوبارہ ۳ بجے پھر طلب فرمایا" اور مجھکو ہدایت کی کہ اس رشتہ کے لئے میں پوری کوشش کروں۔ بعد کو تحریرا بھی

ہدایت فرمائی۔ مسٹر محمد مارماڈیوک پکتھال کو بھی ہدایت فرمائی اور وفد حیدرآباد کے صدر سر اکبر حیدری کو بھی۔ جب میں جہاز سے فرانس میں اترا تو سیدھا نیس گیا حضور خلیفہ نے خود اپنے مکان میں ٹھہرایا اور جب میں نے اس معاملہ کا اپنے طریقہ سے مناسب موقع پر تذکرہ کیا تو فرمایا کہ "میں نے کئی شہزادوں کے پیام رد کر دئیے مگر میں کس طرح ہندوستان کے پیام کو رد کر سکتا ہوں۔ جبکہ وہاں کے مسلمانوں نے میرے ملک میری قوم اور میرے خاندان کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا اظہار کیا ہے۔ اور جبکہ میرا دل جانتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں خالص اسلامی جذبات کس قدر قابل قدر ہیں۔" اگر دونوں شہزادے اور شہزادیاں اس رشتہ کو منظور کریں اور بخوشی قبول کریں تو میں بہت خوش ہوں گا۔ شہزادی دُرِّ شہوار نے جو بچپنے سے اپنے عزیزوں اور بڑوں کا ساتھ دیا کرتی تھیں۔ اور ہمیشہ حیا و شرم اور اسلامی پردے کے ساتھ سامنے آیا کرتی تھیں۔ اپنی تصویر دی تھی۔ جو میں نے اسی وقت مفصل خط کے ساتھ اعلیحضرت حضور نظام کو ہندوستان بھیج دی۔ یہ شہزادی پری نہیں بلکہ حور ہے۔ صورت اور سیرت علم اور شرافت ہر چیز موجود ہے۔ اور اسلام کی سچی شیدائی دونوں شہزادے کاتر میں اتفاق سے موجود تھے۔ جو نیس سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر تھا میں فوراً موٹر میں گیا۔ اور ان دونوں سے ملا۔ بڑے شہزادے نہایت قابل اور نیک اور شریف انسان ہیں۔ ان سے نیس کے حالات بیان کیا اور ان کو وہاں سے دلچسپی دلائی۔ واپس آکر کاتر کے حالات نیس میں بیان کیا اور چونکہ اکتوبر میں باقاعدہ ملنے والے تھے اس لئے دونوں طرف ایک گونہ تعارف ہو گیا بقول شاعر ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

جب اکتوبر میں شاہزادے گئے تو خلیفہ نے مجھکو بھی بلایا۔ تو تمام معاملات

طے ہوگئے واپسی سے قبل مجھ سے فرمائش ہوئی کہ چھوٹے شہزادے صاحب کے لئے بھی
اسی خاندان میں رشتہ ہونا چاہئے۔ میں نے اسیوقت سے کام شروع کر دیا۔ اور پیرس
میں اسکو بڑھایا وہاں نواب زاہد علی بھی مل گئے۔ میں خود تو لندن آ گیا۔ اور زاہد کو دونوں شہزادوں
نے روک لیا۔ اور ایک ہفتہ ہمراہ رکھا۔ اور اس عرصہ میں شہزادی نیلوفر کا رشتہ بھی ہو گیا۔
عمر قریب ۱۷ سال کی ہے۔ نہایت ذہین اور ہوشیار شہزادی ہیں۔ اور حسن کا تو کیا
کہنا ہر شخص اس نیک نو عمر شہزادی سے محبت کرتا ہے۔ سر اکبر حیدری اور نواب مہدی یار جنگ
کی کوششوں سے تمام مراحل طے ہو گئے اور الحمد للہ ۱۲ نومبر کو نکاح ہو گیا۔
الحمد للہ ذوالکرم اب یہ مبارک و محترم قافلہ حیدرآباد جا رہا ہے جہاں دل کھول کر
شادی کی خوشیاں منائی جائیں گی۔
مجھے خوشی ہے کہ خدائے برتر نے تمہارے لئے اس مبارک تقریب کا سامان فرمایا۔"

حضرت ولیعہد بہادر اور شہزادہ معظم جاہ کا سفر پیرس

یورپ بلاد اسلامیہ اور ہندوستان میں دولت آصفیہ کے شاہزادوں کی شادی
تقریب ایک خاص دلچسپی کا مضمون رہی ہے۔ مغرب نے مشرقی شادیوں کی تقریب
اپنے ملک میں کم دیکھی [illegible] ایسی شادی جو شادی [illegible] تقریب [illegible]
اعلیٰحضرت نظام دکن [illegible]
ہے اور سابق [illegible] لوگوں کا خیال
تھا کہ اس تقریب [illegible] الف لیلیٰ
کی کہانیوں کی طرح [illegible] ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے دیکھا کہ
اسلامی شان کو [illegible] سادگی کے ساتھ شہزادگان [illegible] کی
پارلیمنٹ [illegible]
[illegible]

حد تک مد نظر رکھا چنانچہ ان کی روانگی کے منظر کو سان برق نے ہندوستان کو جس طرح آگاہ کیا ہے۔ اسے میں یہاں درج کر دیتا ہوں تاکہ پڑھنے والے تصور کی آنکھ سے اسے دیکھ سکیں۔

اگر وقت مساعدت کرتا تو میں چاہتا تھا کہ ان تمام تقریبوں کی تصاویر بھی درج کر دیجاتیں مگر میں قاصر رہا۔ تاہم میرا ارادہ ہے کہ اللہ تعالی نے توفیق دی تو کسی دوسرے موقع پر اسکی تکمیل کر سکوں۔

شہزادگان دولت آصفیہ کی نیس کو روانگی

لندن۔ ۱۰ر نومبر آج شہزادہ اعظم جاہ ولیعہد دولت آصفیہ جو دنیا بھر کے متمول ترین رئیس کے فرزند ارجمند ہیں۔ حیدرآباد کے شاہی خاندان کی روایات کے مطابق (جن پر شاہی خاندان کے تمام ارکان دوران سفر میں کاربند رہتے ہیں) اپنے بائیں بازو پر فیتہ باندھے "گولڈن ایرو" میں سابق خلیفۃ المسلمین کی نور نظر شہزادی درشہوار سے شادی رچانے کی خاطر لندن سے نیس کو روانہ ہوئے۔ شہزادہ والا تبار کے ہمراہ گاڑی میں سے کسانوں کے لئے پھینکنے اور ریلوے اسٹیشنوں پر غرباء میں تقسیم کرنے کے لئے خاصی تعداد میں زر نقد موجود تھا۔ شہزادہ ممدوح ایک معمولی کمپارٹمنٹ میں اپنے برادر اصغر و انگیر نیز دوستوں نیز عملہ کے دو اشخاص کے ہمراہ سوار تھے۔ ایک ولایتی گلاب کا پھول آپ کے لباس کی زینت تھا۔ شہزادہ اعظم جاہ سابق سلطان ٹرکی کی اکلوتی بیٹی سے شادی کر رہے ہیں۔ اور شہزادہ معظم جاہ حضور نظام کے دوسرے صاحبزادے کی شادی سابق سلطان کی ایک عزیزہ شہزادی نیلوفر سے ہو رہی ہے۔ شاندار مہمانوں کا ہجوم نیس میں شہزادگان کی آمد کا منتظر ہے۔ شادی کی رسم قصر کرابال میں پنجشنبہ کے روز نہایت سادگی کے ساتھ انجام پذیر ہوگی۔

ورود نیس

پرنس حضرت ذرشہوار دردانہ بیگم صاحبہ

دولت آصفیہ کے شہزادگان بلند اقبال بہ حیثیت دولہا جب نیس پہونچے تو سلطان کے نمائندہ نے آپکا پرتپاک استقبال کیا۔ ہندوستان کی بہت بڑی جماعت بھی اس موقعہ پر خوش آمدید اور ہدیہ تبریک پیش کرنے کے لئے اسٹیشن پر موجود تھی۔ سب نے اظہار عقیدت واخلاص کیا اور شاداں و فرحاں شاہی دولہاؤں کی پارٹی جائے قیام کو روانہ ہوئی۔ آپ ۱۱ر نومبر کو وہاں پہونچے نکاح کی تقریب ۱۲ر نومبر ۱۹۳۱ء کو ۳ بجے بعد دوپہر عمل میں آنیوالی تھی۔

ہندوستان میں ورود نیس کی خبر شایع ہوگئی۔

تقریب نکاح ساعت سعید اور وقت مقررہ پر بین الظہر والعصر دولت آصفیہ کے ولیعہد اور آپ کے برادر عزیز شاہزادہ معظم جاہ کا تاریخی نکاح نیس میں ہوگیا۔ نکاح خود سلطان عبدالمجید سابق سلطان ٹرکی نے پڑھا۔ شاہزادیاں عام طریق اسلام کے موافق اس موقعہ پر نکاح کی مجلس میں موجود نہ تھیں۔ اس نے یورپ کے لوگوں کو عجیب و غریب حیرت بنایا۔ دونوں شاہزادیوں کا مہر ۲۵ ہزار اور پندرہ ہزار پونڈ علی الترتیب مقرر ہوا۔ یعنے شاہزادی درشہوار کا ۲۵ ہزار اور شاہزادی نیلوفر کا پندرہ ہزار پونڈ۔ یہ مہر اعلیٰحضرت سلطان دکن نے ادا کر دیا اور اس کے متعلق ایک خاص فرمان شایع ہوا ہے۔ جسکو میں بعد اسی سلسلہ میں درج کرتا ہوں۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۳۱ء کو نیس سے زبان برق نے اس تقریب کا جو منظر پیش کیا وہ حسب ذیل ہے۔

نیس ۱۲ر نومبر دنیا کے دو سب سے بڑے اسلامی خاندان آج نیس میں متحد ہوگئے۔ جبکہ مغرب کے اس شہر میں مشرق کی باوقار ہستی نظام دکن کے شہزادے ولیعہد بہادر کی شادی اعلیحضرت سابق خلیفۃ المسلمین عبدالمجید خاں آفندی کی ہفدہ سالہ حسین ترین شہزادی درشہوار سے ہوئی۔

شہزادہ بہادر نے اس وقت تک اپنی دلہن کو نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ نکاح خوانی

کیوقت بھی موجود نہ تھی۔ ان کی رضامندی کا اظہار ایک وکیل اور دو شاہدوں نے مجلس میں آن کر کیا۔

سرکاری بیان مظہر ہے کہ شہزادہ اعظم جاہ بہادر کا خطبہ نکاح اعلیحضرت عبدالمجید خان آفندی سابق امیرالمومنین نے اپنی زبان مبارک سے پڑہا اور ان کے بعد شہزادہ معظم جاہ بہادر کا خطبہ نکاح بھی اعلیٰحضرت سلطان ہی نے پڑا۔ (شہزادہ معظم جاہ بہادر کی شادی بھی اعلیحضرت سابق امیرالمومنین کی بھتیجی شہزادی نیلوفر سے ہوئی ہے) ہر دو عقدوں کی رسوم حضور نظام عالیمقام کی مجلس منتظمہ کے تین اراکین کے روبرو انجام پائیں۔

نکاح نامہ پر شہزادوں کی طرف سے سر اکبر حیدری نے دستخط کیے اور شہزادیوں کی جانب سے اعلیحضرت خلیفۃ المسلمین کے بڑے صاحبزادے شہزادہ فاروق نے دستخط ثبت فرمائے۔

۱۲ نومبر شہزادہ اور ولیعہد بہادر کی سالگرہ کا دن بھی ہے اس وجہ سے اس دوسری مبارک رسم کے لیئے بھی یہ دن مقرر کیا گیا۔

اس شادی پر ولایتی اخبارات کے تبصرے

اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہٗ کی دولتمندی کے تذکرے | ولایتی اخبارات کا مذاق عجیب و غریب ہے وہ اپنے اخبار کے پڑھنے والوں کو سنسنی خیز اور نادر و نایاب خبریں مہیا کرنے کے بڑے شوقین ہیں۔ اس مقصد کے لیئے انکی کوششیں اور خبروں کی بہم رسانی کے طریقے بجائے خود ایک دلچسپ کھانی بنجاتی ہے۔ میں نے اس قسم کے نظارہ اپنی آنکھ سے یورپ میں دیکھے ہیں کہ ایک اخبار کا رپورٹر کسی خاص خبر کے حاصل کرنے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلتا ہے۔ ولیعہد بہادر کی شادی پر ولایتی اخبارات میں جو مضامین نکلے شائع ہوئے ہیں ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے میں نمونہ

حضرت والاشان نواب معظم جاہ بہادر
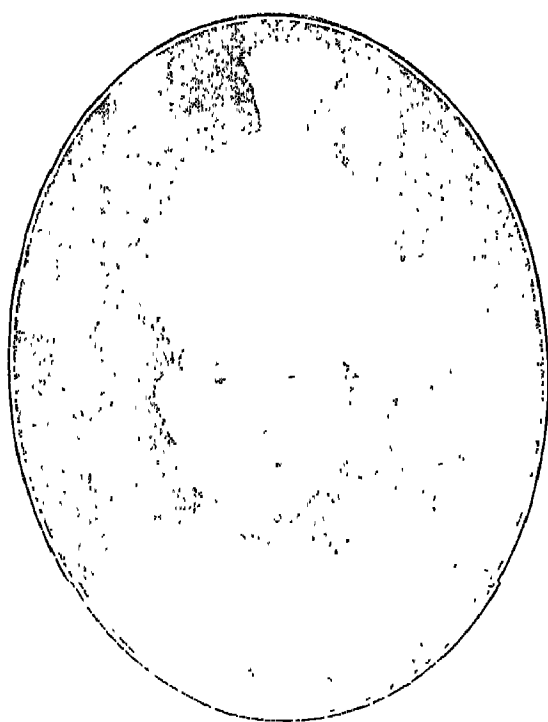
طور پر ڈیلی ٹیلیگراف اور ڈیلی اکسپریس کے اقتباسات درج کرتا ہوں۔ جو مصری اخبار البلاغ سے لیکر ہند نے شایع کیئے ہیں۔ امید ہے حاضرین اسے دلچسپی سے پڑہیں گے

(عرفانی)

لندن کا اخبار ڈیلی ٹیلیگراف راوی ہے کہ اعلیحضرت نظام حیدرآباد اتبک سلطان ٹرکی عبدالمجید خان کو ماہوار تین سو پونڈ وظیفہ دیا کرتے تھے مگر اپنے ولیعہد کی سابق سلطان کی صاحبزادی سے شادی کے بعد نظام نے یہ وظیفہ بڑہا کر ایکہزار پونڈ کر دیا ہے۔

نظام حیدرآباد کی دولتمندی

نظام حیدرآباد ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی ریاست کے مالک ہیں۔ تمام دنیا میں اپنی دولتمندی کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ ان کی دولت کی نسبت عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اب گنتی و شمار سے باہر ہو چکی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ روئے زمین پر ان سے زیادہ مالدار کوئی بادشاہ یا حکمران نہیں ہے۔ انکے ولیعہد کی عمر ۲۴ برس کی ہے ایک دن وہ حیدرآباد کے نظام بنیں گے۔ اور اس تمام دولت و ثروت کے مالک ہوں گے۔

درشہوار خانم

ولیعہد کی دلہن درشہوار خانم بنت عبدالمجید آفندی کی عمر ۲۲ سال ہے وہ بہت سی زبانوں کی عالم ہیں۔ موسیقی میں کمال رکھتی ہیں۔ تصویر و نقاشی میں نہایت ماہر ہیں۔ فنون جمیلہ کی طرف یہ رغبت انہیں اپنے جلیل القدر والد سے وراثتاً ملی ہے۔ عبدالمجید آفندی تصویر و نقاشی و موسیقی میں دنیا کے ایک مسلم استاد تسلیم کیئے جاتے ہیں جب وہ تخت قسطنطنیہ کے مالک تھے تو اسوقت بھی فرصت کے اوقات اس ایوان میں گزارا کرتے تھے جو فنون جمیلہ کے آلات و سامان سے آراستہ تھا۔ کبھی پیانو بجاتے تھے اور کبھی تصویریں بناتے تھے قسطنطنیہ سے جلاوطنی کے وقت وہ اپنے ساتھ دستی تصاویر کا

ایک ایسا مجسمہ یورپ لیگئے ہیں جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔
شاہزادی درِشہوار اب تک قدیم عثمانی روایات کی پابند ہیں۔ یوروپین تہذیب کی بے حیائیاں اور عریانیاں ان کے محل سے کوسوں دور ہیں۔ وہ سادہ زندگی بسر کرتی ہیں۔ اور بیجا آراستگی و نمائش سے متنفر ہیں۔

ڈیلی اکسپریس کا تبصرہ

لنڈن کے اخبار ڈیلی اکسپریس نے ولیعہد حیدرآباد کی شادی پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے۔ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے یہ شادی تمام دنیائے اسلام پر گہرا اثر ڈالیگی مشرق و مغرب میں کروڑوں مسلمان اسے حد درجہ اہمیت کی نظر سے دیکھینگے کیونکہ عبدالمجید خان آفندی چند سال پہلے تک تمام دنیا کے مسلمانوں کے خلیفہ و امیرالمومنین تھے

نظام حیدرآباد کی دولت

نظام حیدرآباد کی دولت سندی کا ذکر اوپر گزر چکا ہے لیکن قارئین یہ دلچسپی معلوم کریں گے کہ فرانسیسی اخباروں کے خیال میں نظام کی دولت ایک سو ملین یعنی دس کروڑ پونڈ ہے اور اگر پونڈ کی موجودہ قیمت ۱۳ روپے فرض کی جائے تو نظام حیدرآباد کی دولت ایک ارب تیس کروڑ روپیہ قرار پاتی ہے۔ ایک فرانسیسی اخبار نے لکھا ہے کہ ہمارے نامہ نگار نے نظام سے شرف ملاقات حاصل کر کے سوال کیا۔ (نامہ نگار) کیا یہ سچ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی دولت ایک سو ملین پونڈ ہے۔ (نظام) اگر سچ پوچھو تو خود مجھے بھی اپنی دولت کا اندازہ نہیں۔ ممکن ہے سو ملین پونڈ ہو۔ ممکن ہے اس سے بھی زیادہ ہو۔ ممکن ہے کم ہو۔ میں یقین سے کچھ نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ مجھے صحیح اندازہ نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا کوئی عہدہ دار بھی میری دولت کا صحیح اندازہ نہیں رکھتا۔

ہندوستانیوں نے اس خبر کو کس طرح سنا کیا

ہندوستان میں جب یہ خبر پہونچی تو مختلف نقطۂ نظر سے اسکو دیکھا گیا سلطنت آصفیہ

حضرتہ نیاز فرحت بیگم صاحبہ
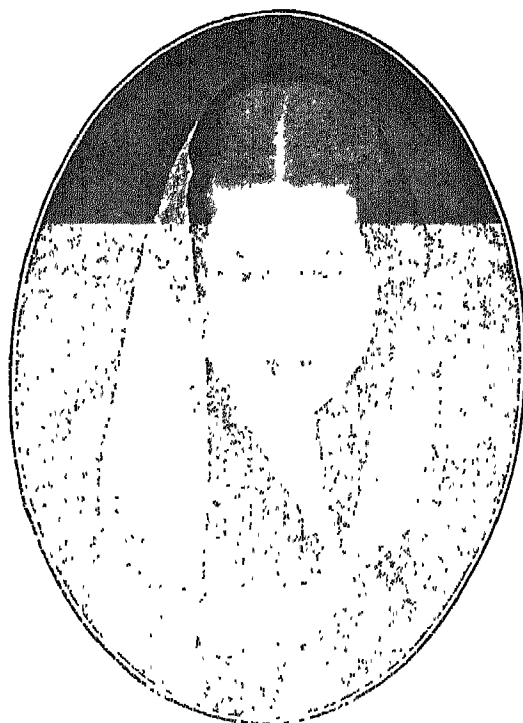
کے خیر طلب اسے اعلیٰحضرت کے عہد ہمایونی کی بہت بڑی برکت یقین کرتے تھے اور اسے بہترین فال سمجھتے تھے مگر بعض لوگ جو سیاسی خیالات کے نشیب و فراز پر غور کرنیکے عادی ہیں اسے خلافت اسلامیہ کے خاندان عثمانی میں منتقل ہونیکا پیش خیمہ قرار دیتے تھے بہرحال اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی ہندوستان میں یہ خبر نہایت مسرّت اور خوشی کیساتھ سنی گئی اور حیدرآباد نے تو بہت بڑے پیمانہ پر اس جشنِ عروسی کے منانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن اعلیٰحضرت کے تدبر و فرزانگی اور رعایا کی بہبودی اور خیر خواہی کے جذبہ نے اس جشن کو دائمی یادگار بنا دیا۔

سلطانِ دکن کا فرمانِ مبارک اور ادائے مہر

حضرت ولیعہد بہادر اور شہزادہ معظم جاہ بہادر کی تقریب شادی پر اعلیٰحضرت سلطانِ دکن خلد اللہ ملکہ کی طرف سے جو فرمانِ شاہی شایع ہوا ہے وہ ایک تاریخی اور اہم دستاویز ہے۔ یہ شادی شریعت اسلامیہ کے احترام کو مدِنظر رکھکر نہایت سادگی اور اسلامی شان سے ہوئی ہے۔ اعلیٰحضرت نے مہر کی رقم کو ادا کرکے اس سے متعلق ایک مستقل انتظام ٹرسٹ کا فرما دیا۔ یہ اعلیٰحضرت کے اقتصادی تدبر کی ایک شاندار مثال ہے۔ اس تقریب مبارک پر یکم رجب ۱۳۵۰ھ کو حضور کا حسب ذیل فرمان شایع ہوا ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ آج کا دن یعنی یکم رجب ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۲ / نومبر ۱۹۳۱ء خاندان آصفی ہی کیلئے نہایت مبارک و مسعود ہے۔ کہ رشتہ اتحاد دیگانگت درمیان ہر دو خاندان یعنی خاندانِ آصفی و خاندانِ عثمانی بتوسط عقد مستحکم ہوچکا ہے۔ یعنی ولیعہد ریاست حیدرآباد اعظم جاہ کے حبالۂ نکاح میں سابق سلطان ترکی عبد المجید خان کی اکلوتی صاحبزادی "دُرِّ شہوار" منسلک ہوئی ہیں۔ اور اسی طرح ولیعہد ریاست کے

حقیقی برادر معظم جاہ کے حبالہ نکاح میں خلیفہ موصوف کی حقیقی بھانجی صاحبزادی "نیلوفر" منسلک ہوئی ہیں۔

اوّل الذکر کا زرمہر ۲ ہزار پونڈ اور موخر الذکر کا زرمہر پندرہ ہزار پونڈ قرار پایا ہے اور یہ طے پایا ہے کہ یہ چالیس ہزار پونڈ کی رقم بہ توسط ٹرسٹ کی جائے تاکہ اس کے منافعہ سے ہر دو صاحبزادیاں متمتع ہوتی رہیں اس کے سوا منجانب اسٹیٹ حیدرآباد ہر دو عروس کی تیاری کے لئے مبلغ (۱۰۰۰۰ پونڈ) بطور عطیہ دیئے گئے۔ الحاصل بمقام نیس (جنوبی حصہ فرانس) خود خلیفہ نے بہ حیثیت قاضی بہ نفس نفیس روبروئے عہدہ داران سرکاری عقد پڑھا۔

اس انتظام بالا سے گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی اتفاق کیا۔ آخر میں میری دعا ہے کہ زمانہ آئندہ میں اس تاریخی واقعہ سے ہر دو خاندان کے لئے سب کچھ فلاح و بہبود کی جو توقع ہے وہ ضرور کامیاب ہوگی جس کے آثار ابھی سے نمایاں ہیں۔ مکرر چونکہ صاحبزادگان بلند اقبال کے عقد کی تاریخ حسن اتفاق سے میری سالگرہ کے دن واقع ہوئی ہے جس دن کہ عام تعطیل ہے۔

لہٰذا اس تقریب کی یادگار میں سال آئندہ سے ہر سال ۱۲ نومبر کو ایک دن کی عام تعطیل ممالک محروسہ میں قرار دیجائے اور یہ جریدہ غیر معمولی میں بغرض اطلاع عام شائع کیا جائے۔

شرح دستخط مبارک اعلیحضرت بندگان عالی متعالی
یکم رجب المرجب ۱۳۵۰ھ روز پنجشنبہ

باب حکومت کا قیام

عہد عثمانی کی گزشتہ پچیس سالہ تاریخ میں نظم و نسق حکومت کے سلسلہ میں

باب حکومت کا قیام

ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ میں نے حیات عثمانی میں مختلف مقامات پر اس امر کا ذکر کیا ہے کہ آصف جاہ ہفتم نے اپنے عہد حکومت کا پروگرام زمانہ ولیعہدی ہی میں تجویز کر لیا تھا۔ دولت آصفیہ اپنی انتظامی صورت میں ارتقائی مدارج طے کرتی ہوئی آ رہی تھی اور حضرت آصفجاہ ششم کے عہد تک مختلف صیغوں اور شعبوں کے انتظام میں ضروری تبدیلیاں ہو چکی تھیں لیکن یہ امر ابھی تک قابل اصلاح تھا کہ انتظام حکومت کی باگ

صرف وزیر اعظم کے ہاتھ میں تھی

اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے اس طرز حکومت کے نقائص پر نظر کر کے اس میں تبدیلی کا عزم مصمم کر لیا اور بالآخر ۲۱ نومبر ۱۹۱۹ء کو آپ نے حکومت کے اس دور جدید کو

باب حکومت کی شکل میں تبدیل کر دیا

نظم و نسق کی اس تبدیلی سے آپ نے دولت آصفیہ کو شاہراہ ترقی پر ڈالدیا اور رعایا کے لئے حصول انصاف کے لئے پوری آزادی اور آسانی کا سامان مہیا کر دیا۔ اور گذشتہ سولہ سال کے واقعات اور حالات نے بتا دیا ہے کہ اس جدید طریق حکومت نے ملک میں خوشحالی اور ترقی کی ایک لہر پیدا کر دی ہے۔ باب حکومت اور اس کے متعلق ضروری تفصیلات میں برکات عثمانی میں کروں گا۔ یہاں صرف تاریخی واقعات کے سلسلہ میں ایک اہم واقعہ کی حیثیت سے میں نے اسکا ذکر کر دیا ہے۔ افتتاح باب حکومت کی تقریب پر جو نطق عثمانی جریدہ کی صورت میں شایع ہوا اس کو میں یہاں درج کر دینا کافی سمجھتا ہوں

دربار افتتاح باب حکومت

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ

آج کا دربار ایک ایسے امر کو نمایاں کرنے کی غرض سے منعقد کیا گیا ہے جو اس مملکت کی تاریخ میں نہایت مہتم بالشان واقعہ ہے۔ سب کو معلوم ہوگا کہ اس مملکت کا قدیم طرز حکومت ذاتی حکمرانی رہا ہے۔ جس میں انصرام کار بذریعہ دیوان ہوتا رہا ہے۔ اور یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ باستثنا چند قابل قدر افراد کے وزراء سلف نے کن کن طریقوں سے اپنے آقا کی حکومت میں ضعف پیدا کرنے کی تدابیر پیش نظر رکھیں گو رعایا اور ملازم کی حیثیت سے وفاشعاری اون کا عین فرض تھا۔ دفاتر سرکاری میں وافر مواد موجود ہے جو حدود اختیار سے تجاوز کرکے باہمی تعلقات میں بدمزگی۔ خوبی انتظام میں خلل۔ اور فلاح عامہ میں نقصان پیدا کرنے کی شہادت دیتا ہے۔

حکومت کی ہوس نے خواہ وہ حکومت کیسی ہی ناجائز یا خلاف ضابطہ کیوں نہ ہو لازمی طور سے تدبیر و اصلاح کے سرچشموں کو خشک کردیا۔ یکے بعد دیگرے متعدد وزراء کے طرز عمل نے اون نقائص کو اور بھی واضح کردیا جو اس طریقۂ حکومت میں موجود تھے میرے والد مرحوم حضرت غفران مکان نے سالار جنگ اول کی وفات کے بعد ان کے مترتبہ نظم حکومت کی کافی آزمائش کرکے اون نقائص کو محسوس فرمایا جو اس میں موجود تھے اور سنہ ۱۸۹۲ء میں "قانونچہ مبارک" نافذ فرمایا۔ جس میں مدار المہام اور معین المہاموں کے اختیارات و فرائض کے حدود معین کئے گئے۔ اس کے بعد اور ایک دفعہ اصلاح انتظام کی طرف انکی توجہ مبذول ہوئی اور قواعد "قانونچہ" کی اشاعت عمل میں آئی۔

جبکہ خود مابدولت نے اپنی تخت نشینی کے بعد ہی مسائل انتظام مملکت کا نظر غائر سے ملاحظہ شروع کیا تو یہ خیال یقین کے درجہ تک پہنچ گیا کہ موجودہ طریقۂ حکومت کے نقائص کو دور کرنا ممکن نہیں ہے تاوقتیکہ اسکی ترکیبی حالت میں اصلاح نہ کی جائے۔ پس کامل غور و فکر کے بعد مابدولت نے انتظام مملکت کا بار گراں خود برداشت کرنا قبول فرمایا۔ اس پانچ سال کے مدت دراز تک انصرام کار کی سعی بلیغ کے ساتھ ساتھ اپنی عزیز رعایا کے فلاح و بہبود

...ے ذرائع کا قیام واستحکام ما بدولت کا مطمح نظر رہا ہے کیونکہ انکی ترقی خوشحالی اور فارغ البالی ...ں ما بدولت کی شفقت آمیز دلچسپی لازوال ہے۔

اس وقت تک کے خاص ذاتی تجربہ نے ما بدولت پر ظاہر کر دیا کہ موجودہ انتظام میں ...بدیلی کی ضرورت ہے۔ انقلاب زمانہ زمانۂ حال کی زندگی کے پیچیدہ مسائل مشرقی اقوام ...ے جدید سیاسی احساس اور خود اس ملک کے اندرونی و بیرونی تعلقات کے نازک مسائل نے ...تی حکومت کے بار کو اس قدر گراں کر دیا ہے کہ اس سے ایک حد تک سبکدوشی حاصل ...نے کے لیئے فوری تدبیر کی ضرورت ہے۔

چونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ پھر وہی طریقہ اختیار کیا جائے جس کی ناکافی اس کو غیر مفید ...بت کر چکی تھی۔ لہذا ما بدولت نے غور وخوض کے بعد تنظیم جدید کا مصمم ارادہ کیا۔ تاکہ ...س سے انتظام ریاست کی کافی اصلاح اور اس قوت کے قیام کا جس پر ترقی منحصر ہے یقین ہو جائے۔

اور ممالک کے تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ جو حکومت کونسل کے ذریعہ عمل میں آئے ...س کو کئی وجوہ سے ایسی حکومت پر ترجیح ہے جو کسی ایک عہدہ دار کے ہاتھ میں رہے۔ ...واہ وہ کیسا ہی لائق و سربرآوردہ کیوں نہ ہو۔ پس ما بدولت کی دلی خواہش یہ ہے کہ ...پنی رعایا کو اس مرجح طرز حکومت کے فوائد سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔ نظر برآں ما بدولت نے بذریعہ فرمان امروزہ ایک "اگزیکیٹو کونسل" (یعنی باب حکومت) ...ائم فرمایا ہے جو ایک صدر اعظم۔ سات ارکان معمولی۔ اور ایک رکن اختصاصی (جن سے ...وئی صیغہ متعلق نہ ہوگا) سے مرکب ہوگی۔

کافی غور کے ساتھ صدر اعظم اور ارکان باب حکومت کے اختیارات کے متعلق قواعد منضبط اور اون کے مجموعی اور انفرادی ذمہ داریوں کے حدود معین کیئے گیئے ہیں۔ انتخاب ارکان میں نہایت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اور ایسے اشخاص مقرر کیئے گئے

ہیں جن کا تجربہ اور قابلیت مسلم ہے۔ صدر اعظم سر علی امام ہیں جو تعارف کے محتاج نہیں کیونکہ برٹش انڈیا میں ان کے کارنامے سب پر روشن ہیں۔

ایسی کونسل کے قیام سے ہر شعبہ نظم مملکت کو تقویت ہوگی۔ اور ان مسائل کے حل کرنے میں جو اس ملک کے وسیع اور اہم اغراض سے متعلق ہیں (اور جنکا خاص ما بدولت کے حکم سے تصفیہ ہوگا) کونسل کے مشورہ سے بیش بہا مدد مل سکیگی۔ اس کے اجتماعی عمل سے انتظام میں یکجہتی اور اس سے ایسے نتائج پیدا ہوں گے جو رعایا کے حق میں مفید ثابت ہوں گے۔

اشاعت تعلیم۔ ذرایع معیشت کی ترقی تجارت وصنعت وحرفت کی ترغیب حفظان صحت کے جدید اصول پیدا کرنے کی تدابیر۔ ذرایع آمد و رفت کا قیام اور ان کی توسیع۔ اور ایسے ہی بہت سارے مسائل ابھی تصفیہ طلب ہیں۔ ان امور میں جو اندرونی اصلاحات سے متعلق ہیں کونسل کی کارگزاری اوسی طرح قابل قدر ثابت ہوگی جس طرح امور سیاسی میں ما بدولت اور سرکار عظمت مدار کے تعلقات کے لحاظ سے مفید ہوسکتی ہے۔ یہ تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے ہیں۔ کیا زمانہ سلف میں کیا آج۔ اقلیم ہند پر آغاز حکومت برطانیہ سے تا این وقت اس خاندان کے ساتھ دوستی اور اتحاد کا سلسلہ برابر قائم رہا ہے۔ ایک سے زیادہ معرکوں میں سلطنت برطانیہ کی حرمت وبقاء کے لئے شمشیر آصفجاہی نیام سے نکل چکی ہے۔ حال کی جنگ عظیم میں جس سے ابھی سلطنت برطانیہ فتحمندی کے ساتھ فارغ ہوئی ہے جو کچھ امداد ما بدولت کی جانب سے کیگئی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

ان خاص حالات میں باب حکومت کو وایسی ملک برار کے اہم مسئلہ پر غور کرنے کا ایسا نادر موقع بمسرت ہوگا جس کا مستقبل نہایت خوش آئند ہے۔ ما بدولت کے مملکت کے اس جزو لاینفک کا دعوی انصاف اصلی پر مبنی ہے اور اگر

اس کی تنقیح بلاطرف داری کیجائے تو یہ امر خارج از قیاس ہے کہ وہ دعویٰ قابل تسلیم نہ قرار پائے۔ پس اس اہم مسئلہ کی نسبت کونسل کے مشورہ کا مابدولت کو خاص دلچسپی کے ساتھ انتظار رہیگا۔ مابدولت اپنے تمام امراء، عہدہ داراں، اور عزیز رعایا کو اس جدید انتظام کی طرف متوجہ و مائل کراکے متوقع ہیں کہ وہ سب اپنی ارادت و عقیدت سے اسکو کامیاب بنانے میں ہمیشہ ساعی رہیں گے۔ کیونکہ کوئی انتظام حکومت کامیاب نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ اس کے عمل کی پابندی حزم و احتیاط کے ساتھ نہ کیجائے۔ اس اشارہ کیساتھ مابدولت کی دلی خواہش ہے کہ ہر عسکری امام و ارکان باب حکومت اپنے اہم فرائض کی انجام دہی میں سرگرم و کامیاب ہوں۔

جوڈیشل اور اگزاکٹو اختیارات کی علیحدگی

نظم و نسق کے سلسلہ میں باب حکومت کے قیام نے شخصی حکومت کا من وجہ خاتمہ کر دیا۔ اب شخصیت کا مرکز صرف اعلیحضرت کی اپنی ذات رہ گئی۔ اور آپ بھی علی العموم اپنی کونسل کی کثرت رائے کے فیصلوں سے اتفاق کرتے ہیں۔ عدالتی اصلاح و ترقی کے معاملہ میں اعلیحضرت نے ایک ایسا اقدام کیا جسپر ابھی تک بہت سے متمدن و مہذب ممالک نے بھی عمل نہیں کیا اور برٹش انڈیا میں بھی اسپر عمل نہیں وہ

عدالتی اختیارات کو عاملانہ اختیارات سے الگ کرنا ہے

عدالتی اور عاملانہ اختیارت کا ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہونا بہت سی خرابیوں کا موجب اور حصول انصاف میں روک ہوسکتا ہے۔ اعلیحضرت نے ان نقائص کا مطالعہ کیا اور انصاف کو آزاد اور اس کے مقام کو بلند کرنے کے لئے آپ نے ۲۹ شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۰ مئی ۱۹۲۱ء کو ایک فرمان کے ذریعہ

عدالتی اور مالی مقدمات کیلئے جداگانہ محکمے قرار دیدے

عہد عثمانی کا یہ بھی ایک بے نظیر کارنامہ ہے دولت آصفیہ کی تاریخ عدالت میں یہ ایک نیا اور زرین باب ہے۔ ہائیکورٹ کی تنظیم اور اسکے معیار انصاف کی عظمت کا پتہ اس منشور خسروی سے ملتا ہے جو اس بارہ میں نافذ ہوا۔ اس فرمان خسروی کی رُو سے اختیارات شاہی ججون کے سپرد ہو چکے ہیں۔ جو اعلیحضرت کے شاہانہ اقتدار کے ایثار کی دلیل ہے۔ اس منشور کے ذریعہ اس امر کی تصدیق و توثیق ہو گئی کہ عدالت العالیہ ملک میں سب سے بڑی عدالت ہے جسکے اختیارات کا اصل منبع بادشاہ ہے اور اس کے اراکین بحیثیت نائبین بادشاہ فیصلے صادر کرتے ہیں۔ جن میں بجز حضرت اقدس و اعلیٰ کے کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا۔ اس منشور خسروی کے عطا کرنے کے لئے یکم مارچ ۱۹۲۷ء کو باغ عامہ کے ایڈریس ہال میں دربار عثمانی منعقد ہوا اور اس دربار میں میر مجلس عدالت العالیہ نے ایک سپاسنامہ پیش کیا جس کے آخری جملے یہ تھے۔

"اللہ تعالیٰ سے ہم دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمکو توفیق عطا فرمائے کہ اس ریاست ابد مدت کے ہر گوشہ اور کونہ کو ہم مشعل انصاف سے منور کر دیں اور انصاف رسانی کے مقدس فرائض احکام الٰہی کے مطابق بلا خوف و خطر و رو رعایت اور بلا لحاظ مذہب و ملت حضرت اقدس و اعلیٰ کے زیر سایہ ہمایہ بجالائیں یہ ہمارے وہ فرائض ہیں جن کی ادائی کا بہ تعمیل ارشاد ہمایونی بسند رحمۂ منشور خسروی (جو ایک کروڑ سے زاید رعایا ء کی فلاح و بہبود کے لئے عطا کیا جا رہا ہے) آج ہم نے حلف اٹھایا ہے"۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے میر مجلس عدالت العالیہ کو منشور خسروی اپنے دستخط مبارک سے

مزین فرما کر عنایت فرمایا اور مہر عدالت جو ایک بیش قیمت پتھر پر کندہ ہے مرحمت فرمائی۔

عدالتی انتظامات اور اصلاحات کی ایک مختصر مگر نہایت جامع تاریخ اسی جوبلی مبارک کی تقریب کے لئے عدالت العالیہ کے چیف جسٹس نے نہایت قابلیت سے لکھی ہے میں تفصیل سے ان امور کا تذکرہ برکات عثمانی میں جو اس مقصد کے لئے مخصوص ہے کرونگا۔ مگر ایک امر کے بیان کرنے سے میں نہیں رک سکتا چیف جسٹس صاحب نے اپنے اٹھارہ سالہ عہد ملازمت کے تجربہ کو پیش نظر رکھکر بیان کیا ہے کہ

آزادی عمل کی جو روح ذات ہمایونی نے عدالتوں میں پھونکی ہے وہ بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ عدالتوں کی آزادی گویا انسانوں کے حقوق کی محافظ ہوتی ہے اگر مجھے کوئی ایسی حکومت دکھادے جسکے عدالتوں کو آزادی رائے حاصل ہے تو میں تیقن کے ساتھ یہ فتویٰ دیسکتا ہوں کہ اس حکومت کی عمر بھی بڑی ہے۔ عدالتوں پر رعیت کا اعتماد ہونا ملک و مالک کے درمیان رابطہ و اتحاد کی ایک زبردست کڑی ہوا کرتی ہے اور یہ اعتماد اسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جبتک کہ عدالتوں کو ان لوگوں کے حقوق کے متعلق جو حصول انصاف کیلئے انکے سامنے حاضر ہوں بغیر رو و رعایت اظہار رائے کرنے میں پوری پوری آزادی نہ عطا کر دیجائے۔ مجھے اپنے تمام زمانہ کارگزاری میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں حضرت اقدس و اعلیٰ نے عدالتوں کی اس آزادی کو کم کرنے کی کبھی کوشش فرمائی ہو حضور پرنور نے چشمہ انصاف کی روانی میں کبھی رکاوٹ نہیں پیدا کی۔ ہاں سیاسی نوعیت کے یا خاص خاص اہمیت کے مقدمات میں جیسا کہ ہر گورنمنٹ میں ہوا کرتا ہے بعض اوقات خاص اراکین کے کمیشن مقرر فرمائے گئے جن میں سے بعض میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا اگرچہ ان

بھی اظہار رائے کی پوری آزادی تھی۔ آزادی رائے کی نہ صرف ہمیشہ اجازت دی گئی بلکہ اس کی قدر فرمائی گئی۔ بعض مقدمے پائیگاہات اور صرفخاص مبارک وغیرہ کے ایک دوسرے کے مقابل تھے مگر ان میں بھی حضرت اقدس واعلیٰ نے کبھی اپنے اثرات کو کسی کے خلاف استعمال نہیں فرمایا اور اپنے شاہانہ وقار کو قایم رکھتے ہوئے ہمیشہ اپنے آپ کو ان خیالات سے بالاتر رکھا۔ عدل گستری کیجانب یہی طریقہ عمل تھا جس نے اعلیحضرت کو اپنی رعایا کے دلوں میں اسقدر ہر دلعزیز بنادیا ہے۔

حاصل کلام مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ گذشتہ پچیس ۲۵ برس میں صیغہ عدالت نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ سب حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی کی توجہات بیکران کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لاکھوں جانوں کی فلاح و بہبود کی خاطر جو آپ کی امانت و حفاظت میں سپرد کیگئی ہیں حضور پرنور کے عمر و اقبال میں ترقی عطا فرماوے۔ سالہائے دراز تک آپ کو حکمران رکھے اور آپکا نام نامی و اسم گرامی ایک زبردست مصلح ملک و دولت و حامی نصفت و معدلت کی حیثیت سے ابدالآباد تک صفحہ روزگار پر درخشاں رہے۔ آمین

حیدرآباد دکن
ڈسمبر ۱۹۳۵ء

مرزا یار جنگ سمیع اللہ بیگ
چیف جسٹس

استرداد برار کا مسئلہ

آصفجاہ ہفتم کے پچیس ۲۵ سالہ عہد حکومت کے واقعات میں استرداد برار کا مسئلہ بھی بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ میں اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے اس مسئلہ پر شرح و بسط سے بحث نہیں کرونگا بلکہ صرف واقعات کے

سلسلہ میں مختصراً ذکر کرونگا۔ برار کا صوبہ جو وسط ہند کا نہایت ہی زرخیز حصہ ہے دولت آصفیہ کا ایک جزو تھا لیکن ۱۸۵۳ء میں ادائے قرض کی غرض سے انتظامات حکومت ہند کے سپرد کر دیا گیا ۱۹۰۲ء تک رزیڈنٹ حیدرآباد ہی چیف کمشنر صوبہ برار کی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ مگر اس زمانہ میں لارڈ کرزن نے ایک معاہدہ کے ذریعہ سے جو اعلیحضرت مرحوم نے کر لیا تھا اس کا الحاق حکومت ہند کے صوبہ متوسط سے کر لیا گیا اور اسطرح گویا

برار بظاہر دولتِ آصفیہ سے الگ ہو گیا

اعلیحضرت مرحوم کو بھی اس کا صدمہ تھا اور جوان بخت آصفجاہ ہفتم کو اس کا آغاز حکومت سے ہی بے حد احساس تھا اور کبھی بھی آپ نے اس کو نظر انداز نہیں کیا۔ لیکن ہندوستان کے حالات کچھ ایسے واقعہ ہوئے تھے کہ حرب عظیم کے بعد بھی ہندوستان میں سیاسی ایجی ٹیشن شروع ہو گئی اس لئے اعلیحضرت نے حکومت انگریزی کو برار کے سوال سے پریشان کرنا نا مناسب سمجھا لیکن جب اس طوفان میں سکون کی کیفیت پیدا ہو تو اعلیٰ حضرت نے اپنے

جائز مطالبہ استرداد برار کو پیش کیا

اس مقصد کیلئے ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو آپ نے لارڈ ریڈنگ اسوقت کے وائسرائے ہند کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں استرداد برار کے متعلق اپنے دعاوی کی توضیح کی اور ان دعاوی کی تائید میں ایک مفصل یادداشت منسلک کی جو تمام کی تمام تاریخی شہادتوں پر مشتمل تھی۔ اس خط نے ہندوستان سے لیکر انگلستان تک ایک طوفان پیدا کر دیا۔ لیکن اعلیحضرت اپنے دعویٰ پر بڑی قوت و استقلال کے ساتھ قائم رہے

اور یہ سوال مختلف منازل سے گذرتا رہا۔ گول میز کانفرنس کی تقریب پر حیدرآبادی وفد گیا تب بھی اس مسئلہ پر غیر ضابطہ طور پر گفت و شنود ہوتی رہی۔ اور بالآخر حکومت ہند نے اعلیحضرت کے مطالبہ تسلیم کر لیا۔ اگرچہ اب تک اسکی تفاصیل معلوم نہیں ہوئی ہیں لیکن اعلیحضرت سلطان دکن کے حقوق کی تلافی کی بعض صورتیں تجویز ہو گئیں اور یہ

اعلیحضرت کی ایک بے نظیر کامیابی ہے

اسلئے کہ جس سوال کو حکومت ہند چھیڑنا بھی نہیں چاہتی تھی اور اسے ایک طے شدہ امر سمجھتی تھی بالآخر وہ اسپر غور کرنے کیلئے مجبور ہو گئی۔ چنانچہ جب نومبر ۱۹۳۳ء میں لارڈ ولنگڈن وائسرائے ہند حیدرآباد تشریف لائے تو انہوں نے اپنی تقریر میں

برار کے متعلق اطمینان بخش اعلان فرمایا

اور اس بنا پر اعلیحضرت نے یکم دسمبر ۱۹۳۳ء مطابق ۲۷ رجب ۱۳۴۳ف م ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ کو مندرجہ ذیل فرمان شایع فرمایا۔

"ہز اکسلینسی وائسرائے ہند میری ریاست سے روانہ ہو جانے کے قبل اور باعتراف اس اعلان کے جو انھوں نے اسٹیٹ بنکوٹ کے موقع پر فرمایا ہے میں ان جدید انتظامات کے متعلق اپنا اطمینان ظاہر کرنا چاہتا ہوں جو سرکار عظمت مدار کیساتھ حالیہ گفت و شنید کے نتیجے کے طور پر ہندوستان میں وفاقی دستور قائم ہونے پر میرے ملک برار کے آئندہ نظم و نسق کی نسبت عمل میں آئیں گے۔ میری رعایا کو ان تدابیر کے تفصیلی اعلان کا سخت انتظار رہیگا جنکی بنا دو میرے ملک برار کا نظم و نسق اس خطہ ملک تلنگ معظم کے ساتھ جو بنام ممالک متوسط موسوم ہے بشکل ایک صوبہ واحد کے ہوگا جس کا نام ممالک متوسط و برار رہیگا اور برار پر میری سلطنت عملاً اسطرح مستحکم ہوگی کہ اسمیں شک و شبہہ کی گنجائش نہ رہیگی۔ برٹش گورنمنٹ اور میری گورنمنٹ دونوں کو امید ہے کہ ہندوستان کا دستوری نشو و نما بزودی ممکنہ اعلان مذکور کی اجازت دیگا تاکہ ابواب طے شدہ سے مجھے جو اطمینان حاصل ہوا ہے اس میں میری رعایا بھی شریک ہو سکے۔"

اعلیحضرت کے عزم و استقلال اور اپنے حقوق کی بازیافت کے لئے کامل جرأت کا جو نتیجہ ظہور پذیر ہوا ہے اگرچہ دولت آصفیہ کا مطالبہ اس سے بہت بڑھ کر ہے تاہم یہ کامیابی بھی ایک

عدیم النظیر کامیابی ہے

جو عہد عثمانی کی پچیس سالہ عہد حکومت کی یادگار ہے چنانچہ جدید معاہدہ برار کے رو سے جو ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ کے جریدہ غیر معمولی میں شائع ہوا ہے برار پر اعلیٰ حضرت سلطان دکن کی سیادت و سلطنت کا عملی اعتراف کر لیا گیا ہے اگرچہ چاہیئے تو یہ تھا کہ برار بغیر کسی شرط کے سلطان دکن کے حوالہ کر دیا جاتا تاہم جو کچھ ہوا ہے وہ گونہ تلافی کی ایک صورت ہے اس معاہدہ کی تفصیلات اور اس خصوص میں ملک معظم اور سلطان دکن کے مراسلات برکات عثمانی میں تفصیل سے درج ہوں گے، اس معاہدہ کے پیش نظر آیندہ ولی عہد دولت آصفیہ ہز ہائینس پرنس آف برار کہلائیں گے اور سلطان دکن نظام حیدرآباد و برار اس حد تک جو کامیابی ہوئی ہے یہ

سلطان دکن کے اقبال کا ایک کرشمہ ہے

تعلیمی ترقیات اور عثمانیہ یونیورسٹی

اعلیحضرت سلطان العلوم کے پچیس سالہ عہد حکومت کی ترقیات کا ہر باب اور شعبہ ایک مستقل تالیف کا طالب ہے اور میں اختصار کے ساتھ بھی ان کا تذکرہ نہیں کر سکتا البتہ برکات عثمانی میں کسی قدر تفصیل سے انشاء اللہ بحث کرونگا اعلیٰ حضرت نے اپنی وسیع مملکت کی ترقی و ارتقا کے لئے جس چیز کو سب سے ضروری اور اہم سمجھا وہ

رعایا کی تعلیمی ترقی کا سوال تھا

کچھ شک نہیں ریاست حیدرآباد میں تعلیمی نظام پہلے سے قائم تھا مگر وہ نہایت ناکمل غیر مکتفی اور اپنے افادہ کے لحاظ سے محدود تھا لیکن اعلیحضرت کے ذوق تعلیم نے اسی سلسلہ کو ایک ایسے ضابطے میں

منسلک کیا کہ اسکی وسعت اور نفع رسانی اتنی عام ہوئی کہ شہری اور قصباتی رعایا سے نکل کر دیہاتی رعایا بھی تعلیمی روشنی سے منور ہونے لگی۔ لڑکوں کی تعداد میں حیرت انگیز گنے سے زیادہ اضافہ ہوا۔ مملکت آصفیہ میں کالجوں کا ایک جال پھیلا دیا گیا۔ اور ہر قسم کے زنانہ مردانہ سکول ملکی زبان (تلنگی اور مرہٹی) میں ممالک محروسہ میں جاری کردیے ان سرکاری سکولوں کے علاوہ ایک بہت بڑی فہرست ان مدارس کی بھی ہے جو سررشتہ تعلیم کے ماتحت لوکلفنڈ سے امداد لیتے ہیں اور بہت سی قومی مدارس بھی ایسے ہیں جنکو سرکاری مدد ملتی ہے ممالک متمدنہ یورپ۔ امریکہ اور مصر وغیرہ میں حصول تعلیم کے لئے جانے والے طلباء کو مختلف قسم کے وظائف دیے جاتے ہیں اور سب سے بڑا تعلیمی کارنامہ جو عہد عثمانی کی برکات میں بے نظیر حیثیت رکھتا ہے وہ جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے ۱۹۱۷ء کے آغاز میں سر اکبر حیدری (دی رائٹ آنریبل نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے جو اسوقت معتمد تعلیمات سرکار عالی تھے) اعلیٰحضرت سلطان العلوم کے حضور میں ایک عرضداشت پیش کی جسمیں عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے اغراض و مقاصد اور غیر زبانمیں تعلیم کے نقائص خوب وضاحت سے بیان کئے گئے تھے اور اس مطول اور مدلل عرضداشت میں اردو زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیکر ایک یونیورسٹی کے قیام کیطرف توجہ دلائی گئی چنانچہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ کو جامعہ عثمانیہ کے قیام کا فرمان نافذ ہوا جسمیں اعلیٰحضرت نے مقاصد جامعہ میں خصوصیت کیساتھ اسی امر کو داخل کیا کہ

اس کا مطمح نظر یہ بھی ہونا چاہیے کہ

طلباء کی اخلاقی تربیت بھی کیجائے اور ان کو تمام سائنٹفک مضامین کا شوق دلایا جائے۔

جامعہ کی تاسیس کیساتھ ہی اسکی کامیابی اور اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے ایک دارالترجمہ کا محکمہ قائم ہوا۔ گو ایک زمانہ پہلے سے اسکی داغ بیل پڑ چکی تھی اسکی ارتقائی تاریخ کا یہ محل نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ عملی اور مستقل طور پر اسکی تشکیل اور تکمیل عہد ہمایونی عثمانی میں ہوئی جس میں ابتک تین سو سے زاید علمی اور فنی کتابوں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ جامعہ کی تاسیس اور دارالترجمہ کے قیام نے

حیدرآباد کو منبع علوم و فنون بنا دیا ہے

اور آصف جاہ ہفتم کے لئے سزاوار ہے کہ وہ سلطان العلوم کہلائے اور اسی لئے جامعہ عثمانیہ کیطرف سے

۱۹۳۱ء میں سلطان العلوم کی ڈگری بندگان عالی کی خدمت میں پیش کی گئی اس قصہ کو ختم کرنے سے پیشتر میں اس نمائش کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو آخر اکٹوبر ۱۹۲۹ء میں دہلی میں انٹر یونیورسٹی کانفرنس کے موقعہ پر جامعہ عثمانیہ شعبہ دارالترجمہ کی طرف سے ترتیب دی گئی تھی اس مقصد کیلئے ایک بڑے شامیانے میں تراجم و تالیفات کی مطبوعات اور مسودات کو ترتیب دیکر رکھا گیا تھا۔ ۳۰ اکٹوبر ۱۹۲۹ء کو لارڈ ارون (ویسرائے عہد) نے کانفرنس کے افتتاحی اڈریس کے بعد اس نمائش کا معائنہ کیا۔ اسی موقعہ پر ہندوستان بھر کی یونیورسٹیوں کے نمائندے اور ماہرین تعلیم جمع تھے

اور یہ سعادت اور فخر صرف عثمانیہ یونیورسٹی کو حاصل تھا کہ اسنے ایک کثیر التعداد

تالیفات کی نمائش کی

ویسرائے صاحب نے بار بار حیرت اور خوشی کے ملے ہوئے جذبات میں اعتراف کیا کہ

یہ حیرت انگیز کارنامہ ہے

نہ صرف وائسرائے بلکہ تمام ماہرین تعلیم اور نمائندگان یونیورسٹی ہائے مختلفہ نے اس حیرت انگیز تعلیمی معجزہ کو تسلیم کیا اس یونیورسٹی نے نہ صرف طریق تعلیم میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا بلکہ ہندوستان کے سب سے بڑے اسلامی ملک حیدرآباد کو

اردو کا محسن اعظم ثابت کر دیا

جامعہ عثمانیہ کے فرزندوں کے علمی کارنامے بجائے خود ایک مبسوط تالیف کے داعی ہیں جامعہ میں مختلف قسم کی مجالس اور انجمنوں کا قیام اسی علمی دلچسپی اور قوت عمل کی ارتقائی صورتوں کا ثبوت ہے۔ اور جامعہ کے فارغ التحصیل اپنی مادر تعلیم کی خدمت میں پوری دلچسپی لے رہے ہیں، اور انہوں نے مختلف علمی معرکوں میں

امتیازی مقام حاصل کیا ہے

انہیں بہترین خطیب اور بدیع الاسلوب تحریری مذاق رکھنے والے قلم کے دھنی پیدا ہوئے ہیں ڈاکٹر محی الدین قادری زور جیسے نوجوان قلم اور زبان پر وقت واحد میں حکومت کرتے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے فیوضات کا سلسلہ فرزندان درسگاہ ہی تک محدود نہیں بلکہ اسنے

ایک عام علمی مذاق پیدا کر دیا ہے

اور اسی مذاق کا نتیجہ ہے کہ حیدرآباد کی صحافت نے عہد عثمانی میں شاندار ترقی کی ہے وہ ملک بھر کی

آب و ہوا صحافت کے موافق نہ تھی اسمیں اب ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے اپنے صحافت کے معیار ہی کو بلند نہیں کیا بلکہ رعایا میں

اخبار بینی اور اخبار نویسی کا مذاق پیدا کر دیا ہے

اور اس بڑھتے ہوئے مذاق نے پریس کی برکت کو عام کر دیا ہے۔ اسی سلسلے میں مجھے عہد عثمانی کے ایک اور حیرت انگیز

کارنامے کا ذکر بھی مختصراً کر دینا چاہیے اور وہ

اردو نستعلیق ٹائپ کی ایجاد ہے

میں اردو ٹائپ کی تاریخ بیان نہیں کرونگا۔ ہندوستان سے باہر یورپ اور بعض دوسرے اسلامی ممالک میں ٹائپ کیلئے

مختلف اوقات میں کوششوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اپنی ضرورتوں کے موافق اپنی زبانوں کیلئے (عربی۔ فارسی

ترکی) ٹائپ اُنہوں نے ایجاد کئے مگر اردو ٹائپ میں ترقی نہ ہو سکی جو ابتداً کسیقدر نستعلیق صورت رکھتا تھا

لیکن پھر عربی ٹائپ سے کام لیا جانے لگا اسی میں کسی قدر ترمیم ہوتی لیکن عہد عثمانی میں اس حیرت انگیز کارنامہ کی

طرف خصوصیت سے توجہ ہوئی اور اسی مقصد کیلئے صرف زر میں کفایت کے سوال کو مدنظر نہ رکھا گیا اور ہر کوشش کی

حوصلہ افزائی کی گئی اسی کوشش کا آغاز درحقیقت مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اردو (جنکے زبان

اردو پر بے انتہا احسان ہیں) نے اپنے زمانہ مددگار معتمد تعلیمات میں کیا۔ اور یہ تحریک مختلف درجوں سے گذرتی

ہوئی آخر مولوی قاری عبدالکریم صاحب کے ذریعہ تکمیل کے مدارج طے کرنے لگی جنہوں نے مصر میں ایک عرصہ تک قیام کرکے

اس میں نئی روح پیدا کر دی

اور اب دارالطبع سرکار عالی میں اسی نستعلیق ٹائپ کی دلربا عملی کوششیں بارآور ہو رہی ہیں اس ٹائپ کی ترویج سے جو

انقلاب ہندوستانی صحافت اور طباعت کے کام میں ہوگا وہ اپنے حیرت بخش نتایج کے لحاظ سے شاندار ہوگا اور اردو تاریخ

صحافت و طباعت میں آصف جاہ ہفتم کا عہد اسی امتیاز کے لئے

سنہری حرفوں میں لکھا جاوے گا

متفرق کارنامے

چونکہ آصف جاہ ہفتم کے عہد کی پچیس سالہ تاریخ کے تفصیلی کارناموں کے لئے حیات عثمانی کی دوسری جلد برکات عثمانی

مخصوص ہے اب میں اس باب کو ختم کرتے ہوئے ایک اجمالی طور پر بعض دوسرے کارناموں کا مختصر ذکر کر دینا چاہتا ہوں

(۱) محکمہ آثار قدیمہ دولت آصفیہ اپنی قدیم یادگاروں کے لحاظ سے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور اسکے بعض عجائبات کو دنیا بھر میں بقائے دوام کا امتیاز حاصل ہے ان آثار قدیمہ کے تحفظ اور اثری تحقیقات کے لئے ایک محکمہ قائم ہے جسکے افسر اعلی مولوی غلام یزدانی صاحب ہیں انکو ذاتی طور پر اس مضمون کیساتھ بے حد دلچسپی ہے اور اپنے علم اور تجربہ کی وسعت کیلئے انہوں نے ممالک غیر کا سفر کیا ہے اور ہر اس طالب علم کو جو آثار قدیمہ کے مضمون سے دلچسپی رکھتا ہو ہر ممکن مدد اور مشورہ کیلئے اپنے محکمہ کے دروازے کو کھلا رکھتے ہیں۔

(۲) نظام سٹیٹ ریلوے اور ریلوے بس۔ ملک کی ترقی کیلئے جیسے تعلیم کی تعلیمی سہولتیں ضروری ہیں اسیطرح میغہ مواصلات کی آسانیاں مقدم ہیں اعلیحضرت سلطان دکن نے جہاں تعلیمی سہولتوں کے لئے عثمانیہ یونیورسٹی کو قائم فرمایا اسیطرح نظام ریلوے کی وسعت کو ضروری قرار دیا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسی ریلوے کو بیرونی اثر سے آزاد کرانے کی طرف توجہ فرمائی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نظام ریلوے کو اثر غیر سے آزاد کرانے کا سہرا

سر اکبر حیدری کے سر ہے

لیکن انکی ساری کوششیں منا ہا نہ سرپرستی سے بار آور ہوئیں سر اکبر حیدری نے قبل از وقت ریلوے کو عثمانی حکومت کے قبضہ میں لانے کیلئے اپنی دانشمندی اور تدبر کا بہترین ثبوت دیا اور ریلوے بورڈ لنڈن سے خرید و فروخت کی دستاویز کا معاہدہ ۵ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء کو طے کر لیا گیا اور

یکم اپریل سنہ ۱۹۳۰ء سے ریلوے سرکار عالی کی ملکیت قرار پائی

اس خرید و فروخت نے دولت آصفیہ کی ساکھ کے مقام کو بھی بلند کر دیا۔ اور باب حکومت نے خصوصیت کیساتھ سر اکبر حیدری کی خدمات کا اس خصوص میں اعتراف کرنے کے لئے ۷ اردی بہشت سنہ ۱۳۳۹ ف کو ایک قرارداد منظور کی جس کو اردو انگریزی اخبارات میں شائع کیا گیا اس میں صاف صاف لکھا کہ

نہ صرف سرکار عالی کی فنانشل ساکھ پر عمدہ اثر مرتب کرے گا

بلکہ اس ریاست ابد مدت کی شان اور وقار میں معتدبہ اضافہ کریگا"

ریلوے کو آصفی ریلوے بنالینے کے بعد ممالک محروسہ کے بڑے بڑے شہروں اور قصبات کو جو ریلوے سے الگ تھے ریلوے بس سرویس کے ذریعہ ملادیا گیا۔ ۱۸ جون ۱۹۳۲ء کو موٹر بس سرویس کا آغاز ہوا اور اور سکندرآباد میں تو اسکی اسقدر آمدورفت ہے کہ لنڈن کی طرح ہر چند منٹ کے بعد ہر طرف کو جانے والی بس ملتی ہے۔ اسی بس کی تعمیر میں مسافروں کے آرام کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور ہر قسم کے حادثات سے حفاظت کا بہترین انتظام ہے۔

(۳) عظیم الشان سڑکوں اور عمارتوں کی تعمیر۔ عہد عثمانی تعمیرات کے لحاظ سے اپنی شان میں ممتاز اور یگانہ ہے۔ دولت آصفیہ کے ہر بادشاہ کو تعمیرات کا شوق رہا ہے لیکن عمارتوں کا یہ شوق زیادہ تر ذاتی شاہی عمارات کی تعمیر کی صورت میں پورا ہوتا تھا مگر

عہد عثمانی میں یہ نظریہ بدل گیا

اب عمارتوں کی تعمیر پبلک آسایش اور آرام اور مفاد کے نقطہ نظر سے ہو رہی ہے۔ آرایش اگر مقصود ہے تو شہر کی وسعت اور رعایا کی سہولت کی غرض سے۔ عہد عثمانی کی تعمیرات کی تاریخ اور تفصیل بڑی مبسوط اور طویل ہے۔ موسیٰ ندی کی طغیانی اور شہر کے اس حصہ کی تباہی نے جہاں آصف جاہ ہفتم کو آیندہ کیلئے طغیانی کے خطرات سے شہر کو محفوظ کردینے کا خیال پیدا ہوا وہاں رود موسیٰ کے کنارے مفید عام عمارتوں کے ذریعہ شاندار منظر پیدا کردینے کی تجویز بھی کی چنانچہ ہائی کورٹ اور سٹی انٹرمیڈیٹ کالج ایک طرف جن کی تعمیر پر تقریباً ۳۶ لاکھ صرف ہوا اور عثمانیہ ہسپتال دوسری طرف لاکھوں روپیہ کے صرف اور جدید آلات و سامان علاج سے مزین قائم کیا۔ اور نہایت تجربہ کار ڈاکٹر جو ہر قسم کے جدید طریق علاج سے باخبر ہیں اس میں کام کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں اندرون شہر میں چارمینار کے قریب ایک

عظیم الشان یونانی شفاخانہ صدر

طیار کرایا

اور اسی میں مدرسہ طبیہ یونانی قائم کیا۔ جہاں ہزاروں مریض لایق اور حاذق اطبا دکے علاج سے استفادہ کرتے ہیں۔ تعمیرات کے اس لمبے سلسلہ میں کتب خانہ آصفیہ اور باغ عامہ کی عمارتیں ایک خصوصی شان اور منظر کو پیدا کر رہی ہیں۔ مسافروں کے آرام کے لئے اسٹیشن کے بالکل قریب ایک سرائے تیار کرائی اور جنگ عظیم کی صلح کی تقریب پر اس کا نام

صلح سرائے رکھا

غرض شفاخانوں۔ مسافر خانوں اور سرکاری دفاتر اور عمارتوں کا تمام ممالک محروسہ اور خصوصاً حیدرآباد میں ایک ایسا دلکش منظر ہے کہ حیدرآباد قدیم کی جگہ

حیدرآباد جدید نے لے لی ہے

اور اب اس کی وسعت حیدرآباد کی اندرونی آبادی سے نکل کر میلوں تک باہر چلی گئی ہے اور ہر طرف نئی شان اور نئی طرز کی عمارتوں کا ایک دلکش سلسلہ چلا گیا ہے اور حکومت کے طرز عمل اور ذوق تعمیر نے رعایا میں

روح تعمیر پیدا کر دی ہے

اور اس فن تعمیر میں مختلف قسم کی ایجادوں کا سلسلہ تعمیرات میں پیدا ہو گیا اور اس سلسلہ [illegible] بیکاری دور ہو گئی ہر وقت ہزاروں انسان کام پر لگے ہوئے ہیں بلکہ لاکھوں اس لئے کہ اینٹوں۔ چونہ پتھر کے کارخانوں لکڑی۔ لوہے اور [illegible] سامان کی تجارتوں کا سلسلہ وسیع ہو گیا اور

حیدرآباد کا مزدور خوشحال ہو گیا

(۴) سڑکیں اور پل کسی شہر کی وسعت اور آبادی کی خوشحالی اور تجارتی ترقیات کے لئے ان کی سڑکوں اور پلوں کا انتظام لازمی ہے حیدرآباد [illegible] سے متعلق

قدیم سے کثیف کی روایت چلی آرہی تھی

عہد عثمانی میں اپنی لطافت اور آراستگی کے لئے یورپ کے بڑے بڑے شہروں کا مقابلہ کر رہا ہے شہر میں ہر طرف نہایت فراخ اور شاندار سڑکیں تیار ہو گئی ہیں جن کے دونو طرف پیدل چلنے والوں کے لئے راستے ہیں۔ حیدرآباد ہی نہیں تمام ممالک محروسہ میں یہ سلسلہ جاری ہے اور موٹروں اور موٹر بسوں کے رواج نے تمام سڑکوں کو شاندار بنا دیا ہے۔

شہر کے گندے پانی کے اخراج کے لئے ڈرینج کا بہترین انتظام ہے یہ بہت بڑی سکیم ہے اور اس کا کام سرعت سے جاری ہے اور اس کی تکمیل پر

حیدرآباد کی صفائی بے نظیر ہو گئی

اور اس کا اثر عام صحت پر بھی بہت اچھا پڑے گا۔ اس سکیم پر عمل ہونے کی صورت میں تمام شہر کی گندگی خود بخود باہر ایک جگہ جمع ہو گئی اور اس سے

اعلیٰ درجہ کی کھاد تیار کی جائے گی

اس خصوص میں آرائش بلدہ کی کمیٹی شاندار کام کر رہی ہے اور اس کمیٹی کو یہ افتخار حاصل ہے کہ وہ

شاہزادہ معظم جاہ بہادر کی نگرانی میں کام کرتی ہے

اعلیحضرت نے جب اس کام کو شاہزادہ معظم جاہ بہادر کے سپرد فرمایا تو اہل شہر اور ارکان دولت نے ان کے وجود پر فخر و ناز کیا تھا اور انہوں نے

بہت بڑی توقعات کو ان سے وابستہ کیا تھا

اور یہ خوشی کی بات ہے کہ وہ توقعات امید سے بڑھ کر پوری ہو رہی ہیں۔ آرائش بلدہ کی کمیٹی نے شہر کی تزئین اور شہریوں کی آسائش کے لئے بے نظیر کام کیا ہے۔

(۵) صنعت و حرفت اور زراعت۔ عہد عثمانی کی برکات میں سے صیغہ صنعت و حرفت اور شعبہ زراعت میں بھی عظیم الشان ترقیاں ہوئی ہیں۔ حیدرآباد اور ممالک محروسہ میں مختلف صنعتی اور حرفتی ادارے قائم ہو چکے ہیں اور مختلف قسم کے کارخانہ کھلتے چلے جا رہے ہیں۔ حکومت ہر طرح سے اس قسم کے صنعتی اور حرفتی کارخانوں کی مدد کرتی ہے متعدد کارخانے بڑے وسیع پیمانوں پر جاری ہیں اور برقی قوت سے کام لیا جا رہا ہے۔ اور کوشش ہو رہی ہے کہ تمام پرانی صنعتوں اور حرفتوں کو زندہ اور قائم رکھا جاوے محکمہ صنعت و حرفت نے ممالک محروسہ کی

صنعتی اور حرفتی آبادی میں زندگی پیدا کر دی ہے

اسی طرح سے کاشتکاری کے معیار کو اونچا کرنے کے لئے اور کاشتکار کو ایک مطمئن اور خوشحال وجود بنانے کے لئے ہر قسم کی کوششوں کا سلسلہ جاری ہے مختلف مقامات پر سرکاری مزرعے قائم کئے ہیں۔ جہاں زمینداری کے تجربے کئے اور سکھائے جاتے ہیں کاشتکاروں کی مرفع الحالی اور اقتصادی بہتری کے لئے محکمہ امداد باہمی قائم ہے اور مویشیوں کی بہترین نسل کے لئے نسل کشی کے مرکز قائم کر دئے گئے ہیں۔ اور اب تو دیہاتی اصلاح کا نظریہ پیش نظر ہے۔ اسکے لئے بڑا کاشتکار کا کام لینے کا سوال زیر غور ہے کاشتکاروں کی بہتری اور کمائی کے ہی لئے

آبپاشی کے ذرائع کو وسیع کیا جا رہا ہے

قدیم تالابوں پر کروڑوں روپیہ صرف کر کے انکو درست کر دیا گیا اور کروڑں روپیہ کے صرفہ سے جدید اور وسیع تالاب احداث کئے گئے ہیں جو اپنی ساخت اور طرز تعمیر میں فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں عثمان ساگر۔ حمایت ساگر۔ نظام ساگر انہی اسکیم کا نتیجہ ہیں ۔ ان تالابوں کی تعمیر اور انکے مناظر کی تفصیل اپنے ساتھ ایک تاریخ رکھتی ہے مگر اس وقت میں اس میں جانا نہیں چاہتا۔ یہ تالاب ملک کے لئے ایک مایہ حیات نعمت ہیں اور اس کی زرعی دولت کی توفیر کا موجب ان تالابوں کے علاوہ متعدد نہریں اور بند ہیں جو ممالک محروسہ میں

عہد عثمانی کی برکات ہیں

(۶) حفظان صحت کسی قوم اور ملک کی ترقی کیلئے سب سے ضروری چیز حفظان صحت ہے مہذب حکومتیں اپنی رعایا کی صحت و تندرستی کو قائم رکھنے کے لئے مختلف قسم کے ضروری انتظام کرتے ہیں کبھی بخل سے کام نہیں لیتیں مختلف قسم کے شفاخانے قائم کئے جاتے ہیں ۔ اور رعایا کے افراد کو

احتیاط علاج سے مقدم ہے

کے اصول پر عمل کرنے کے لئے موزوں طریقے اختیار کئے جاتے ہیں حیدرآباد اس خصوص میں کسی مہذب حکومت سے پیچھے نہیں رہا خصوصاً عہد عثمانی میں اس موضوع پر بہت بڑی توجہ کیگئی ہے ۔ ممالک محروسہ میں کثرت کیساتھ شفاخانے کہولے گئے ہیں ۔ امراض متعدی اور وبائی کے لئے خصوصیت سے اہتمام کیا گیا ہے ۔ طاعون ہیضہ ۔ ملیریا کے انسداد کے لئے ایک ایسا اسٹاف مقرر کیا گیا ہے جو دورہ کر کے رعایا کو طبی امداد دیتا ہے اور لیکچروں اور دیگر ذرایع سے لوگوں کو حفظ ماتقدم کے اصولوں سے واقف کرتا ہے ۔ امراض متعدی کے لئے مخصوص ہسپتال قائم کیا گیا ہے جہاں طاعون ۔ دق ۔ سل ۔ ہیضہ ۔ چیچک ۔ نارو اور فیل پا وغیرہ امراض کا علاج کیا جاتا ہے ۔ طاعون کے مریضوں کو شفاخانوں میں منتقل کرنے کے لئے امبولنس کاریں مقرر ہیں اور طاعون زدہ علاقہ کو ڈس انفکٹ

کرنے کے لیے ایک عملہ مضبوط جداگانہ مقرر ہے۔ غرض ہر ممکن طریق سے

رعایا کی صحت کی حفاظت کیجاتی ہے

جدید طبی تحقیقات اور انکشافات سے پورا فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور اس کے علاوہ ملک کے عام مذاق کو مدنظر رکھتے ہوئے

یونانی شفاخانوں کا بھی انتظام ہے

جسطرح پر اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے علوم کی سرپرستی فرمائی ہے اسیطرح طب اسلامی (یونانی) کی سرپرستی میں کمال کر دیا اور لاکھوں روپیہ کے صرفہ سے اسکو ایک جدید اسلوب سے منظم کرنے کا اہتمام فرمایا اس مقصد کے لیے آپنے ہندوستان کے نامور حکمار کو بلاکر ان سے مشورے لیے۔ اور ایک مستقل اسکیم تمام ملک میں طبی تعلیم اور عملی فن کے لیے جاری کرنیکو ایک

یونانی طبیہ کالج قائم فرمایا

اسکے علاوہ مملکت آصفیہ میں قدیم مصری طب کا بھی رواج ہے اور دولت آصفیہ اسکی سرپرستی میں کشادہ دلی سے کام لیتی ہے یہ قدیم طریق علاج [illegible] اور جنگلی جڑی بوٹیوں [illegible] کیا جاتا ہے۔ خاص شہر حیدرآباد میں [illegible] میں چل رہے ہیں اسیطرح ہومیوپیتھک طریق [illegible] کے لیے کوئی جدید یا قدیم طریق ایسا نہیں جسکی [illegible] تمام جدید طریقوں سے علاج کیا جاتا ہے [illegible] صحیح ہوتے ہیں۔ اور ہوتے ہیں [illegible] اور توجہ [illegible]

(۷) والیسی زیڈنسی بازار [illegible] کے واقعات میں [illegible]

ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس موقعہ پر [illegible] کی تاریخ اور اس کے نظام کی تاریخ اور [illegible]

[illegible]

[illegible] سرکار [illegible]

مستقل مکان کی اجازت نظام وقت سے لیگئی اور موجودہ رزیڈنسی کی کوٹھی جو اسوقت اتنی وسیع اور شاندار نہ تھی ان کے قیام کے لئے مخصوص ہوئی سنہ ۱۸۵۷ء تک اس کوٹھی کا حصار نہ تھا مگر اس شورش کے بعد اسکو محصور کر دیا گیا۔ اور رفتہ رفتہ اس کے ساتھ کا علاقہ جو مختلف محلوں اور بازاروں پر مشتمل تھا رزیڈنسی کا علاقہ قرار پایا اور قریباً سو سال تک وہاں حکومت برطانیہ کا پرچم لہراتا رہا۔ مشیت الٰہی نے اس علاقہ کی واپسی کے لئے بھی

عہد عثمانی کو مقرر کیا تھا

چنانچہ ۱۴ رمئی سنہ ۱۹۳۳ء کو دن کے بارہ بجے یہ علاقہ واپس کر کے آصفجاہ ہفتم کے قبضہ مین دیدیا گیا بجز رزیڈنسی کے محصور علاقہ اور بعض مخصوص عمارات کے اور کوئی قطعہ زمین دولت برطانیہ کے نائب رزیڈنٹ کے زیر علم نہیں رہا۔ یہ انقلاب کرنل کینر رزیڈنٹ کے عہد کا قابل یادگار واقعہ ہے ۱۴ رمئی سنہ ۱۹۳۳ء کا دن تاریخ آصفی مین ایک

یادگاری دن ہے

اس علاقہ کا چارج کرنل کینر نے سر یمین السلطنۃ مہاراجہ سر کشن پرشاد بالقابہ صدر اعظم کو دیا صدر اعظم کے ہمراہ سرکار عالی کے دوسرے معتمدین بھی تھے۔ انہوں نے سارے علاقہ کا گشت کیا اور رسم حوالگی عمل مین آئی۔ رزیڈنسی روڈ کا نام شاہراہ عثمانی اور رزیڈنسی بازار کا نام سلطان بازار رکھا گیا۔ اور ۹ رتیر ۱۳۴۲ف کے جریدہ مین سرکاری اعلان آئندہ کے نظم و نسق کے متعلق ہو گیا اور اس روز سے یہ علاقہ سرکار عالی کے ماتحت ہے کل تمام قوانین دولت آصفیہ جاری ہوئے۔ استرداد رقبہ رزیڈنسی بجائے خود دولت عثمانیہ

تاریخ کا ایک نیا باب ہے

(۸) ٹپہ اور سکہ: عہد عثمانی کے کارنامون مین ٹپہ اور سکہ کی اصلاحات اور ترقیات ہین حیدرآباد کو ہمیشہ سے اپنے ڈاکخانہ کا فخر حاصل ہے جو ہندوستان کی کسی دوسری

ریاست کو نہیں ایسا ہی سکہ کی خصوصیت بھی صرف حیدرآباد کی باقی رہ گئی ہے دولت آصفیہ
کے ڈاکخانہ جات کا انتظام اسی نہج اور اصول پہ ہے جو سرکار انگریزی کا ہے۔ تمام ممالک محروسہ
میں ڈاکخانوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے اور ہر ڈاکخانہ میں خطوط پارسل رجسٹری بیمہ
منی آرڈر سیونگ بنک وغیرہ کا کام ہوتا ان ڈاکخانوں کے استعمال کے لئے دولت آصفیہ
کے ٹکٹ استعمال ہوتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ حکومت انگریزی کے ڈاکخانوں میں
لفافوں اور کارڈوں کی قیمت میں اضافہ کا سوال ہر سال بجٹ کے موقعہ پہ ایک بحث
طلب سوال ہوتا ہے مگر حیدرآباد ریاست کے کارڈوں اور لفافوں کی قیمت میں قطعاً
اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

اسی طرح حیدرآباد کا یہ امتیاز بھی اب تک قائم ہے اور انشاءاللہ قائم رہیگا کہ
اس کا اپنا سکہ ہے۔ حیدرآباد میں مختلف اوقات میں مختلف قسم کے سکے جاری ہوئے
لیکن اب مستقل طور پر اصلاح شدہ سکہ جاری ہے سنہ ۱۳۱۲ف سے جو سکہ جاری ہوا اسکے
ایک رخ پر حیدرآباد کی مشہور عمارت چارمینار کی تصویر اور دوسری طرف خط نسخ میں یہ
عبارت کندہ تھی "ضرب حیدرآباد فرخندہ بنیاد جلوس میمنت مانوس"۔ اسوقت اعلیحضرت
میر محبوب علیخان بہادر فرمانروا تھے اس لئے ان کے عہد حکومت کے اظہار میں آپ کے
نام کا پہلا حرف (م) بھی اس پر کندہ تھا لیکن عہد عثمانی میں میم کے بجائے (ع)
کا حرف ثبت ہے۔ عہد عثمانی میں چار قسم کے سکے رائج ہوئے۔ طلائی۔ نقرئی۔ تانبے
اور نکل کے سکے طلائی سکوں میں اشرفی۔ نیم اشرفی اور ربع اشرفی اور مسدس
اشرفی اور نقرئی سکوں میں روپیہ۔ اٹھنی۔ چونی اور دونی۔ نکل کے سکوں میں۔ اکنی
اور تانبے کے سکوں میں پیسہ آدھ پیسہ اور آدھ آنہ کا سکہ۔ دھات کے سکوں کے علاوہ
عہد عثمانی میں سکہ قرطاس [illegible] جاری ہوا جو نہایت خوبصورت ہیں۔ یہ نوٹ
[illegible] ایک جلد [illegible]

رنگ اور ڈیزائن ہے جسکی وجہ سے دھوکا نہیں ہوتا۔

سرکاری عدالتوں اور دستاویزات کے استعمال کے لئے اسٹامپ میں کاغذ مہیا ہو اور سکے بھی یہاں تیار ہوتے ہیں جو دارالضرب سرکار عالی میں طبع اور مضروب ہوتے ہیں اور اس مقصد کے لئے جدید مشینوں کو نصب کیا گیا ہے۔

گول میز کانفرنس

اسی پچیس سالہ عہد حکومت میں گول میز کانفرنس کا انعقاد ایک نہایت اہم تاریخی واقعہ ہے جو ہندوستان کے دور جدید کے آغاز کے لئے لندن میں منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے بہترین دماغ مشورہ کے لئے انگریزی مدبروں کے دوش بدوش جمع ہوئے۔ اس کانفرنس کا اجلاس ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک لندن میں مقررہ ایام میں ہوتا رہا۔ حیدرآبادی وفد کی صدارت کے لئے اعلیحضرت سلطان دکن نے سر اکبر حیدری (نواب حیدر نواز جنگ بہادر) کو منتخب فرمایا۔ اس وفد میں نواب مہدی یار جنگ بہادر۔ سر کرنل ٹرینچ اور نواب سر امین جنگ بہادر شریک تھے۔ اس وفد نے گول میز کانفرنس میں ہندوستان اور دولت آصفیہ کی بہبودی کیلئے بہترین کام کیا۔ یہہ وفد دراصل ایک واسطہ تھا حقیقت میں ان کے پیچھے جو دماغ کام کر رہا تھا وہ

اعلیٰ حضرت سلطان دکن کی شخصیت تھی

جو تجاویز اور اہم مشورے کانفرنس میں حیدرآباد کے نمایندہ وفد نے پیش کئے وہ اسی حکیم السیاست کی تجویز اور تدبر کا نتیجہ تھے۔ اور اعلیحضرت کی ہدایات کے حاصل کرنے میں رئیس وفد نے یہاں تک احتیاط کی کہ ہر امر کے متعلق خواہ وہ کتنا ہی معمولی اور چھوٹا کیوں نہ ہو بندگان عالی کے حضور زبان برق سے پیش کر کے استصواب کیا اور اس کا نتیجہ یہہ تھا کہ کانفرنس کے بہترین ارکان نے حیدرآبادی وفد کے تدبر کا اعتراف کیا

سر ہیوگ ہو نے ایک موقع پر سر حیدر نواز جنگ کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف اس طرح کیا
"جب تمام دنیا کسی نہ کسی طرح سے دولت کھو رہی ہے۔ سر اکبر حیدری دولت
پیدا کرنے میں کامیاب رہے ہیں اس بنا پر حیدرآباد کے مالیات کی حالت دوسرے
ممالک کے مقابلہ میں بہت اچھی ہے"

گول میز کانفرنس میں حیدرآبادی وفد کے رئیس نے اپنی حکومت کے
حقوق اور وقار کی حفاظت کے لئے پوری کوشش کی اور اپنی خداداد قابلیت سے
ہر مشکل کو باآسانی سلجھا لیا نہ صرف یہ بلکہ کانفرنس کے دوسرے ارکان جب پیچیدہ
مسائل کی گتھیوں کے سلجھانے میں مشکلات محسوس کرتے تھے تو یہ مدبر باآسانی ایک
حل پیش کر دیتا تھا۔ اظہار حقیقت کے رنگ میں ہم اس امر کے بیان کرنے میں مضائقہ
نہیں سمجھتا کہ کانفرنس کے نازک اور پیچیدہ مسائل کے حل کرنے میں سب سے بڑی شخصیت
جو پیش تھی وہ

چودھری سر ظفر اللہ خان وزیر تجارت ریلوے

کی تھی اور جسکا اعتراف کانفرنس کے لیڈنگ ممبران نے کیا۔ سر حیدر نواز جنگ اس
ممتاز شخصیت کے ساتھ تعاون کا بہترین نمونہ رہے۔ غرض حیدرآباد کے رئیس وفد نے
اس قابلیت اور تدبر کے ساتھ اپنے حقوق کی حفاظت کی کہ حیدرآباد کی تاریخ میں یہ
امتیاز قائم رہیگا انھوں نے وفاق کی صورت میں حیدرآباد کی شاہی روایات اور
اقتدار کی پوری حفاظت کی [illegible] وقار محفوظ رہیگا۔ اپنا سکہ اپنا ڈاکخانہ
ہمیشہ قائم رہیگا۔

[illegible] واقعہ یہ کہ کانفرنس کے [illegible] ارکان نے سر اکبر حیدری کی خدمات اور
قابلیت کا [illegible] شوکت الفاظ میں [illegible] لارڈ سینکی نے ایک جلسہ کی صدارتی تقریر
میں ان کی نسبت اظہار کرتے ہوئے یہ کہا کہ

"حیدرآباد کے عہد جدید کی ترقیوں پر جن لوگوں نے غور کیا ہے وہ میری اس رائے سے ضرور اتفاق کریں گے کہ حیدرآباد کی مالیات کی درستی نظم ونسق کی کامیابی اور تمام مادی ترقیوں میں سر اکبر حیدری کی گہری دلچسپی شریک رہی ہے اور ہر اصلاحی اور ترقی پذیر کام میں انکا نمایاں حصہ رہا ہے۔"

کچھ شک نہیں کہ انگلستان کے مدبرین نے جس نقطۂ نگاہ سے حیدرآباد جدید کو دیکھا اور اس کی تعمیر میں سر اکبر کے دماغ اور ہاتھ کو انہوں نے کام کرتے پایا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مشنیری کو چلانے والی ہستی

خود ذات شاہانہ تھی

وہ تمام مشورے اور تجاویز اسی چشمہ سے آتی ہیں اور اعلیحضرت ہی ان تمام کامیابیوں اور ستائش کے جائز حقدار ہیں جن کی نظر انتخاب ایسے وجود پر پڑی جو نہایت عمدگی سے شاہی اشارات کو سمجھنے اور انکو عمل میں لانے کا اہل تھا۔ پھر سر اکبر حیدری کی کانفرنس میں کامیابی کا انحصار ان کے قابل اور ممتاز شرکائے کار کا ان کے ساتھ صحیح اور قابل تعریف تعاون تھا جنہوں نے اپنی ساری قوتوں کو

حیدرآبادی وفد کی کامیابی پر لگا دیا

اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت آصفیہ کی نمائندگی ہندوستان بھر کے نمائندوں میں نمایاں رہی۔ حیدرآبادی وفد کے واپس آنے پر سر اکبر حیدری نے گول میز کانفرنس میں حیدرآبادی وفد کے کارناموں پر ایک مفصل بیان پریس کو دیا ہے اسکی تفصیلات کو تو انشاء اللہ العزیز (برکات عثمانی) میں بیان کرونگا لیکن اس میں جو اصلی اور مرکزی نقطہ سر اکبر حیدری نے بیان کیا وہ

اعلیحضرت کی اصولی ہدایات تھیں

جنکی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے جنکو پڑھ کر ہر شخص بیساختہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ
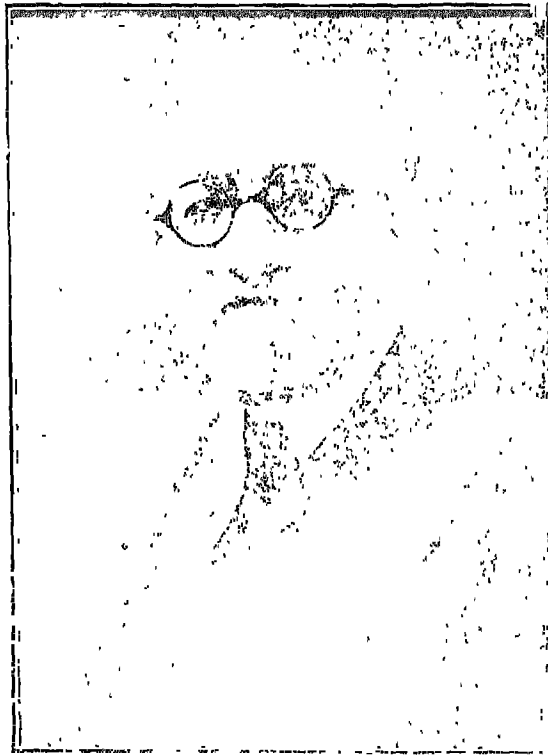
رائٹ آنریبل سر اکبر نواب حیدر نواز جنگ بہادر
صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

سلطان دکن کی اصابت رائے اور بالغ نظری کا مقام بہت رفیع ہے۔ حضور نے ایک ہمہ گیر اصل سر اکبر حیدری کے وفد کو بتادیا تھا اور وہ رئیس وفد کے ہی الفاظ میں یہ ہے۔

حیدرآبادی وفد کا طریق عمل حضرت اقدس و اعلیٰ کی ہدایات عالیہ کے مطابق تھا احکام مبارک کی رو سے وفد کا یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ یہ لوگ حکومت برطانیہ کے نمائندے سے ساتھ ان مسائل میں جو گول میز کانفرنس میں زیر بحث آئیں گے۔ اس طرح حل کرنے میں اتحاد عمل کریں کہ برطانی ہند اور ریاستوں کی مشترک امن و عافیت کے حصول کا موجب ہو۔ البتہ کسی ایسی اسکیم کی حامی نہ بھریں جو موجودہ تعلقات باہمی تاج برطانیہ و اعلیحضرت بندگانعالی میں حارج ہو یا مملکت برطانیہ اور حیدرآباد کے مفاد کے منافی ہو۔ طے پایا تھا کہ آل انڈیا فیڈریشن کے متعلق وفد کا رویہ ہمدردانہ نیز دانشمندانہ حزم و احتیاط کا ہو اور یہی خیال تھا کہ اگر کانفرنس کی کارروائیوں سے یہ ظاہر ہو کہ ریاستوں اور برطانی ہند کی بہبودی اسی طریقہ کار میں مضمر ہے۔ تو وفد کو چاہیے کہ برطانوی ہند کے لئے ایک ایسے دستور اساسی حاصل کرنے میں اپنے کو کام میں لائے۔ جو بشرط موقع ایک آل انڈیا فیڈریشن کے قیام میں باعث سہولت ہو۔ وفد کے لئے اس امر کا احساس بھی ضروری تھا کہ اعلیحضرت بندگانعالی کسی ایسے فیڈرل یونین میں شرکت کرسکنے پر آمادہ نہیں ہیں جو حیدرآباد کی پوزیشن کو بہ حیثیت بزرگ ترین ریاست ہند کے برقرار نہ رکھ سکے۔ یا ان کے اختیارات شاہانہ میں کسی قسم کی مداخلت کرے ان کے علاوہ احکام مبارک میں برطانوی ہند کے ساتھ مجوزہ مالی اور معاشیاتی سمجھوتہ اور دیگر امور کے متعلق بھی مزید ہدایات موجود تھیں۔

سر اکبر حیدری دوبارہ گول میز کانفرنس میں گئے اور اس مرتبہ انہوں نے جو کارہائے نمایاں کیے ہیں ان کی یاد ابھی تک تازہ ہے۔ سر اکبر حیدری نے اعلیحضرت کی عظیم المرتبت شخصیت کو برطانیہ میں نمایاں کردیا اور سلطنت کے مدبروں سے اقرار کرالیا کہ

مصیبت اور ضرورت کے وقت اعلیحضرت ہی نے بے نظیر مدد کی ہے۔ اس اصل میں اعلیحضرت نے برطانیہ کے ساتھ میثاقِ مودت کی مضبوطی اور ایفائے عہد کے اصول کی جو تعلیم دی ہے وہ بے نظیر ہے۔ اگرچہ دولت آصفیہ و برطانیہ کے تعلقات بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے لیکن گول میز کانفرنس کے سلسلہ میں اسکا ذکر آگیا ہے تو میں اس تقریر کا ذکر کئے بغیر نہیں گزر سکتا جو وزیر ہند نے ۳ نومبر ۱۹۳۱ء کو لنڈن کے مشہور ہوٹل ہائیڈ پارک میں ایک ڈنر کے موقعہ پر کی تھی۔

برطانیہ کا دوست اور یار وفادار

اعلیحضرت نظام دکن خلد اللہ ملکہ نے خاندانِ آصفی کی روایات صدق و وفا کو پوری شان اور قابلیت کے ساتھ قائم رکھا ہے۔ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے ساتھ ابتدا میں جو معاہدات مودت قائم ہوئے۔ اسلامی اصول میثاق پر حضور نے ان کا احترام کیا اور مغربی اصول سیاست پر ایسے پرزہ کاغذ نہیں سمجھا ہر آڑے وقت پر اپنی مروت اور محبت کے ہاتھ کو لنبا کیا حکومت برطانیہ کے نمائندوں نے وقتاً فوقتاً اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اس کا تازہ ترین مظاہرہ وہ تھا جو ۳ نومبر ۱۹۳۱ء کو لنڈن کے مشہور ومعروف ہوٹل ہائیڈ پارک میں ہوا جبکہ دولت آصفیہ کی طرف سے گول میز کانفرنس کے حیدرآبادی وفد کے رئیس سر اکبر حیدری نے سر سیموئیل ہور وزیر ہند اور لیڈی ہور کو ایک شاندار دعوت پر مدعو کیا۔ اس دعوت میں ڈیڑھ سو کے قریب چوٹی کے لوگ شریک تھے اور وہ یہ لوگ تھے جو اپنی قوم میں ایک ممتاز اور شاندار حیثیت رکھنے کے علاوہ سیاسی دنیا میں ایک مستند اثر رکھنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ وزیر ہند اور ان کی بیگم صاحبہ کے علاوہ سر آغا خان بالقابہ سر سٹورٹ فریزر اور لیڈی فریزر سابق ریزیڈنٹ حیدرآباد بھی موجود تھے۔ شاہزادگانِ بلند اقبال بھی تشریف فرما تھے۔ اس تقریب پر سر حیدری نے جام وفاداری تجویز فرمایا۔ جسکے جواب میں وزیر ہند نے زیبندۂ تاج و تختِ آصفی

آصف جاہ ہفتم اعلیحضرت نظام دکن کا جام صحت تجویز کیا اور اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ :-

اعلیحضرت نظام ہمیشہ برطانیہ کے دست راست ثابت ہوئے ہیں آپ نے نازک ایام میں برطانیہ کی جو بیش قیمت اور گرانمایہ خدمات انجام دی ہیں وہ برطانیہ کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی جسطرح حضور نظام نے برطانیہ کے ساتھ اپنی دوستی وفاداری روا رکھی ہے اسی طرح برطانیہ بھی آپ کی دوستی کا دم بھرتا ہے ۔

یہ تازہ ترین بیان ہے جو برطانیہ کے ذمہ دار نمائندہ نے دیا ہے۔ اور اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اس لئے کہ واقعات اور تاریخ اس صداقت کے زبردست گواہ ہیں کہ ہر آڑے وقت اور ہر نازک ساعت میں آصفی کنگڈم نے برطانیہ کا ہاتھ پکڑا ہے اور عہد دوستی کا عملی ثبوت دیا ہے۔ مجھے اس امر کے اظہار میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اس عہد دوستی کی رعایت اور میثاق مودت کے استحکام کے لئے اعلیحضرت کو بعض اوقات بہت بڑی قربانیاں کرنی پڑی ہیں چونکہ بحیثیت ایک مسلم بادشاہ کے آپ احترام میثاق کرتے ہیں۔ اور معاہدات کی قدر و قیمت کو جانتے ہیں آپ نے جہاں نازک سے نازک اوقات میں اپنے یار وفادار ہونے کا ثبوت دیا ایسے حالات کے پیدا ہو جانے پر جو ایک دوست کو برہم کر سکتے ہیں۔ آپ نے اولوالعزمی حوصلہ سے کام لیا یہ کمزوری نہیں بلکہ ہمت مردانہ اور روح مودت کا ظہور ہے بہرحال اعلیحضرت نظام دکن کی یاری وفاداری کا اعتراف تاج برطانیہ نے ہمیشہ کیا ہے اور واقعات کا ایک لمبا سلسلہ اس صداقت کا موید ہے کہ کوئی شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں کیا ہندوستان کے مسلمان یا ریاست آصفیہ کی رعایا تاج برطانیہ سے یہ مطالبہ کر سکتے کہ اپنے یار وفادار اور نازک اوقات کے بہترین دوست اور دست راست کے حقوق و امتیازات کی حفاظت اور میثاق دوستی کی رعایت اس کا فرض ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ مطالبہ

نہایت زبردست اور قابل قبول نہیں۔ اس دست راست کی مضبوطی برطانیہ کی اپنی بھلائی کا موجب ہے۔

عثمانی حیدرآباد کے عہد جدید کے صائب رائے مدبر سر اکبر حیدری نے اپنی تقریر میں حیدرآباد کی رعایا کی ترجمانی کی اور نہایت ہی موزوں الفاظ اور پسندیدہ اسلوب میں برطانیہ کو اپنے فرائض دوستی اور احترام معاہدات کی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ اعلیحضرت خلد اللہ ملکہٗ کی توجہ عالی ہمیشہ اقتصادیات اور دیگر مفید و کارآمد شعبوں کی ترقی استحکام کی طرف مائل رہتی ہے۔ اور برطانیہ کے ساتھ عہد مودت و وفا کو اپنی حکمت عملی کا جزو بنا رکھا ہے۔ اس کے بدلے میں حیدرآباد چاہتا ہے کہ اسے سلطنت نظام کے لوگوں کی ضروریات کے مطابق حکمت عملی میں ضروری تبدیلیوں اور ان پر کاربند ہونے کی کامل آزادی ہو

آثار عتیقہ کی حفاظت

حضرت آصفجاہ ہفتم کے کارناموں میں آثار عتیقہ کی حفاظت کا اہتمام بھی ایک خاص شان اور امتیاز رکھتا ہے۔ مملکت آصفیہ آثار عتیقہ کی امانت کے پہلو سے تمام ہندوستان میں ممتاز اور نمایاں ہے نہ صرف آثار قدیمہ کی کثرت کیوجہ سے بلکہ انکی ندرت کی حیثیت سے بھی نادرات روزگار کا درجہ رکھتی ہیں۔ میں ان آثار عتیقہ کی تفصیلات اور ان کے تاریخی کوائف پر اس مقام میں بحث نہیں کر سکتا اور نہ آثار قدیمہ کے تحفظ کے لئے جو محکمہ قائم کیا گیا ہے اس کے کارناموں پر کوئی تبصرہ کرونگا اس لئے کہ تفصیلات کے لئے حیات عثمانی کی دوسری جلد

برکات عثمانی مخصوص ہے

یہاں مجھے صرف اسی قدر ظاہر کرنا ہے کہ عہد عثمانی کے آغاز کے ساتھ ہی اس محکمہ کا قیام عمل میں آیا جو قدیم تمدن و تہذیب اور تاریخ عتیق کا محافظ کہلا سکتا ہے۔ اس محکمہ کے قیام نے تاریخ کے ریسرچ سکالرز کے لئے ایک نیا میدان پیدا کر دیا ہے اور قدیم

ہ و تہذیب اور دکن کی اسلامی حکومتوں اور سلطنتوں کے آثار کو جو کھنڈرات کی
ل اختیار کر چکے تھے موت اور گمنامی کے پنجہ سے نکال کر

دربار زندگی میں لا کھڑا کیا

دکن کی قدیم اسلامی حکومتوں اور سلطنتوں کی تاریخ کے طالب علم کے لئے اس
لمہ کے ذریعہ بہت قیمتی مواد بآسانی مل سکتا ہے یہ محکمہ نہایت مستعدی سے مصروف عمل ہے
لمہ آثار قدیمہ اپنی تحقیقات کے نتائج کو وقتاً فوقتاً کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے جو
ریزی زبان میں شائع ہوتے ہیں شائع کرتا رہتا ہے جن میں کتبوں کے حالات اور فوٹو
ی دئے جاتے ہیں ان علمی تحقیقات نے نہ صرف ہندوستان کے علم دوست طبقہ میں
لہ ہندوستان کے باہر یورپ اور امریکہ میں بھی دولت آصفی کے اس کارنامہ کو جو عہد عثمانی
ایک زرین کارنامہ ہے نمایاں کر دیا ہے۔

ایک وقائع نگار کے فرائض سے شاید کوئی مشورہ پیش کرنا درست نہ ہو مگر میں
یہ بات کہنے کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آثار قدیمہ کی تحقیقات کے نتائج کا ذخیرہ اس وقت
ک انگریزی میں ہے کیا ہی اچھا ہو کہ دولت آصفیہ کے اس علمی خزانے کا انکشاف اس
زبان میں بھی ہو جس کی سرپرستی کا طرۂ امتیاز حضرت آصف جاہ ہفتم ہی کے سر ہے جنہوں نے

عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام سے اسے نمایاں فرمایا ہے

اس محکمہ کی نظامت کے فرائض مسٹر یزدانی ادا کر رہے ہیں جن کی قابلیت مستعدی
اور نقطہ رسی کا اعتراف کیا گیا ہے اور جو اس خصوص میں اپنی علمی قوتوں کے لئے ممتاز
ہیں انکی خدمات کا اعتراف ملک معظم شاہنشاہ ہند نے انہیں خطاب دیکر کیا ہے۔ کچھ
شک نہیں کہ جو کام اس محکمہ نے ابتک کیا ہے وہ

دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر چکا ہے

لیکن جو کچھ بھی ہوا یا ہوگا وہ بندگانعالی کی توجہ گرامی اور آپکی حکومت کی قدردانی اور

خاص دلچسپی کا نتیجہ ہے

آصفجاہ ہفتم کی سلور جوبلی

پچیس ۲۵ سالہ عہدِ عثمانی کی کامرانی اور شادمانی کے اظہار کیلئے

جشنِ سیمیں منانے کی تجویز ہوئی

اس تحریک کے ساتھ تمام ممالکِ محروسہ میں مسرت و انبساط کی ایک رو پیدا ہوگئی اور ہر مقام پر اس عہدِ مسرت کی یادگاریں قائم کرنے کے لئے رعایائے آصفی نے سیم و زر کی بارش برسانی شروع کر دی۔ جشنِ سیمیں کے انتظام کے لیے ایک مضبوط کمیٹی کا تقرر عمل میں آیا جس میں معاملہ فہم عہدہ دارانِ سرکاری کے علاوہ ممتاز پبلک بھی شریک تھے۔ یہ کمیٹی نہایت مستعدی اور سرگرمی سے تقسیمِ محنت کے اصول پر کام کر رہی تھی۔ یہ سال در حقیقت

جوبلیوں کا سال تھا

ملکِ معظم قیصرِ ہند کی جوبلی کے بعد سر آغا خان کی جوبلی منائی جا رہی تھی کہ یکایک

ملکِ معظم بیمار ہو گئے

سر آغا خاں بالقابہ کو ملکِ معظم کی ذات سے گہری ارادت اور محبت تھی انکی علالت کی خبر پاتے ہی تمام رسومات کو انہوں نے ملتوی کر دیا۔ حضرت آصف جاہ ہفتم کی جوبلی کے لئے سرگرمی سے تیاریاں ہو رہی تھیں کہ یکایک ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء کی رات کو گیارہ بجکر پچپن منٹ پر

ملکِ معظم جارج پنجم کا انتقال ہو گیا

۲۱ جنوری کی صبح ایک بے حد قیامت کی تھی۔ اعلیٰحضرت اقدس کو بھی ملکِ معظم جارج پنجم کی ذاتی [illegible] تعلقات تھے اس لئے حضور کو [illegible] کی ذات سے صدمہ ہوا اور تمام خوشی کی تقریبات [illegible] ملتوی کر دیا گیا [illegible]

سلور جوبلی کی تاریخ [illegible] بدل دیا

ملک معظم کی تعزیت کے لیے اعلیٰحضرت بہ نفس نفیس ۱۳ ؍ جنوری ۱۹۳۶ء کو بہ معیت جناب والاشان اعظم جاہ بہادر و ہز اکسیلنسی سر یمین السلطنت صدر اعظم بہادر اور کابینہ آصفی کے معزز ارکان کے تشریف لیگئے رزیڈنٹ بہادر نے اعلیٰحضرت کا خیر مقدم فرمایا اور اعلیٰحضرت نے چار منٹ تک

اظہار تعزیت کیا

اور اسی روز بارہ بجے اعلیٰحضرت نے جو محل میں ملک معظم کے انتقال پر

ماتمی دربار منعقد فرمایا

جس میں باب حکومت کے تمام وزرا اور عالیجناب صدر اعظم صاحب بالقابہ سفید لباس میں ملبوس تھے اور بازو پر ماتمی سیاہ نشان تھا۔ اس دربار میں نواب کاظم یار جنگ بہادر اور کمشنر پولیس بلدہ نواب رحمت یار جنگ بہادر بھی شریک تھے ذات شاہانہ اور رزیڈنٹ بہادر کے درمیان تین چار منٹ تک تعزیتی مکالمہ رہا اور پھر واپسی عمل میں آئی یہ تقریب افضل محل میں ہوئی۔ اور ہر قسم کی خوشی کی تقریبوں کا التوا عمل میں آیا۔ پیغامات تعزیت بھیجے گئے۔ اعلیٰحضرت نے ذاتی طور پر اس صدمہ کو بہت محسوس کیا اور اس غم افزا تقریب پر مندرجہ ذیل جریدہ اعلامیہ شائع ہوا۔

جریدۂ غیر معمولی

جلد ۶۷ - حیدرآباد دکن - ۱۰ ؍ اسفندار ۱۳۴۵ ف م ۲۵ شوال المکرم ۱۳۵۴ھ یوم شنبہ نمبر (۲)

حکم سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنت پیشکار و صدر اعظم کونسل

۲۵ شوال المکرم ۱۳۵۴ھ م ۱۰ ؍ اسفندار ۱۳۴۵ ف

ہز موسٹ گریشس میجسٹی بادشاہ جارج پنجم بادشاہ گریٹ برٹن و آئرلینڈ و قیصر ہند کے انتقال پر ملال کی خبر وحشت اثر سے ملازمان حضرت اقدس و اعلیٰ کو کمال تاسف اور دلی رنج ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تیسرا حصہ

(سیرۃ عثمانی)

یعنی

اعلیٰحضرت سلطان دکن کے شمائل و خصائل

تمہیدی نوٹ

پچھلے اوراق میں اعلیٰحضرت سلطان دکن کے عام حالات زندگی اس عہد تک میں نے بالاختصار لکھ دئے ہیں۔ گو مجھے اعتراف ہے کہ اس عہد زندگی کے تمام حالات معرض تحریر میں نہیں آسکے تاہم جسقدر لکھا گیا ہے وہ بھی آپ کے سوانح حیات کے اظہار کے لئے کافی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ملوک و سلاطین کی زندگی کے واقعات کچھ ایسے نمایاں اور الم نشرح ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اجمال میں تفصیل کی شان رکھتے ہیں۔

سلطان دکن کے حالات زندگی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فطرتاً ایک ذی لیاقت

اور زیرک انسان ہیں جنکو دوربین فکر اور عاقبت اندیش قوت ودیعت ہوئی ہے ایام ولیعہدی سے لیکر عنان حکومت ہاتھ میں لینے تک انکی زندگی ایک ایسے انسان کی زندگی ہے جو

علمی ترقیات ہی کا شیدائی ہے

حکومت اور دولت کی خواہش اسکے عمل سے مفقود نظر آتی ہے اور اسکا انتہائی مقصد ان ایام میں صرف علمی کمالات کا حصول ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک وسیع سلطنت کا والی پیدا کیا تھا اس عہد اکتساب علوم میں جو نصب العین اسکے سامنے نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ

ان علوم کو کسطرح اپنی رعایا کے لیے مفید بنا سکتا ہوں

وہ اپنی آنیوالی زندگی کا ایک مستقل پروگرام اسی عہد طالب علمی میں تیار کر لیتا ہے۔ اور بطور بنیادی اصولوں کے جس چیز کو وہ مقصد حکومت قرار دیتا ہے وہ

رعایا کی عام تعلیم اور رفع الحالی ہے

اسی محور پر اسنے ان ایام میں اپنے دائرہ عمل کو کھینچ لیا تھا اور وہی شان آپ کی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں نظر آتی ہے اور اس روح اور جذبہ کو اسنے اپنے عمل سے پیدا کیا ہے جیسا کہ اس کتاب کے پڑھنے والے آئندہ اسکی تفصیل کو دیکھیں گے۔

اس حصہ حیات عثمانی میں میں اعلیٰ حضرت سلطان دکن کی سیرۃ و کردار کے بعض پہلو دکھانا چاہتا ہوں مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ میں پورے طور پر اس قلمی تصویر عثمانی میں اخلاقی محاسن و اطوار کا صحیح اور مکمل نقشہ نہیں کھینچ سکا لیکن جسقدر بھی میں دکھا سکا ہوں وہ تصویر عثمانی کے سمجھنے کے لیے رہنمائی کا کام دے سکتا ہے۔

یوں تو ہر شخص کی زندگی گوناگوں عجائبات کا مجموعہ ہوتی ہے اور اسکے واقعات انسانی کریکٹر اور کردار کو علم النفس کی روشنی میں نمایاں کرتے ہیں مگر ملوک اور سلاطین کی زندگیوں کا اثر چونکہ پبلک پر پڑتا ہے وہ زیادہ قابل غور ہوتی ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ کردار کی خوبی ہی ایک

جہاں ہر قسم کی مخالفتیں ختم ہو جاتی ہیں اور ایک

زبردست اتحاد کا وہ مرکز بن جاتا ہے

سلاطین اپنی رعایا پر حکومت کرتے ہیں یہ حکومت بظاہر قہری ہوتی ہے۔ اسلئے کہ
حکومت اپنے احکام کے منوانے کیلئے زبردست قوت اور طاقت کے سامان رکھتی ہے اور وہ
ایک قسم کی تخویف کا رنگ لئے ہوئے ہوتی ہے کچھ شک نہیں کہ قوت اور طاقت کا یہ مظاہرہ
ایک خوف دلوں میں پیدا کر دیتا ہے اور اس خوف سے غلامانہ فطرت پیدا ہو کر انسان کو اطاعت
پر مجبور کر دیتی ہے۔ جہاں بانی کے فلسفہ میں خوف کے مظاہرہ کو گو نمایاں کیا گیا ہو مگر حقیقت میں
وہ تسخیر قلوب کا ذریعہ نہیں اسلئے بہترین بادشاہ کے لئے فوجوں کی کثرت اور آلات حرب کے ذخیرہ
کی موجودگی رعایا کو بیرونی حملوں سے بچانے یا امن عامہ کے قیام کے لئے تو ضروری سمجھی جاتی ہے
لیکن اسکی خوبی اور حکومت کا صحیح راز

اسکے اعلیٰ کردار میں مخفی ہوتا ہے

جو قلوب کی تسخیر کرتا ہے اور یہ تسخیر اس تسخیر سے ہمیشہ بالاتر سمجھی گئی ہے جو قوت کی
نمائش اور خوف سے پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے کہ اس تسخیر میں محبت کا جذبہ کام کرتا ہے اور
وہ حسن اطاعت اور وفاداری کے نتائج کو پیدا کرتا ہے وہ غیر فانی اور انمٹ ہوتے ہیں۔
سلاطین کی زندگیوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو انہیں کامیاب اور رعایا کا محبوب
وہی بادشاہ ہوا ہے جسکی تلوار خون چکاں نہ تھی بلکہ جسکا دل اپنی رعایا کی محبت میں شاد و
وسیع تھا اور جسکا ہاتھ

رعایا کی سرپرستی کیلئے دراز تھا

میں اس سلسلہ میں مثالوں کو پیش کر کے اس تمہیدی نوٹ کو لمبا نہیں کرنا چاہتا
اور میں صرف اصولاً یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کچھ شک نہیں ایک جابر بادشاہ جو ہاتھ میں شمشیر
ونشان رکھتا ہے اور جسکے تیور چڑھے ہوئے ہیں اسکی رعایا اسکے سامنے خراج عقیدت پیش کیا

پیش کرتی ہے مگر یہ عقیدت و تسلیم کا ایک نمائشی مظاہرہ ہے جسکے پیچھے بغاوت و غداری کے جراثیم ہیں لیکن جس عظمت و شوکت کا مظاہرہ جذبات محبت سے ہوتا ہے وہ حقیقی اطاعت و وفا کے اثرات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔

اسی اصل کے ماتحت جو علم النفس کے نتائج اور تجربوں پر قائم کیا گیا ہے میں دولت آصفیہ کے ساتویں بادشاہ کے کردار کو دکھانا چاہتا ہوں میں اس امر کے اظہار میں ذرا بھی تامل نہیں رکھتا اور جھجکتا کہ وہ ایک انسان ہے اور عام انسانوں کی طرح غلطیوں سے مبرا نہیں لیکن میں جس چیز کو نمایاں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسکی غلطیوں یا کمزوریوں میں انسانی کمزوری کا جذبہ تو ہے لیکن حسن نیت میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال میں اس حصہ میں اسکے کردار و اطوار کا ایک خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اسکی رعایا کے دلمیں اپنے بادشاہ کے لئے محبت و عقیدت کے جو جذبات موجزن ہیں اور جنکا ظہور ہر اس تقریب پر ہوتا ہے جو اسکے بادشاہ کی خوشی اور شادمانی کی تقریب ہو اس کی تہ میں **جبر و خوف کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا بلکہ محبت کے جذبات کا ظہور ہوتا ہے**

اسلئے میں اس کتاب کے پڑھنے والوں سے کہونگا کہ وہ آصف جاہ ہفتم کی سیرۃ و کردار کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ یہی وہ چیز ہے جس پر رعایا آصفی کو ناز ہے نہ صرف یہ کہ وہ اس چیز کو اپنے لئے موجب ناز و فخر سمجھتی ہے بلکہ یہی اطوار و کردار اسکے لئے اپنے نظام زندگی کیلئے **ایک بدرقہ کا کام دیتی ہے**

سلطان دکن کی سیرۃ پر مختلف پہلوؤں سے بحث ہو سکتی ہے اسکے فہم و فراست ملکداری سیاست و تدبر جہانبانی کا ایک خاص پہلو ہے مگر میں اس قسم کے سیاسی اسرار میں جانے کی کوشش نہیں کرونگا۔ میں اعلیحضرت کی سیرۃ کے ان پہلوؤں کو دکھانا چاہتا ہوں جو انسانی اور سلطانی دونوں شانوں کو جمع کئے ہوئے ہیں اس لئے میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو کہونگا کہ وہ کو ایک انسان کی سیرۃ و کردار کو پڑھ رہے ہیں لیکن [illegible]

خاطر رکھنا چاہیئے کہ وہ

ایک بادشاہ کی سیرۃ پر غور کر رہے ہیں

عربی زبان میں ایک مقولہ ہے۔ "الناس علیٰ دین ملوکہم" اس میں یہ اشارہ ہے کہ لوگوں کی تمدنی و معاشرتی زندگی پر سلاطین کے اطوار و حالات کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے اور لوگ اسی رنگ میں رنگین ہونا بہت بڑی سعادت اور خوبی سمجھنے لگتے ہیں اس نکتہ کو بہت ہی کم لوگوں نے سمجھا ہے کہ بادشاہوں کے اقتدار اور جاہ و جلال سے زیادہ موثر انکی ذاتی سیرۃ اور کردار ہوتا ہے وہ اگر اس زبردست اور موثر ہتھیار کے ذریعہ چاہیں تو

ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر سکتے ہیں

صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کی شاہانہ زندگیوں میں جو سبق آموز حقیقت ہے وہ انکا کردار اور سیرۃ ہی تو ہے اور یہی وہ چیز تھی جسنے مختلف خیال مختلف مذاق اور مختلف اقوام کے لوگوں کو اپنے

حلقہ ارادت میں داخل کر دیا تھا

اور اسی نسخہ تسخیر و اکسیر نے انکو

مرکزی حیثیت دیدی تھی

اس حقیقت سے دنیا نا آشنا ہو رہی ہے اور اب شاہ پرستی کے جذبہ پر موت آرہی ہے اسلیئے کہ حکومتوں اور سلطنتوں کا کمال اعلیٰ اخلاق نہیں بلکہ

جنگی قوت کا استحکام سمجھا جاتا ہے

یہ نظیریں ہمارے سامنے ہیں لیکن یہ حکومت کے استقلال اور رعایا کے تسخیر قلوب کا ذریعہ نہیں ہے۔ ایسی تمام حکومتیں اور سلطنتیں اندرونی طور پر ہلاکت اور فساد کی طرف جاری ہوتی ہیں جہاں ذرا بھی موقعہ رعایا کو ملتا ہے وہ

انقلاب آفرین بغاوت کر دیتی ہے

اسلیئے اس قسم کی آفات اور مشکلات کا واحد علاج یہی ہے کہ اعلیٰ شاہانہ عمل ایسی

خوبیاں اور کمالات ہوں کہ وہ ایک مرکزی اور اساسی حیثیت رکھ سکے - پھر کسی بادشاہ کے کمالات کے ظہور و بروز کے لئے ماحول اور اندرونی اور بیرونی مشکلات میں سے گزرنا ضروری ہوتا ہے اسکی سیرۃ و کردار کے پہلو نمایاں نہیں ہو سکتے جبتک وہ ایسے حالات میں سے نہ گذرے جہاں انسانی ہمتیں اور عملی قوتیں گھبرا جاتی ہیں - سلطان دکن کی سیرۃ اور کردار کو میں نے اسی لئے پیش کرنا ضروری سمجھا کہ میں یہ دکھانے کی کوشش کروں کہ

اسکی حکومت کی اساس محبت ہے خوف اور جبر نہیں

اور وہ اپنی رعایا میں اسلئے محبوب نہیں کہ اقتدار اور حکومت کی طاقت اسکے ہاتھ میں ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے اطوار و کردار سے رعایا کا ہمدرد اور شفیق ثابت ہو چکا ہے اور اسکے سامنے اطاعت کے سر اسکی قہری اور جبری حکومت سے نہیں جھکتے بلکہ محبت اور احسان کی زبردست قوت ہے جو رعایا کے قلوب کو

عقیدت اور ارادت کا خراج ادا کرنے پر مجبور کر رہی ہے

اعلیحضرت سلطان دکن اپنے طرز عمل سے دنیا کی حکومتوں کو اس امر کے قائم کرنیکا سبق دے رہے ہیں جو اسوقت کی باشوکی ہوا کے سبب اکثر ممالک میں ٹوٹ چکا ہے اور اسنے ایسے ملکوں میں امن عامہ اور اخلاق کو تباہ کر دیا - میں نے دوسرے سوانح نگاروں کے خلاف یہ ضروری سمجھا کہ حیات عثمانی میں سیرۃ عثمانی کے باب کو نمایاں کروں تاکہ محبت اور اطاعت کے جذبات میں بیش از بیش ترقی ہو - اور وہ چیز جس نے ہمیشہ سے امن اور اخلاق کو قائم رکھنے میں مدد دی ہے اور جسے آج مختلف ممالک میں ترک کیا جا رہا ہے اسکی اہمیت سمجھ میں آوے - میں نے سلطان دکن کی سیرۃ کے ان پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے جو رعایا کے قلوب میں محبت اور اطاعت کے جذبات کو قائم رکھتی اور ترقی دیتی ہے - اور یہی وہ حقیقت ہے جو مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے لوگوں میں

زنجیر اتحاد کو ٹوٹنے نہیں دیتی

ہندوستان کی مختلف اقوام اور مذاہب کے لوگوں میں حیدرآباد سے باہر جو صدمہ پہونچا ہے اور جسکے بعض تلخ نتائج خون کے آنسو رلاتے ہیں اسکی جڑ یہی ہے کہ وہاں کوئی شخصیت ایسی نہیں جو

مرکزی حیثیت رکھتی ہو

لیکن حیدرآباد خطرناک طوفانوں میں بھی صحیح سلامت رہا ہے اور خدا کے فضل سے آئندہ بھی اسکی حفاظت کی امید کیجاتی ہے۔ اسلیئے کہ سلطان دکن

رعایا کی بہتری اور ترقی کا خواہشمند ہے

اور رعایا اسکو محسوس کرتی ہے۔

الغرض میں نے سیرۃ عثمانی کے باب کو خصوصیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے میں نے اس خصوص میں یہ بھی پسند کیا ہے کہ میں سیرۃ عثمانی کا یہ گلدستہ ان گوناگون گلہائے خیال و تاثرات سے جمع کردں جو مختلف لوگوں کے زاویہ نگاہ نے دکھایا۔ اسطرح یہ گویا مختلف لوگوں کے تاثرات اور مشاہدات ہیں۔ میں یہ لکھونگا کہ رعایا میں اتحاد اور باہمی مودت و یگانگت پیدا کرنے کے لیئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ سلطان دکن کی سیرۃ و اطوار کو پیش کیا جائے اسلیئے کہ اس نقطہ پر وہ سب اپنے اختلاف کو بھول کر متحد ہو سکتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ

وہ سب کا محبوب بادشاہ ہے

ممکن نہیں یقین ہے کہ میں بعض پہلوؤں کا ذکر نہ کرسکا ہوں لیکن یہ کوئی ایسی چیز نہیں بعد میں آنیوالی تالیفات اس موضوع پر انکو نمایاں کرسکیں گی۔ وباللہ التوفیق

(عرفانی)

باب اوّل

سیرۃ عثمانی کا ایک دلکش مرقع

مصور فطرت کے قلم سے

سیرۃ عثمانی کا آغاز میں اس مرقع سے کرتا ہوں جو مصور فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے سلطان دکن کو منظر دو مرتبہ نہایت قریب سے دیکھا اور پڑھ کر کھینچا ہے کچھ شک نہیں یہ تصویر بہت چھوٹی ہے مگر دیکھنے والے کو اس میں تمام خط و خال پورے طور پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ اسی تصویر کو اگلے ابواب میں انلارج کیا گیا ہے۔ خواجہ صاحب کی آنکھ سے اس مرقع عثمانی کو دیکھو۔

میر عثمان علی نام۔ مذہب اسلام۔ نسب صدیقی۔ لقب نظام آصفجاہ ہفتم۔ عمر پچاس سال قد چھوٹا جسم اکہرا۔ چہرہ کتابی۔ رنگ گندمی۔ ڈاڑھی صاف۔ مونچھیں گنجان۔ آنکھیں بڑی آواز بلند۔

ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے حکمران ہیں۔ ایسی ریاست جس میں گذشتہ زمانہ میں چار بادشاہتیں قائم تھیں۔ اور اب وہ سب اعلیحضرت حضور نظام کے زیر حکم ہیں۔

مشرق کے بادشاہوں میں ان سے زیادہ عاقل۔ ان سے زیادہ مدبر (پالیٹیشن) ان سے زیادہ کام کرنے والا۔ ان سے زیادہ جفاکش۔ ان سے زیادہ سادگی کی زندگی بسر کرنے والا

نواب ذوالقدر جنگ بہادر سابق معتمد امور عامہ

ایک بادشاہ بھی نہیں ہے۔

دنیا میں کسی ایک آدمی کے پاس اشرفیوں کی صورت میں اتنی دولت نہیں ہے۔ جتنی اعلیحضرت حضور نظام کے پاس ہے۔ اور موجودہ دنیا میں کسی بادشاہ کی حکومت نے رفاہ عام و خاص کے کاموں میں اتنا روپیہ خرچ نہیں کیا جتنا کہ میر عثمان علیخان آصفجاہ کے دور حکومت میں خرچ ہوا ہے۔ اور دنیا کے کسی ملک نے ایک حکمران کی حکومت میں اتنی ترقی نہیں کی جتنی حیدرآباد دکن کی ریاست نے ان کے دور میں ترقیاں کی ہیں۔ ہندوستان کی بڑی بڑی ریاستوں کے رئیسوں کی آمدنی سے زیادہ آمدنی رکھنے والے جاگیردار حضور نظام کے سامنے صبح چھ بجے سے بارہ بجے تک ہاتھ باندھے نظریں نیچی کئے کھڑے رہتے ہیں جن میں صرف پائیگاہ کے جاگیرداروں کی جاگیر ایک کروڑ روپئے سالانہ سے زیادہ ہے۔ حضور نظام بہت کم ہنستے ہیں۔ انکی جسامت میں رعب کی کوئی بات نہیں ہے مگر انکی صورت میں ایک قدرتی ہیبت ہے جسکی وجہ سے ہر شخص انکے سامنے جاکر مرعوب ہوجاتا ہے۔ وہ بہت کم سوتے ہیں اور آج کا کام آج ہی ختم کر دیتے ہیں۔ وہ عموماً میز کے پاس کھڑے ہوکر کام کرتے ہیں اور اکثر پنسل سے لکھتے ہیں۔ ان کے حافظہ کی قوت بھی ہندوستان میں بے مثل ہے۔ ان کو مردم شناسی کی بہت بڑی مہارت ہے۔ ایک نظر میں انسان کی خصلت و خواہش کو پرکھ لیتے ہیں۔ انکے خاندان کو عالمگیر اورنگ زیب سے حکومت ملی تھی اسلئے انکے اندر اورنگ زیب کے صفات بہت زیادہ ہیں۔ وہ اورنگ زیب کیطرح ہر چیز اور تحریر کے ہر جملہ میں احتیاط اور دور اندیشی ہوتی ہے۔ وہ اگر ایک مقررہ حدود کی حکومت کے تاجدار نہ ہوتے اور ہندوستان کے ایک عام شہری ہوتے تو سارا ہندوستان انہی کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیتا۔ مگر عہد کی پابندیوں کے سبب ان کی دماغی دولت نہ خود ان کے ملک میں کام کر سکتی ہے نہ بیرون ملک میں وہ اپنے ملک کی جزئیات سے اتنے واقف ہیں کہ آجتک نہ کوئی ایسا ہوا نہ ہوسکیگا۔ ان کے دل کی بات اور روپیہ جمع کرنیکے مقصد کو سوائے ان کے دوسرا دنیا میں کوئی بھی نہیں جانتا۔ (حسن نظامی)

سلطان دکن کا مذہب

آصفجاہ ہفتم کے شمایل و اخلاق اور سیرۃ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے سے پیشتر سب سے
اول میں انکے مذہب و معتقدات کو بیان کرونگا۔ اسلئے کہ اخلاق کی حقیقی اور صحیح بنیاد تو حقیقی
مذہب ہی پر رکھی گئی ہے اور انسانی کریکٹر و کردار میں اسی کو سب سے پہلا درجہ دیا گیا ہے۔

آصفجاہ ہفتم کے مذہب و معتقدات کا بیان کرتے ہوئے میں دو صورتوں سے
بحث کرونگا اول سلطان دکن کا مذہب بہ حیثیت بادشاہ اور سلطان دکن کا مذہب
بحیثیت میر عثمان علیخان اس تقسیم سے میرا مطلب یہ ہے کہ میں نمایاں کرسکوں کہ سلطان دکن
جسکے ماتحت مختلف عقیدہ اور مذہب کے لوگ آباد ہیں اپنے ذاتی عقیدہ کی بنا پر

دوسروں کو نفرت کی نظر سے نہیں دیکھتا

یا مذہبی آزادی میں وہ کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتا۔

سلطان دکن بہ حیثیت بادشاہ کسی مذہب کا پابند نہیں اور یہ کہنا جائز ہوگا کہ اس خصوص
میں وہ لامذہب ہے بشرطیکہ اسے لامذہب کہا جاوے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے
مختلف فرقوں اور عقیدوں سے قطع نظر اپنی رعایا کو اپنے مذہبی عقائد میں پوری آزادی دینا
اور وہ ضروری سمجھتا ہے کہ ان کے عقائد و معابد کا احترام کیا جاوے اسلئے کہ

یہ اسکی رعایا کی پیاری چیز ہے

میں اپنے تخیل سے یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں کہ سلطان دکن بہ حیثیت سلطان لامذہب ہے
بلکہ اس نے خود ایک جریدہ کے ذریعہ اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے اور مذہبیت اور لامذہبیت
دونوں کو جمع کرکے بتایا ہے یعنی بہ حیثیت بادشاہ وہ لامذہب اور بہ حیثیت میر عثمان علیخان وہ
حقیقی مذہب اسلام کا ایک خادم ہے۔

چنانچہ جریدہ غیر معمولی مورخہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ یوم سہ شنبہ میں آپ نے
اس کا اس طرح اعلان فرمایا۔

فرمان مبارک

چونکہ میں اس امر کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ میرے بعض ذاتی اعمال و افعال کی وجہ سے ملک میں غلط فہمی نہ پیدا ہو یا بعض ناعاقبت اندیش و نافہم طبقہ اصلی واقعات کو رنگ دیگر دوسری شکل میں پیش نہ کرے اس لیے اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا خاندانی مذہب و ذاتی عقاید جو کچھ ہیں انکی توضیح کی اس جگہ چنداں ضرورت نہیں ہے کہ وہ عالم آشکار ہیں مگر اس سے قطع نظر بہ حیثیت رئیس میں ایک دوسرا مذہب بھی رکھتا ہوں جسکو

صلح کل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے

کیونکہ میرے زیر سایہ مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں اور انکے معابد کی نگہداشت میرے آئین سلطنت کا ایک زمانہ سے وطیرہ رہا ہے میں نہیں چاہتا کہ **کوتاہ نظری سے کسی فرقہ و مذہب کی دل آزاری کردن** یا اپنے مذہب میں اسقدر غلو کر جاؤں کہ اسکو تعصب کا لقب دیا جاوے میں میرا اور میرے بزرگوں کا یہ شعار رہا ہے کہ دنیا کے سب مذاہب کو ایک نظر سے دیکھا جاوے بلا تفریق و امتیاز اور کسی کے ادائے فرائض مذہبی میں مخل نہ ہوں جبتک کہ اس سے نقض امن کا شبہ نہ پیدا ہو یا حیا سوز واقعات شاہراہ پر رونما نہ ہوں اپنی حکمرانی کو کمزور کرے بلکہ سب کے ساتھ

شیر و شکر کا برتاؤ کر کے نیک نامی حاصل کرے

البتہ اس توضیح کے بعد بھی اگر کوئی کور چشم روشنی آفتاب کو برابر نہ دیکھ سکے تو اسکی بصارت کا قصور سمجھا جائیگا۔

الحاصل اس فقرہ پر اس تحریر کو ختم کرنا چاہتا ہوں کہ شق دوم کے مد نظر میں

اپنے کو لامذہب خیال کرتا ہوں

یعنی وہ لا مذہب نہیں جسکو دہریت کا لقب دیا جاتا ہے بلکہ

وہ لا جس میں الا بھی شریک ہے

ربط کے ساتھ اور اس مشرب پر مجھے اور میرے بزرگوں کو ناز رہا ہے اور آئندہ رہیگا اور مجھے امید ہے کہ اسی کی تتبع میری اولاد بھی کرے گی۔ انشاء اللہ المستعان وعلیہ التکلان۔ جریدہ غیر معمولی میں طبع کر دیا جاوے۔

۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ مشرحہ دستخط اعلیحضرت

یہ جریدہ غیر معمولی سلطان دکن کی مذہبی حیثیت بحیثیت بادشاہ کا اعلان ہے۔ اور اس میں اونہوں نے صاف الفاظ میں اپنے ذاتی عقیدہ کا بھی نہایت لطیف پیرایہ میں اظہار کر دیا ہے جہاں تک رعایا کے ساتھ تعلق ہے رعایا کا ہر فرد اپنے مذہبی عقیدہ میں پورا آزاد ہے اور حکومت آصفیہ اپنا فرض سمجھتی ہے کہ اس کی مذہبی آزادی میں خلل نہ ہو۔ اور اسکے معتقدات کا جائز احترام کرے یہ

سلطان دکن کی مذہبی رواداری کا اعلان ہے

اور آپ کے اعمال اسکے موید ہیں کہ دولت آصفیہ مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں انکے مذہبی رہنماؤں اور مذہبی رسومات کا برابر احترام کرتی ہے جیسا کہ میں اپنے اپنے مقام پر اسکا ذکر کرونگا۔

اعلیحضرات کا یہ اعلان وارشاد آصفی خاندان کی عملی روایات اور اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اسلام رواداری کی صحیح تعلیم دیتا ہے وہ مذہب میں جبر کو جائز قرار نہیں دیتا۔ دوسرے مذاہب کے مذہبی مقامات کی حفاظت کا حکم دیتا ہے اور اسلام ہی

حقیقی معنوں میں صلح کا مذہب ہے

بہرحال اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم بہ حیثیت سلطان اپنا مذہب صلح کل قرار دیتے ہیں اب میں ان کے مذہبی معتقدات ان کی ذاتی حیثیت سے بیان کرتا ہوں

میر عثمان علیخان کا مذہب

میر عثمان علیخان اپنی ذاتی اور انفرادی حیثیت سے جس مذہب اور عقیدہ کے پابند ہیں وہ وہی مذہب ہے جو نسلاً بعد نسل آپ کو صدیقی ورثہ میں ملا ہے اور وہ اسلام ہے میں فرقہ بندیوں کے جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا اور نہ یہ اس کتاب کا موضوع ۔ اعلیحضرت نے بار ہا اپنے عقائد کا اعلان کیا ہے غلط فہم اور کوتاہ اندیش لوگ غلط نتائج نکالکر غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں ۔ میں آپ کے مذہبی معتقدات اور جذبات کو آپ کے آئینہ عمل میں دکھانا چاہتا ہوں میر عثمان علیخان ایک بادشاہ ہیں اور انکے فرائض و اعمال کا دائرہ امن عامہ کے مرکز پر کھینچا گیا ہے وہ کسی خانقاہ کے درویش زاویہ نشین نہیں کہ

ہر وقت تسبیح لیئے ہوئے بوریا نشین ہوں

بلکہ انکے دائرہ عمل کے لحاظ سے ہی انکی مذہبی زندگی کا اندازہ ہوسکتا ہے ۔ میں اسکو مختلف پہلوؤں سے پیش کرونگا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت

کسی مسلمان میں حقیقت اسلام اسوقت تک پیدا ہی نہیں ہوتی جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے کامل عشق و محبت پیدا نہو قرآن مجید نے بھی اسی اصل کو پیش کیا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ وہ محبوب الہٰی بن جائے اسکے لئے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرے اور کامل اتباع کا جذبہ اور طاقت پیدا نہیں ہوتی جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کمال ایمان کا یہی نشان قرار دیا ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے تمام رشتوں سے بڑھ کر محبوب نہیں ہو جاتے اس وقت تک ایمان کی حقیقت پیدا نہیں ہوتی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور جان نثاری کا جذبہ آپ کو فطرتاً ابن صدیق اعظم

(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہونے کی وجہ سے ملا ہے اس صدیقی فطرت کا مطالبہ میر عثمان علیخان سے بہت بڑا ہے۔ آپکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت اور عقیدت ہے اسکا اظہار آپکے کلام اور بعض اعمال سے جس حد تک ظاہر ہوتا ہے میں اسکو پیش کرتا ہوں۔

بارگاہ نبوی میں تاجدار دکن کی نذر عقیدت

میر عثمان علیخان ایک بلند پایہ شاعر ہیں شاعرانہ بلند پروازیوں اور تخیل میں بھی وہ اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا اپنا شیوہ سمجھتے ہیں۔ انکے کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلال اور آپکے دامن سے وابستگی اور آپ کی محبت و اطاعت میں جان نثاری اور اخلاص کا اظہار اس کثرت سے ہے کہ اگر آپکے نعتیہ کلام کو ہی جمع کر دیا جاتا تو

ایک مبسوط نعتیہ دیوان مرتب ہو جاوے

بہر حال میں اسکا کسی قدر اقتباس دیتا ہوں۔

از اعلیحضرت سلطان دکن میر عثمان علیخان بہادر شہریار دکن خلد اللہ ملکہ

ہوائے یثرب این گوید گل تازہ دمید اینجا — بپائے سر بیا عثمان محمد آرمید اینجا
توطن کن تو در بطحا کہ ہر کس جا نمی خواہد — رسول اینجا، نبی اینجا، ولی اینجا، شہید اینجا
شب چون باریاب روضہ اش گشتم ادب گفتہ — نہ این دربار آن باشد کہ کس گفت و شنید اینجا
الا اے غازیان خلد! فتح باب آسان شد — ریاض طیبہ میگوید کہ می باشد کلید اینجا
تو سجدہ گاہ جن و انس و حور و غلمان است — امیدم ہر وہان گوید نباشی نا امید اینجا
نہ ہے اے جنس عصیانم شفاعت شد خریدارت — طفیل احمد مرسل ببین کارم رسید اینجا
نہ من تنہا شدم محو جمالت، بلکہ اے عثمان — زخود رفتہ منصورؒ و جنیدؒ و بایزید اینجا

دیگر

بنہ بر پائے احمد سر کہ یابی صد وقار اینجا — زر اینجا گوہر اینجا حشمت اینجا افتخار اینجا
بہ طیبہ چون در آیم با ہزاران شوق بر خواہم — من اینجا، زندگی اینجا، اجل اینجا مزار اینجا
ز داغ عشق سرتاسر سینہ گلزار جنان دارم — گل اینجا، لالہ اینجا، سنبل اینجا، ہو بہار اینجا
زہے ہستی کہ باشد در خیال ساقی کوثر — خم اینجا جام اینجا مے اینجا سر اینجا خمار اینجا
تا باشد جائے سر جز آستان مصطفیٰ عثمان — سر اینجا، سجدہ اینجا، بندگی اینجا، قرار اینجا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اظہار عقیدت کی دوسری صورتیں

سلطان دکن حضور خواجہ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعقیدت کی شان کا اظہار سلطان نے اپنے نعتیہ کلام ہی میں نہیں فرمایا بلکہ اس عقیدت نے مختلف رنگوں میں جلوہ گری فرمائی ہے چنانچہ اس خصوص (عقیدت کیشی) کا ہی یہ کرشمہ ہے کہ سلطان دکن نے

سیرۃ نبوی کی اشاعت کا انتظام فرمایا

سیرۃ نبوی کی اشاعت | مولانا شبلی نعمانی کی حوصلہ افزائی حیدرآباد ہی سے ہوئی اور ایک معقول رقم اس مقصد کی تکمیل کے لئے دی گئی اور ایک مستقل ماہوار وظیفہ اب تک ادارہ سیرۃ نبوی اعظم گڑھ کو دیا جا رہا ہے۔ حیدرآباد میں سیرۃ نبوی کے جو جلسے ہوتے ہیں اعلیحضرت نہایت اخلاص کیساتھ ان جلسوں میں شریک ہوتے ہیں اسوقت آپ کے چہرہ اور طرز عمل سے کمال ادب اور انکساری کی شان جلوہ گر ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق ومحبت میں ایک کیفیت اپنے قلب میں رکھتے ہیں اور آپ کو اس تاج وحکومت پر اتنا فخر اور ناز نہیں جسقدر اس نسبت پر ہے کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کا شرف حاصل ہے

اور سچ تو یہ ہے کہ حکومت وسلطنت اسی نسبت سے ملی ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے جد اعلیٰ سے ورثہ میں پایا ہے۔

مدینہ طیبہ میں برقی روشنی | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دائمی خواب گاہ سے محبت و اخلاص کا جذبہ اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ مدینہ منورہ کے متعلق جو بھی تحریک ہو ہمیشہ اعلیحضرت کمال مسرت سے اس میں حصہ لیتے ہیں۔ جوار نبوی کے بہت سے لوگ آستانہ عثمانی سے اپنی معاش کا سلسلہ رکھتے ہیں۔ جن ایام میں ابن سعود کی حکومت کے خلاف ہندوستان میں بڑی سرگرمی سے پراپگنڈہ ہورہا تھا اور روضہ نبوی پر سعودی حملے کی بے بنیاد خبریں اشاعت پا رہی تھیں۔ اعلیحضرت کو اپنے قلبی تعلقات کی وجہ سے ان خبروں کو پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ پہلے دونوں نواب نظامت جنگ بہادر نے

(جنہوں نے اپنی بقیہ زندگی خدمت حرمین کے لئے عملاً وقف کردی ہے) مدینہ طیبہ میں برقی روشنی کی تجویز کا اعلان کیا اور اسکے لئے اونہوں نے تین ہزار کی اپیل کی اور اس اپیل پر سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں حیدر آباد کے ممتاز علمی فیاض خان بہادر حاجی احمد الدین او۔ بی۔ ای کا حصہ تھا۔ حیدر آباد کے اخبار سمجھتے تھے کہ اس اپیل کے کامیاب ہونے میں شبہ تھا چنانچہ رہبر نے لکھا تھا کہ "ہمیں شبہ تھا کہ تین ہزار کی مطلوبہ رقم ان مفلس مسلمان اور ذی ثروت امراء کے پاس سے جلد نکل آئے گی جن سے اپیل کی گئی ہے اسواسطے کہ ان دونوں کا افلاس اور دولت دونوں عناصر نے بھی مسلمانوں کی قوت ایمانیہ کو کمزور کرنے میں بڑا حصہ لیا ہے"

گو ہم اس شبہ میں کبھی شریک نہ تھا۔ ہمیں یقین رکھتا تھا کہ مسلمان اس اپیل کو ضائع نہ ہونے دیں گے۔

بہرحال اس اپیل کی اطلاع جب اعلیحضرت سلطان دکن کو پہونچی تو آپ نے

تمام اخراجات برقی روشنی کی منظوری دیدی

اسی رہبر نے اس اعلان پر لکھا کہ

"شاہ ذیجاہ کو فخر موجودات وسرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت ہے اسکا حال ان لوگوں سے مخفی نہیں جن کو حضور والا کی خانگی زندگی کا علم ہے اور جنکو کلام الملوک ملوک الکلام کے پڑھنے اور اس کے مطالب و معانی سے لطف اٹھانے کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے ناممکن تھا کہ حرم شریف مدینہ طیبہ سے متعلق ایک ایسی ضروری تجویز حضور اقدس کے سمع ہمایون تک پہونچتی اور عقیدت شاہانہ اور اسکے مبارک توسط سے حکومت شاہانہ کی توجہ حاصل نہ کرتی"

بہرحال اعلیحضرت نے ان مصارف کو منظور فرمالیا اور چونکہ اسوقت حکومت کے نام سے ابن سعود کی حکومت کو عزت خدمت حرمین حاصل ہے اسلئے اسکی منظوری لازمی ہے اس میں اعلیحضرت نے اسلامی احکام کی اطاعت کا نمونہ دکھایا ہے۔ ابھی تک یہ تجویز ایک تجویز کا رنگ رکھتی تھی مگر اعلیحضرت کے تازہ فرمان مبارک نے اسے

قطعیت کا جامہ پہنا دیا

چنانچہ اس کے متعلق مندرجہ ذیل فرمان مبارک شائع ہوا ہے:-

فرمانِ مبارک

مژدہ برائے مسلمانانِ عالم

میں نے اپنے سلور جوبلی کے چندہ میں سے مبلغ ۵ ہزار خاص طور پر مدینہ طیبہ میں برقی روشنی اور دوسرے ضروری متعلقہ امور کی سربراہی کیلئے علیحدہ رکھنے سے متعلق حکم دیا ہے اور امید ہے کہ عنقریب میں یہ مبارک و مذہبی کام انجام پائے گا (ایک کمیٹی کے توسط جو کہ حضور [illegible] کی مرتب کردہ ہوگی) تاکہ سعادت دارین کا موجب ہو سکے۔

الحمد للہ علیٰ ذالک

ابھی اس پر آٹھ روز بھی نہ گزرے تھے کہ اسی سلسلہ میں دوسرا فرمان نافذ ہوا جو [illegible] کے نام سے شائع ہوا جو یہ ہے:

فرمانِ مبارک

(قندِ مکرّر)

میری سلور جوبلی کی تقریب میں صرفِ خاص کی حد تک جسقدر عام چندہ جمع ہوگا اسمیں سے کم از کم یعنے پچیس ۲۵ ہزار تک علیحدہ اوٹھا رکھنے کیلئے صرفِ خاص کے نام حکم دیدیا ہے تاکہ حرمین شریفین زاد اللہ شرفاً و تعظیماً کے ضروری ابواب کی تکمیل اس رقم سے کیجا سکے تا ار نجات اُخروی کا باعث ہو۔ باین خیال کہ یہ ہر دو مرکز پیروان اسلام قبلہ گاہ ہیں اِس مقدس کام کی تکمیل اُسی کمیٹی کے توسط سے عمل میں آئیگی جسکو گورنمنٹ مقرر کریگی جس کے صدر نشین نظامت جنگ ہونگے اور اراکین خواجہ معین الدین و یٰسین خان (معتمد صرفِ خاص) اور امید ہے کہ کام بروقت اطمینان بخش طریقہ پر انجام پائیگا جسکی سعی ابھی سے کیجا رہی ہے۔

ان فرامین کے اندراج کے بعد مجھے مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے میں اس حصہ مذہب کو

لکھ رہا تھا کہ اعلیحضرت نے اپنے مذہب کا خلاصہ ایک تازہ ترین کلام میں رقم فرمایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اسکے پڑھ لینے کے بعد کسی مزید صراحت کی حاجت نہیں فرماتے ہیں۔

(قطعہ)

نسب من بود کہ صدیقی
سلسلہ باشد از سہروردی
ہست در اسم من علیؓ عثمان
طرّہ شد بر کلاہ زر دوزی

(قطعہ دیگر)

مذہبے ہست این نہ جائے لاف بود مثل آئینہ کہ بس شفاف بود
نازم اے عثمان بر این تفصیل خویش آبا را جدادم ہمہ احناف بود

قرآن مجید سے محبت و عشق

اعلیٰ حضرت کو قرآن کریم کے ساتھ جو محبت و عشق ہے وہ محض عقیدہ کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ قرآن مجید کے مضامین عالیہ اسکے حقایق و معارف اور اسکی حیرت انگیز انقلابی قوت کو محسوس کرتے ہیں جو انسان کی زندگی میں ایک روحانی اور پاک تغیر کرتی ہے اور پھر قوموں کی ترقی کے لئے اس میں ایک انقلاب آفرین اسپرٹ ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب آپ قرآن شریف سنتے ہیں تو آپ کے قلب پر اسکا خاص اثر ہوتا ہے اور بارہا دیکھا گیا ہے کہ آپ کی آنکھیں اس اثر کے اظہار میں اہل مجلس کی پرواہ بھی نہیں کرتی ہیں قلب میں جو خشیت پیدا ہو چکی ہوتی ہے وہ اپنا اظہار آنسوؤں کے رنگ میں کئے بغیر نہیں رہتی اس خصوص میں آپ کے معمولات میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آپ ہمیشہ یہ پسند فرماتے

اور یکھی ترجمہ کے لئے اسکے پورے اخراجات کی آپ نے منظوری دیدی اور مسٹر مارماڈیوک پکتھال نو مسلم کو قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے لئے ہزار ہا روپیہ دیئے اور ہر قسم کی آسانیان انکے لئے مہیا کیں ایک لمبے عرصہ کیلئے پوری تنخواہ پر انہیں رخصت دی اور قیام مصر وغیرہ کے اخراجات بھی دئے۔ غرض قرآن مجید کی اشاعت کے لئے آپ کے دل میں ایک جوش ہے اور بلا امتیاز فرقہ آپ اس مقصد میں امادہ امداد رہتے ہیں اگر کوئی ایسی تحریک جو قرآن مجید کی اشاعت کے سوال کو لئے ہوئے ہو آپ کی اعانت و شمولیت سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے تو اسکی ذمہ داری ان لوگوں پر ہو سکتی ہے جو اسکے اعلیحضرت تک پہونچانے کیلئے ذمہ دار ہیں۔

اسلامی ادارون کی سرپرستی

مختلف اسلامی ادارون اور انکے کارکنوں یا بانیون کی ہمیشہ سے دولت آصفیہ نے قدر افزائی اور سرپرستی کی ہے یہی شان آصف جاہ ہفتم میں موجود ہے مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ کے علاوہ ہندوستان کے کثیر اسلامی ادارے اور قومی کام کرنے والے مسلمان دولت آصفیہ سے گران قدر وظائف پا رہے ہیں علماء و مشائخ کا اسقدر احترام کیا جاتا ہے کہ ملاقات کیوقت وہ ان اداب و مراسم کی پابندیون سے آزاد ہیں جو دوسرون کے لئے مقرر ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ یہ لوگ

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

کے مصداق ہوں ورنہ ایسے لوگ جو علماء اور مشائخ کے لباس میں ایسے افعال کے مرتکب ہوں جو شان اسلام سے گرے ہوئے ہوں تو آپ فوراً انکو ٹوک دیتے ہیں۔

ادب شعائر اللہ

اعلیحضرت شعائر اللہ کا ادب نہایت اخلاص سے کرتے ہیں اس کا اندازہ مختلف واقعات سے ہوتا ہے جنکو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

خدا کے گھر میں بادشاہ اور فقیر برابر ہیں

بادشاہ کا مرتبہ و مقام ملک اور قوم میں ممتاز ہے اور اسے ظل اللہ یا ظل سبحانی سمجھا جاتا ہے اور مختلف ممالک کی تاریخ بادشاہ کے احترام کی خصوصیات کو ہر موقعہ پر جاگزیں رکھتی ہے۔ اسلام نے بادشاہ کے جائز احترام کو بجائے خود قائم رکھکر اخوت و مساوات انسانی کے مرتبہ کو بھی زائل نہیں ہونے دیا لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلمان بادشاہوں میں بھی یہ امتیازی روح کم ہوتی چلی گئی۔ انکے آداب کے اظہار کے طریقوں میں ایسی باتیں داخل ہوگئیں جو جائز نہیں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مساجد میں بھی انکے احترام و اکرام کی خصوصیات کو نظر انداز نہ ہونے دیا جانے لگا۔

دولت آصفیہ میں بھی یہ رسم قدیم الایام سے جاری تھی کہ جب سلاطین دکن مسجد میں عبادت کیلئے آتے تو لوگ انکی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے یہ رسم برابر چلی آتی تھی۔ لیکن حضرت آصف جاہ سابع میر عثمان علیخاں بہادر جب سریر آرائے دولت آصفی ہوئے اور مکہ مسجد میں ادائے فریضہ نماز کے لئے تشریف لیگئے تو آپ کو یہ حیرت انگیز منظر نظر آیا کہ **تمام لوگ تعظیم کیلئے کھڑے ہیں اور رسمی اور درباری آداب بجا لا رہے ہیں**

اس نظارہ کو دیکھکر آپ کے قلب پر ایک خاص اثر ہوا۔ اور آپ نے محسوس کیا اگر اس رسم کا استیصال نہ کیا گیا تو یہ اسلامی مساوات اور خدا کے گھر کی سخت توہین ہے اور ایک غیور فرزند اسلام خصوصاً بادشاہ کے لئے اس سے بڑھکر بے حمیتی نہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے آئندہ اسکی اجازت دے اور اسے جاری رہنے دیا جاوے۔ چنانچہ آپ نے نہایت سختی کے ساتھ اس دستور کو روک دیا اور فرمایا کہ

خدا کے گھر میں بادشاہ اور فقیر برابر ہیں

"آصف جاہ سابع اور عام مسلمانوں میں قطعاً کوئی تمیز نہیں ہونی چاہیئے اور سب کو ایک رنگ میں خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہونا چاہیئے"

اعلیحضرت کا یہ فعل اور ارشاد اپنے اندر آپ کی سیرۃ اور احکام اسلامی کے احترام وعزت کی ایک طویل حقیقت کو لئے ہوئے ہے۔ اور اس سے اس اخلاص اور انکساری کا پتہ ملتا ہے جسکو لیکر وہ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوتے ہیں۔

جب سے آپ نے یہ ارشاد نافذ فرمایا اب کسی شخص کو یہ ہمت وحوصلہ نہیں کہ وہ مسجد میں آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو سکے خواہ محبت اور ادب کے جذبات میں کیسا ہی ہیجان ہو لیکن اعلیحضرت ایک آن کے لئے بھی اسکو روا نہیں رکھہ سکتے کہ کوئی شخص آپ کی تعظیم کیلئے مسجد میں کھڑا ہو جاوے اور اگر احیاناً کبھی ایسا واقعہ ہو جائے تو ایسا شخص ملامت کے قابل سمجھا جائیگا۔ اس لئے جب آپ مسجد میں تشریف لیجاتے ہیں یا کسی اور دینی جلسہ میں تشریف لیجائیں تو عملہ انتظام پہلے سے لوگوں کو آگاہ کر دیتا ہے کہ کوئی صاحب اپنی جگہ سے نہ ہلیں اور نہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوں بلکہ وہ ایسے طور پر بیٹھے رہیں کہ گویا کوئی خاص واقعہ ہوا ہی نہیں

آپ کا معمول ہے کہ آپ تشریف لاتے ہیں اور ایک خاص جگہ پر آکر بیٹھ جاتے ہیں اور نماز ادا کرکے اپنے معمولات سے فارغ ہو کر تشریف لیجاتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ کا اظہار میں ضروری سمجھتا ہوں ایک مرتبہ آپ ایک مجلس وعظ میں تشریف لیگئے ایک درباری بھی وہاں موجود تھے ایسے جلسوں میں جہاں اعلیحضرت کی شمولیت کا امکان ہو یا پہلے سے کوئی خبر ہو درباری بھی پہونچ جاتے ہیں اس درباری نے جب دیکھا کہ اعلیحضرت تشریف لائے ہیں تو اسنے آپ کو دیکھ کر بگلوس (کمر بند) باندھ لیا آپ نے اسکی اس حرکت کو دیکھا اور وہاں ہی پوچھا یہ کیوں؟ اسنے نہایت ادب اور احترام سے عرض کیا کہ حضور کی تشریف آوری کی وجہ سے غالباً

دربار ی صاحب کو خیال ہوگا کہ میرا یہ فعل نہایت عزّت کا مستحق ہوگا اور میری وفاداری اور اطاعت گزاری کے جذبات کی خاص قدر ہوگی مگر دولت آصفیہ کے تاجدار اور اسلام کے مایۂ ناز فرزند نے ایک ایسی شان سے جس میں خسرویت کے بمقابلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ محبت و ارادت کا جذبہ از بس غالب تھا فرمایا

یہ میرا دربار ہے یا رسول اللہ کا دربار ہے۔

ان الفاظ نے درباری صاحب پر جو اثر ڈالا وہ میری کسی تصریح کا محتاج نہیں اسے اور تمام حاضرین کو معلوم ہوگیا کہ آصف جاہ ہفتم اس سلطنت اور حکومت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں کیا حیثیت دیتا ہے۔ اسیطرح ایک مجلس وعظ میں ایک بہت بڑا مشہور واعظ منبر پر بیٹھا ہوا تھا اعلیٰحضرت اس مجلس کے فیوض سے حصہ لینے کے لئے تشریف لے گئے واعظ نے اپنے وعظ کو روکدیا اور اعلیٰحضرت کے حضور آداب بجالایا

آپ کی طبیعت پر اس سے بہت برا اثر پڑا اور آپ نے فوراً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو ادا کرتے ہوئے فرمایا

"آپ وعظ کر رہے ہیں یا سلام کر رہے ہیں سلام مجھ پر واجب تھا کہ میں اس مجلس میں آیا تھا نہ کہ آپ پر آپ منبر نبوی پر کھڑے ہوکر میرے جیسے دنیادار کی تعظیم کرتے ہیں کیا وہ دوسرے مسلمان جو اس جلسہ میں آتے ہیں انکو بھی اسیطرح سلام کرتے ہو؟ کیا میں ہی ایک مسلمان تھا کہ آپ نے اسیطرح منبر نبوی پر ہو کر تعظیم شروع کردی"

ظاہر ہے کہ اس کلام نے وہ اثر پیدا کیا جو سینکڑوں اور ہزاروں واعظین کا کلام بھی پیدا نہیں کرسکتا یہ باتیں آپ نے تکلف سے نہیں کہی ہیں بلکہ آپ کے قلب کے تاثرات کا ظہور تھا۔ اس قسم کی مثالیں آپ کی زندگی میں بہت ملتی ہیں کہ آپ نے شرفِ انسانیت کے مقام کے لئے ہر ایسی چیز کو ترک کردیا جس سے جذبہ مساوات و

اخوت انسانی کو صدمہ پہونچتا ہو۔

مولانا شوکت علی کا چشم دید بیان | مولانا شوکت علی صاحب ۱۹۲۷ء کی عید الفطر کی تقریب پر حیدر آباد گئے ہوئے تھے اور انہیں حیدر آباد ہی میں ادائے نماز کا موقعہ پیش آیا اور وہ بھی اعلیٰحضرت کے ساتھ انہوں نے اپنے قلبی جذبات اور تاثرات کو ان الفاظ میں شایع کیا۔

موجودہ شاہ دکن نے سخت احکام جاری کر دئے ہیں کہ جب وہ مسجد یا عیدگاہ میں آئیں تو کوئی انکی تعظیم کے لیئے کھڑا نہو۔ اور شاہی آداب کو بجا نہ لائیں وہ معمولی مسلمان کی طرح آتے ہیں نماز جمعہ کے بعد بھی انکا دستور ہے کہ خوش آواز عرب پڑھنے والوں سے قرآن مجید کا ایک آدھ رکوع سنتے ہیں چنانچہ عید کی نماز کے موقعہ پر بھی نماز عید ہوئی خطبہ ہوا اسکے بعد لوگ ملکر رخصت ہونے لگے مگر اعلیٰحضرت بیٹھے رہے قاری ابراہیم حجازی کی زبان سے کلام پاک سنا۔

نماز کا ادب | خواجہ حسن نظامی صاحب اعلیٰحضرت کے فروری ۳۳ء کے سفر دہلی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ جامع مسجد دہلی میں نماز جمعہ کے بعد جب اعلیٰحضرت کی واپسی ہوئی تو بلند آواز سے اپنے افسران کو حکم دیا کہ

دیکھ کر چلو لوگ نماز پڑھ رہے ہیں کسیکو تکلیف نہو

اس حکم کا دہلی کے مسلمانوں پر اچھا اثر ہوا اور آجتک اسکا چرچا ہے کہ اعلیٰحضرت کے دل میں نماز کا کتنا زیادہ احترام ہے۔ (یہ ۱۹ فروری ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے۔ عثمانی)

ایک تازہ ترین واقعہ | ۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء کو سفر دہلی کے سلسلہ میں آپ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کی مسجد میں بغرض نماز تشریف لے گئے ایک شاعر نے کھڑے ہو کر آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ شروع کیا۔ یونہی آپ کی توجہ اسطرف ہوئی اس نے ابھی ایک دو شعر ہی پڑھے تھے خواجہ حسن نظامی کو کہا کہ انکو

"روکدو یہ خدا کا گھر ہے یہاں بندوں کی تعریف جائز نہیں ہے۔ سوائے ایک بندہ کے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے باقی کسی بندہ کی تعریف مسجد میں نہ ہونی چاہیئے۔ اسلام نے خدا کے سامنے ہر شاہ و گدا کو مساوی کر دیا ہے"

آپکے اس ارشاد سے اس محبت کی ایک شان نظر آتی ہے جو آپ کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کو خوب سمجھتے ہیں۔

صحابہ کرام - ائمہ اہل بیت و آل اطہار سے محبت

اعلیحضرت سلطان دکن کو صحابہ کرام۔ ائمہ اہل بیت اور آل اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی کامل اخلاص اور محبت ہے بعض نادان اعلیحضرت کی ائمہ اہل بیت سے محبت و اخلاص کو فرقہ بندی کی نظر سے دیکھتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اعلیحضرت ائمہ اہل بیت اور آل اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت میں ایک خاص رنگ رکھتے ہیں۔ لیکن اسکو فرقہ بندی سے کوئی تعلق نہیں۔ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی آپ کے دل میں مخلصانہ عظمت اور محبت ہے چنانچہ صحابہ کرام کے یوم وفات پر ریاست میں تعطیل ہوتی اور اس تقریب پر محکمہ امور مذہبی کی طرف سے فاتحہ خوانی کا پورا اہتمام ہوتا ہے اور خود اعلیحضرت کی اپنی یہ حالت ہے کہ اس روز آپ کسی ایسی تقریب میں جو تقریب مسرت یا تفریح ہو شریک نہیں ہوتے ہیں اسکے ثبوت میں آپکے حالیہ سفر دہلی کا ایک واقعہ درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مارچ ۱۹۳۶ء میں وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن سے وداعی ملاقات کرنے کے لئے آپ دہلی تشریف لیگئے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے (جنکو یہ عزت حاصل ہے کہ اعلیحضرت انکے مکان پر بھی تشریف لیجاتے ہیں) اس موقعہ پر ایک مجلس سماع کا انتظام کیا اور حسن اتفاق سے یہ مجلس سماع حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت کے دن واقع ہو رہی تھی۔ خواجہ صاحب نے اعلیحضرت کو بھی اس مجلس میں مدعو کیا۔ اعلیحضرت نے اپنے جذبات کا اظہار ایک مکتوب اختلافی کے ذریعہ فرمایا ہے

اعلیحضرت کے ادب اور حضرت خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت کے احترام کے اظہار کیلئے اس خانگی مکتوب مبارک کی اجازت حاصل کیے بغیر شایع کیا جاتا ہے تاکہ مسلمان کو معلوم ہو جائیگا کہ اسکے اسلامی بادشاہ کے دل میں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسقدر ادب ہے کہ انکا نام نامی سلسلہ عبارت میں نہیں بلکہ خط کے اوپر لکھا ہے۔ اور حضرت خلیفہ سوم کے یوم شہادت کا احترام بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حسن نظامی نے ۱۸ ذی الحجہ کو قوالی کی مجلس قرار دی تھی اور اعلیحضرت کو مدعو کیا تھا کیونکہ حسن نظامی کو معلوم نہ تھا کہ اس روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ہے مگر اعلیحضرت نے یہ لکھکر اس کو آگاہ فرمایا اور اسنے قوالی کی تاریخ مذکورہ کو ملتوی کر دی خط کے آخر میں اعلیحضرت نے مکرر بہ صراحت فرمائی کہ ہمارا فرض ہے کہ جسکی جیسی کچھ منزلت ہے اسکا صحیح معنوں میں اعتراف کریں۔

مکتوب مقدس کی عبارت | چونکہ مکتوب مقدس شکستہ خط میں ہے۔ لہذا اس کو صاف حروف میں نقل کیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص آسانی سے پڑھ سکے۔ اور اسکو حضور عالی کے منشاء مبارک سے آگاہی ہو جائے۔ مکتوب مقدس کی عبارت یہ ہے۔

حسن نظامی صاحب

بعد نماز جمعہ ۱۸ ذی الحجہ کو جو قوالی کی شرکت کی دعوت (آپنے) دی ہے تو اس کی متعلق مجھے (یعنی حضور ظل سبحانی کو) یہ کہنا ہے کہ یہ ٹھیک ہے۔ مگر اسدن خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی واقع ہوئی ہے جسکا ہمکو (یعنی اہل السنت کو) احترام کرنا ہے جو کہ داماد و صحابی جلیل رسول تھے۔ اسلئے آئندہ جمعہ ۲۰ مارچ کو اگر یہ (مجلس قوالی) مقرر ہوتی تو میں (درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کی) زیارت سے فارغ ہو کر (بعد نماز جمعہ) اس میں خوشی سے شرکت کرتا۔ اسلئے ارادہ ہے کہ آئندہ جمعہ ۱۳ مارچ کو جامع مسجد میں نماز ادا کروں۔ بہر حال ہمارا فرض ہے کہ جسکی جیسی کچھ منزلت ہے اس کا صحیح معنوں میں اعتراف کریں مجھے امید ہے کہ میرا منشا صاف ظاہر ہو جائیگا نواجہ صاحب پر (ع)

(یہ حضور کے اسم مبارک کا پہلا حرف ہے جسکا حضور اختصار کیلئے تحریر فرمایا کرتے ہیں) ۱۱ مارچ ۱۹۳۱ء

حسن نظامی کی رائے | یہ مکتوب مبارک ذوقی سے اعلیٰ و ارفع ہے لیکن وضاحت کیلئے یہ لکھنا ضروری ہے کہ حضور اقدس کا یہ مکتوب عالی تمام اسلامی دنیا کی توجہ کے قابل ہے کہ انکا ایک جلیل القدر

بادشاہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس قدر عزت ملحوظ رکھتا ہے اور حضور رسول مقبول ص
کے اسم پاک کے احترام کا بھی اس کو اس قدر خیال ہے کہ خط کے اوپر یہ نام نامی لکھا گیا ہے
لہذا ہر مسلمان کو ایسے ادب شعار بادشاہ اور اس کی سلطنت کیلئے دعا خیر کرنی چاہیئے۔
یہ لکھنا بھی مناسب ہے کہ اعلیحضرت ۲۰ مارچ کو حسب وعدہ میرے مکان پر تشریف
لائے تھے۔ مگر گنگ جامع کے ماتمی ایام کے سبب ارشاد ہوا کہ قوالی ملتوی رہنی مناسب ہے۔

خواجہ صاحب نے واقعات کا اظہار کر دیا ہے اور یہ مکتوب بجائے خود اعلان حقیقت ہے
خصوصاً اعلیٰ حضرت نے اپنے مذہب کو بالفاظ

ہمکو بھی اہل سنن کو احترام کرنا ہے

واضح کر دیا ہے۔ میں اعلیحضرت کے کلام اور ارشادات سے صحابہ کرام رضوان
علیہم اجمعین کے متعلق آپ کے عقائد و جذبات کی بہت بڑی تشریح اور تفصیل کر سکتا تھا۔ مگر
میں ایک ظاہر و باہر بات میں زیادہ ضروری سمجھتا ہوں۔

بزرگان دین سے عقیدت

اسی طرح اعلیحضرت کو بھی بزرگان دین سے محبت و اخلاص ہے بہت ممکن ہے
جیسا کہ بعض نامہ نگار آپ کی آل اولیاء اور آل اہل بیت سے محبت کو دوسرے نقطہ نظر
سے دیکھتے ہیں وہ لوگ جو بزرگان دین اور اولیاء اللہ سے محبت و اخلاص کے مقام کو
کسی اور نقطہ سے دیکھتے ہیں جب اعلیحضرت کی ارادت و عقیدت دربار اجمیر اور بزرگان دہلی اور
گلبرگہ اور خلدآباد کا عملی اظہار دیکھتے ہیں تو ایسے کسی اور نگاہ سے دیکھنے لگیں اور ساتھ ساتھ
کے علماء کا نقطہ خیال کچھ اور ہو جاتا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اعلیحضرت کو بزرگان دین اور
اولیاء امت کے ساتھ خاص محبت و اخلاص ہے۔ وہ انکی اسلامی خدمات اور
ذاتی برکات کے قائل ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ ہر مسلم کے لئے فخر کی بات ہے۔
میں چاہتا ہوں ان لوگوں نے اصل حقیقت سے ناآشنا ہو کر افراط و تفریط پیدا

کرلی لیکن جہانتک ان بزرگان دین سے محبت و اخلاص کا سوال ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جو لوگ حد ادب سے گذر کر شوخی اور گستاخی سے کام لیتے ہیں اونہوں نے اولیاء اللہ کی شان کو سمجھا ہی نہیں اور ادب ہی ایک چیز ہے جو اس راہ کے لیے ضروری ہے چنانچہ کہا گیا ہے۔

الطریقۃ کلہا ادب

بہرحال آپ کو اولیاء اللہ سے محبت ہے اور وہ اپنی سمجھ اور فکر کے موافق اس محبت کے مظاہرے بھی کرتے ہیں۔

مجالس مولود میں شرکت و اصلاح مجالس

اعلیحضرت مجالس میلاد میں تشریف لیجاتے ہیں اور یہ مظاہرہ ہے اس محبت کا جو آپ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ہے حیدرآباد میں ان مجالس کے متعلق ایک قسم کی بے ترتیبی کا ظہور ہونے لگا تو آپ نے ایک جریدہ خاص کے ذریعہ اسکی اصلاح کی یہہ جریدہ ۳ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ بروز پنجشنبہ شائع کیا گیا تھا اور وہ حسب ذیل ہے۔

فرمان مبارک

قطعہ

نسیم صبح در گلہا دم عیسی دمد اینجا — چمن خرمت حیات جاودان در برکشید اینجا

زہے طالع کہ بینم جمع سامان چمن عثمان — ظفر اینجا شرف اینجا نشاط اینجا و عید اینجا

سال گذشتہ مجالس میلاد النبی صلعم جو دارالسلطنت میں ہوئے ان میں بے ترتیبی و نقص معلوم کر کے مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ اسکی اصلاح کے متعلق ضروری ہدایات دوں وہ یہ ہے کہ یہ مجلس خاص ماہ ربیع الاول میں منعقد ہونی چاہیئے نہ کہ دوسرے مہینوں

ہیں کیونکہ اس ماہ کو تولد شریف ہونے کی وجہ فضیلت ہے۔ دوم یہ کہ ہر صیغہ یا محکمہ بطور خود علیحدہ مجلس قائم کرنے کے عوض مناسب ہوگا کہ جتنے صیغے یا محکمے اس سعادت میں حصہ لینا چاہتے ہوں وہ سر بستہ رقم (جو چندہ سے جمع ہوگی) امور مذہبی میں ایصال کر دیجاوے تاکہ صیغہ امور مذہبی اس کام کو بطور خود انجام دے۔ سوم یہ کہ اس مجلس کے لئے پاک وصاف مقام ہونا چاہئے نہ کہ گلی کوچہ یا شاہراہ پر بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ اس کام کے لئے مکہ مسجد تجویز کی جاوے جو سب سے بڑی مسجد ہونے کے علاوہ اس کام کے لئے ہر پہلو سے موزوں مقام ہے۔ چہارم یہ کہ نظام الاوقات ایسا ہونا چاہئے جسکی پابندی میں شرکاء کو کسی قسم کی تکالیف کا سامنا نہو (نہ کہ دوپہر سے آدھی رات تک) مثلاً نماز عصر سے تا نماز عشاء جس میں قرأت قصیدہ بردہ سہ وقت کی نماز شامل کر لی جاوے اور اس میں جو اشخاص شریک ہوں وہ با طہارت و با وضو ہونا چاہئے۔ پنجم یہ کہ جو اشخاص بطیب خاطر اس کام کے لیے چندہ دینا چاہیں وہ صیغہ امور مذہبی میں بھیج کر رسید حاصل کر سکتے ہیں اور صیغہ امور مذہبی کو حکم دیتا ہوں کہ جسقدر رقم چندہ جمع ہو جاوے اسکی اطلاع سرکار کو دیکر انتظام شروع کر دے یعنی سہ ربع رقم میں سے غرباء و مساکین کو اس دن کھانا کھلایا جاوے یا پارچہ تقسیم کیا جاوے اور ایک ربع رقم میں سے ضروری الواب مجلس کی تکمیل کی جاوے مثلاً معمولی جماعت قصیدہ بردہ انتظام روشنی یا قہوہ و عود اگر بتی وغیرہ اور صیغہ امور مذہبی پر لازم ہوگا کہ سرکار سے استمزاج کر کے کوئی تاریخ ماہ ربیع الاول کے اواخر میں اس کام کے لئے قرار دے اور اسکا نظام الاوقات مرتب کر کے عوام و شرکاء کی اطلاع کی غرض سے (بذریعہ اشتہار) طبع کرائے جس کے لئے دو ہفتہ کی مہلت کافی ہے۔

ف ۲۔ اس مجلس کو ان سرکاری مجالس و خطبہ سے تعلق نہوگا جو کہ سالہا سال سے عمل میں آتے ہیں ۲۵ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ جریدہ غیر معمولی میں طبع کرایا جاوے۔

بدستخط مبارک سلطان دکن

اس فرمان پر کسی ریمارک کی ضرورت نہیں آپ کا منشا ظاہر ہو رہا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایسے مذہبی کاموں میں ایک تنظیم ہو۔ اور اس قسم کی مجالس کا نظام الاوقات مقرر کرنے والا ہو اور چندوں کا اہتمام بھی ایک ذمہ دار ادارہ کے ہاتھ میں ہو تاکہ کسی قسم کی بے اعتدالی اور بے احتیاطی نہ ہو سکے۔ معلوم ہوتا ہے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں کا جو پروگرام سلسلہ احمدیہ نے جاری کیا ہے وہ اعلیٰحضرت کی نظر سے نہیں گزرا۔ ورنہ اس طریق کو آپ ضرور پسند فرماتے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ اور کمالات کے اظہار اور دنیا میں آپ کی شان جلیل کے متعلق صحیح معلومات پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

بہرحال آپ نے پسند فرمایا کہ میلاد النبی کے جلسوں میں تنظیم ہو۔ اور آپ ایسے جلسوں میں بعقیدت تمام شریک ہوتے ہیں۔

سلطان دکن کی زندگی کے مختلف مناظر

ایک انسان اور پھر بادشاہ انسان کی زندگی کے پہلوؤں کو بیان کرنا بہت مشکل ہے اور پھر ہر شخص ہر آدمی کو اپنے نقطۂ خیال سے دیکھتا ہے اور یہ قدرتی بات ہے۔ انسانوں ہی کی نسبت یہ نظریہ نہیں بلکہ جمادات نباتات حیوانات تک کو بھی ہر انسان مختلف نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مثلاً گلاب کا پھول ہے شاعر اسے کسی اور نگاہ سے دیکھتا ہے۔ علم نباتات کے ماہر کا نظریہ کچھ اور ہے۔ طبیب کی نگاہ کسی اور رنگ میں اسے دیکھتی ہے۔ خدا پرست اور روحانی انسان کا نظریہ سب سے الگ ہے۔ غرض ہر شخص کا نقطۂ نظر جدا ہوتا ہے۔ میں اعلیٰحضرت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس کی تفصیلات کو واقعات کی روشنی میں زمانۂ آئندہ کے مورخ بیان کر سکیں گے۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لحاظ سے مکمل نقشہ کھینچ سکوں اس لئے کہ اس کے لئے جس قدر سامان اور مواد اور تعاون کی ضرورت ہے وہ میسر نہیں تاہم جو کچھ بھی ہو سکتا ہے اسے پیش کرتا ہوں

محنت وجفاکشی

اعلیٰحضرت نے باوجودیکہ ایک مشرقی حکمراں خاندان میں شرف ولادت پایا آپکی
یت مشرقی شاہانہ ماحول میں ہوئی۔ لیکن آپ کی طبیعت پر کاہلی، آرام طلبی اور امور
طنت سے غفلت وبے پروائی نے کبھی قابو نہ پایا۔ ہر قسم کے تنعم کے سامان میں پرورش
نے کے باوجود آپ ایک جفاکش بادشاہ ہیں۔ وہ حکومت اور اسکے فرائض کو سمجھتے ہوئے
ن کرتے ہیں کہ حکومت کی ذمہ داریاں کسی بادشاہ کے لیے آرام طلبی کا موقعہ ہی نہیں
لتی ہیں۔ ابتدا ہی سے آپ نے محنت وپابندی اوقات کی عادت پیدا کی۔ جو لوگ
رآبادی تمدن سے واقف ہیں انہیں معلوم ہے کہ آرام طلبی سہل انگاری اور تساہل
مت وسلطنت کی شان سمجھے گئے تھے۔ مگر اعلیٰحضرت نے پورے تدبر اور حکیمانہ غور کے
یصلہ کیا تھا کہ حکومت کی ذمہ داری

بہت بڑی قربانی کو چاہتی ہے

آرام طلبی اور تساہل حکومت کے ساتھ شامل نہیں ہوسکتے یہ ایک قسم کی
شی ہے جن لوگوں کو اعلیٰحضرت کی ذات سے قریب رہنے کا موقعہ نصیب ہوا ہے
انہوں نے آپکے پرسنل کریکٹر کو پڑھا ہے انہوں نے بارہا بیان کیا ہے کہ
" اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں سے ۱۸ گھنٹے روزانہ
ولائض میں بسر کرتے ہیں بلکہ ذ انکا اکثر حصہ مزدوروں کی طرح اپنے ملک اور رعایا کی بہبودی
لیئے صرف کرتے ہیں "
حقیقت میں جو بادشاہ صبح سے شام تک ایسی محنت شاقہ سے کام کرتا ہو اسکی
لنت میں اگر ترقی نہو اور اسکی رعایا آباد اور شادکام نہو تو اور کس کا حق ہے۔ اعلیٰحضرت
ں بیشتی اسوجہ بھی پیدا ہوئی کہ آپنے اپنی مملکت کے تمام صیغوں اور شعبوں کے انتظامات
رطریق کار کو گہری نظر سے مطالعہ فرمایا اور انتظامی کمزوریوں کی اصلاح اور اس اصلاح

بعد انکی شاندار ترقیوں کے لیے جو پروگرام تجویز کر لیا تھا وہ اتنا عظیم الشان اور وسیع تھے جب تک پوری محنت اور سرگرمی سے کام نہ کیا جاوے اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے اعلیحضرت نے اپنی زندگی کے نظامِ عمل میں دولت آصفیہ کی تعمیر کو ایسے رنگ میں داخل کیا کہ

خود میر عثمان علیخان اس قصر رفیع کا معمار ہو

یہ ایک فیکٹ (واقعہ) اور ٹرو تھ (صداقت) ہے کہ کئی مرتبہ حضور صبح سے شام تک بلا توقف ایک ہی میز پر بیٹھے ہوئے کام کرتے رہتے ہیں کچھ شک نہیں انگریزی قوم کام کرنے میں بڑی مستعد ہے مگر حضور کو کام کرتے ہوئے دیکھکر گورنمنٹ آف انڈیا کے اعلیٰ بڑے افسران کو بھی آپ کی شبانہ روز محنت کے اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں رہا

اس محنت کا ثمر واقعات اور حقائق کے رنگ میں نظر آتا ہے کہ ریاست حیدرآباد کی آمدنی میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا ہے اور تاج آصفی کا حامل سلطان

دنیا کا سب سے بڑا دولتمند بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے

اور حیدرآباد کی ریاست اپنے تمول و خوشحالی پر نازاں ہے یہ خیالی امر نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جسکو عالمگیر اقتصادی مصیبت کے ایام میں بڑے بڑے مدبران نے تسلیم کیا ہے چنانچہ بمبئی کے مشہور و معروف انگریزی اخبار ٹائمز آف انڈیا نے ۱۹۳۲ء کے میزانیہ (بجٹ) پر ریمارک کرتے ہوئے صاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ

اس امر سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ریاست حیدرآباد

سب ریاستوں سے زیادہ متمول اور خوشحال ہے

میں نے اس تالیف میں اس اخبار کا اس لیے حوالہ دیا ہے کہ کوئی بات محض اپنے

تخیل یا حسن ظن کی بنا پر پیش نہ کی جاوے بلکہ واقعات اور شواہد کے ساتھ مؤکد کیا جاوے

محنت و جفاکشی کا ایک واقعہ

اعلیحضرت کی سادگی تو ضرب المثل ہے اسکے ساتھ آپکی طبیعت میں تنعم پسندی اور سستی و آرام طلبی نہیں ہے۔ نازک مزاجی اور تن آسانی آپکے قریب نہیں آتی بلکہ آپ کی زندگی سپاہیانہ زندگی ہے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب کو ۱۷ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کو اعلیحضرت کے حضور حاضری کی سعادت حاصل تھی۔ اس ملاقات کا بیان انہوں نے خود لکھا ہے کہ

"ساڑھے تین بجے کنگ کوٹھی پر گیا اور اعلیحضرت سے رخصتی ملاقات کی ظل سبحانی کسی بہت ضروری کام میں مصروف تھے مگر فوراً باریابی کی اجازت دیدی اور باتیں کرتے ہوئے باہر صحن میں تشریف لے آئے جہاں بہت تیز دھوپ تھی۔ میں نے کہا کہ ظل اللہ یہاں بہت تیز دھوپ ہے مگر حضرت نے کچھ خیال نہیں فرمایا

انکی مراد ایں سپاہیانہ شان ہے وہ دوسرے والیان ریاست کی طرح آرام طلب نہیں

خواجہ صاحب اس کیفیت کو لکھ کر بیان کرتے ہیں کہ انہیں وہ تاریخی واقعہ یاد آیا جو محمد شاہ بادشاہ دہلی اور نادر شاہ شاہ ایران کے لباس کا مشہور ہے کہ جب نادر شاہ ایرانی۔ محمد شاہ دہلوی کے ہاں قلعہ میں مہمان تھے تو موسم سخت گرمی کا تھا ایک دن محمد شاہ ملنے آئے تو ڈھاکہ کی باریک ململ کا جامہ پہنے ہوئے تھے اور خواص پنکھا جھلتا جاتا تھا محمد شاہ نے دیکھا کہ نادر شاہ بہت موٹے گرم کپڑے کا جبہ پہنے ہوئے ہیں محمد شاہ نے کہا کہ آپ کا لباس بہت گرم ہے۔ نادر شاہ نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا کہ ہاں! بھائی یہی گرم لباس تھا کہ مجھکو ایران سے دہلی تک لے آیا۔ لباس تو تمہارا ہے کہ دہلی سے پانی پت تک بمشکل میرے مقابلہ کے لئے جا سکے۔

فاتح گرم و سرد کی پروا نہیں کرتے

اس واقعہ کا خیال اسلئے آیا کہ مغلوں کی سلطنت کا زوال آرام طلبی کے سبب ہوا اور اعلیٰحضرت حضور نظام کی سلطنت محض اسوجہ سے چار دانگ عالم میں مشہور ہو رہی ہے۔

"کہ اس کا تاجدار نہ گرمی میں کسی پہاڑ پر جاتا ہے نہ طاعون کے زمانہ میں گھر سے بھاگتا ہے اور نہ اسکو کسی وقت کام کے سوا عیش و آرام کا خیال آتا ہے"

اس واقعہ پر مجھے کسی مزید ریمارک کی ضرورت نہیں اعلیٰحضرت کی طبیعت میں آرام طلبی کا اثر قطعاً نہیں بلکہ آپ کی طبیعت بالکل سپاہیانہ انداز پر واقع ہوئی ہے اور جفاکشی میں آپ مشہور رہیں۔

خواجہ صاحب کے اس واقعہ سے اعلیٰ حضرۃ کی سیرۃ سے بعض اور پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے مثلاً آپ اکرام ضیف کرتے ہیں۔ اعلیٰ رتبہ یا وا امرائے ایسے مہمانوں کے لیے جو حکومت کے رنگ میں آئیں اکرام اور آؤ بھگت ایک رسمی چیز ہے لیکن دوسرے لوگوں سے جو محض ملاقات ہی کے لئے آتے ہوں اسطرح پیش آنا یہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کیفیت کا نظارہ ہے اس کے ساتھ ہی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰحضرت اپنے کاموں کی ترتیب میں سلسلہ کو کس عمدگی سے محفوظ رکھ سکتے ہیں اور آپ کو اپنی کام کرنے والی دماغی قوتوں پر قدرت اور حکومت حاصل ہے۔ عام طور پر لوگ جانتے ہیں کہ جب انسان ایک کام میں منہمک ہو تو وہ بہت جلد اپنی توجہ کو دوسری طرف منعطف نہیں کر سکتا اور اگر کرنا چاہے تو جس کام کو کر رہا ہوتا ہے تو اس کا سلسلہ ترتیب درست نہیں رہتا مگر یہ واقعہ بتاتا ہے کہ

اعلیٰحضرت کو اس پر ایک قوت حاصل ہے

اور وہ نہایت اہم اور ضروری کام کو عین مصروفیت کی حالت میں چھوڑ کر دوسرے

کسی کام کی طرف توجہ کرنے کے باوجود پھر اس سے پہلے شغل کو اسی انہماک اور توجہ سے کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں یہ معمولی امر نہیں اور ہر شخص کو یہ ملکہ نصیب نہیں ہوتا۔ اعلیحضرت کے معمول میں یہ امر داخل ہے کہ آپ علی العموم اپنے میز کے پاس کھڑے ہو کر کام کرتے ہیں یہ اور بھی مستعدی اور جفاکشی کی دلیل ہے۔ آپ کی زندگی میں جفاکشی اور محنت کے اظہار کے لئے متعدد واقعات ملتے ہیں مگر میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

اکرام ضیف اور انکے آرام کا خیال

اعلیحضرت اپنی ذات سے مہمانوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے ہیں۔ اگرچہ حسب دستور آپ کی ریاست میں بھی مہمان نوازی کے لئے الگ اہلکار مقرر ہیں اور ان کے قیام کیلئے گیسٹ ہوس بنے ہوئے ہیں جہاں ہر قسم کی آسائش و آرام کا سامان مہمانوں کے لئے میسر ہوتا ہے۔ مگر باوجود اسکے بھی آپ ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں بعض اوقات ایک معمولی واقعہ ہوتا ہے لیکن اس کے نتائج نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے ایک ذاتی واقعہ کا اظہار اسطرح کیا ہے کہ وہ نواب صاحب مانگرول کے ساتھ اعلیحضرت کے حضور ملاقات کے لئے گئے۔ ملاقات کے بعد اعلیحضرت نے نواب مانگرول کے اجازت جا ہنے پر تشریف لیجانے کی اجازت دی مگر خواجہ صاحب کو ٹھیرالیا اور وہ وہاں قریباً ایک گھنٹہ تک ٹھیرے رہے جب باہر آئے تو دیکھا کہ انکی موٹر نواب صاحب مانگرول کے مصاحب لے گئے۔ خواجہ صاحب حیران ہوئے کہ گیسٹ ہوس کسطرح جاؤں اعلیحضرت کو علم ہوا تو فوراً اپنی موٹر بھیجدی تو گیسٹ ہوس تک پہونچا۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی علم رکھتے ہیں اور اہم امور کو آپ تک پہونچانے میں خدام کو فوری احکام ہیں۔ میں نے بعض جگہ دیکھا ہے کہ وہ سواریاں جو رئیس کے لئے ہیں ان سے کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا خواہ کیسی بھی ضرورت اور صورت حال پیش آئے۔ لیکن اعلیحضرت کی کریم النفسی اور اکرام ضیف کی صفت کو ملاحظہ کیجئے کہ یونہی معلوم ہوا کہ آپ کا ایک مہمان سواری کے نہونے کیوجہ سے

پریشان ہو رہا ہے۔

آپ نے فوراً اپنی موٹر پیش کر دی

اخلاق فاضلہ کا صحیح معیار ہے۔
تواضع ز گردن فرازان خوش است گدا گر تواضع کند خوئے اوست

اعلیحضرت بہ حیثیت ایک باپ کے

اعلیحضرت میر عثمان علیخان صاحب کو خدا تعالیٰ نے ہر قسم کی ذکور و اناث اولاد دی ہے اور وہ بہت سے بچوں کے باپ اور پھر عام حیثیت کے باپ نہیں بادشاہ باپ ہیں۔ سلاطین اپنے منصب و مقام کے لحاظ سے اپنے بچوں کے ساتھ خاص قسم کا سلوک اور برتاؤ کرنے کیلئے سیاسی طور پر مجبور ہوتے ہیں لیکن اعلیحضرت میر عثمان علیخان صاحب بالقابہ ایک شفیق باپ کی حیثیت میں بادشاہ باپ سے بہت ممتاز نظر آتے ہیں۔

سب سے پہلی چیز جو اس خصوص میں آپ کی زندگی میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کو اپنی عملی زندگی میں نمایاں رکھتے ہیں حضور مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ اکرموا اولادکم (اپنی اولاد کا اکرام کرو) اس ارشاد نبوی میں تربیت اولاد کا بہت بڑا راز مخفی ہے۔ بچوں میں خودداری ضبط علی النفس اعتماد علی النفس کی بہت سی خوبیاں اس ارشاد پر عمل کر کے ایک باپ پیدا کر سکتا ہے۔

مجھے اس مقام پر فلسفہ تربیت اولاد پر بحث نہیں کرنی ہے بلکہ اعلیحضرت کی زندگی کے اس پہلو کو بیان کرنا ہے۔ آپ کا ہمیشہ سے یہ معمول ہے کہ آپ اپنی اولاد کا خلوت و جلوت میں جائز اکرام کرتے ہیں ایسے طور پر کہ وہ اپنے مقام اور مرتبہ کو سمجھنے لگیں ہیں اور اس منصب کی ذمہ داریوں کا ان میں احساس شریف پیدا ہو۔

اگرچہ شہزادگان کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص اور مکمل انتظام ہوتا ہے لیکن

آپ بذات خود انکی نگرانی کرتے ہیں اور اس نگرانی میں جن امور پر زیادہ توجہ کی جاتی ہے وہ انکی دینی اور اخلاقی حالت ہے انہیں مذہبی مذاق اور عملی مذہب کی روح پیدا کرنے کیلئے شہزادگان کو ساتھ لیکر جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے ہیں اور دوسری مذہبی تقریبوں پر جب شمولیت کے لئے جاتے ہیں تو سب کو ساتھ رکھتے ہیں۔ بچوں کو اس امر کا صحیح احساس ہے کہ وہ باوجود شہزادے ہونے کے اپنے اندر کسی قسم کی تعلی اور تکبر کی شان نہ پیدا ہونے دیں۔ اور سادہ زندگی کے دلدادہ ہوں۔

اعلیٰحضرت کی اپنے بچوں سے محبت یوں تو کوئی باپ ایسا نہیں ہوتا جسکو اپنے بچوں سے محبت نہ ہو۔ ہاں اس محبت کی مختلف شانیں ہوتی ہیں۔ لیکن حکمرانوں اور بادشاہوں کی تاریخ کو اگر پڑھیں تو انکے فطری جذبات محبت پدری بعض اوقات سیاسی حالات کے ماتحت کسی اور شکل میں بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بادشاہوں اور حکمرانوں کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے جہاں باپ اپنی اولاد کا دشمن بنگیا ایسا ہی اولاد کے متعلق ایسے واقعات نظر آئیں گے۔ مگر اعلیٰحضرت کو اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت اور پیار ہے اسکی شان بالکل دوسری ہے۔

سر مہاراجہ صاحب کی رائے یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب وزیراعظم ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے بہت بڑا زمانہ حیدرآباد کی حکومت کا دیکھا ہے اور بوجہ وزیراعظم ہونے کے سلاطین کی تاریخ کے ایک مبصر ماہر ہیں اور خدا تعالیٰ نے انہیں ایک ذوق سلیم اور قوت فیصلہ بھی دی ہے وہ اعلیٰحضرت کی اپنے بچوں سے محبت کے رنگ کو دیکھکر لکھتے ہیں کہ

"اعلیٰحضرت حضور نظام کو اپنے بچوں سے بہت محبت ہے حکومتوں کی تاریخ میں یہ بات بے مثال ہے کیونکہ اکثر حکومتوں کیلئے اولاد ماں باپ کی اور ماں باپ اولاد کے مخالف ہو جاتے تھے مگر اعلیٰحضرت حضور نظام

تاریخ میں پہلے شخص ہیں جو اپنی اولاد پر بہت زیادہ مہربان ہیں اور
انکی بہبودی اور آسائش کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔"

میں مہاراجہ صاحب کے ساتھ اس امر میں تو اتفاق نہیں کرتا کہ اعلیحضرت پہلے شخص ہیں لیکن یہ کہونگا کہ اس قسم کی مثالیں امرا و سلاطین کی تاریخ میں بہت ہی کم ہیں ورنہ کیا تاریخ تیموریہ میں حضرت ظہیر الدین بابر کا واقعہ ایثار و قربانی کیا شفقت پدری کا ایک بے نظیر واقعہ نہیں کہ ہمایوں کی بیماری کو اپنے اوپر لے لیا ایسے اخلاص درد اور صدق دل سے دعا کی کہ فی الحقیقت ہمایوں کی بیماری صحت سے تبدیل ہوگئی اور خود جان دیدی۔ غرض اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اعلیحضرت کو اپنی اولاد سے جو محبت ہے سلاطین کی تاریخ میں اسکے نمونے نہایت شاذ ہیں۔

اولاد سے محبت کے اثرات | اولاد سے محبت کے اثرات اور کیفیات کا ظہور انسان کے چہرہ پر اسوقت نمایاں ہوتا ہے جبکہ طبعی حالات کے ماتحت اولاد کے بعض افراد قدرتی حالات علالت و ناسازی طبیعت میں سے گذرتے ہیں۔ کوئی انسان جو اپنے پہلو میں پتھر کا دل نہیں رکھتا ان اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اور یہ جذبہ خدا تعالیٰ نے انسان میں اسلئے رکھا ہے تا وہ شفقت علیٰ خلق اللہ کے اصولوں کے ماتحت اولاد کی صحیح تربیت کر سکے۔ پس اعلیحضرت سلطان دکن بھی قدرت کے اس عطیہ سے بہرہ وافر رکھتے ہیں اب جب دور جب کبھی کوئی ایسا اتفاق ہوا تو اعلیٰ حضرت کے چہرہ پر فکر کا احساس نمایاں ہوا دیکھنے والوں نے اسے واقعات اور حالات حاضرہ کے ماتحت سمجھا مگر وہ فکر محبت کے انتہائی نتائج کا ظہور تو ہوتا ہے لیکن اس حالت میں دوسرے اخلاق فاضلہ حوصلہ استقامت بھی برابر نمایاں نظر آتے ہیں میں اس سلسلہ میں صرف ایک واقعہ کا ذکر کرونگا جو سفر دہلی ۱۹۳۲ء میں پیش آیا۔ اور جس کا ذکر خواجہ حسن نظامی نے اپنے روزنامچہ کیا۔

ولیعہد بہادر کی علالت اور جہاں پناہ کا فکر | اس سفر دہلی میں دسمبر ۱۹۳۲ء میں حضرت ولیعہد بہادر

اور آپ کی بیگم صاحبہ کی طبیعت ناساز تھی۔ اعلیحضرت جہاں ایک جفاکش اور ضابطہ سلطان کی حیثیت سے اس موقعہ پر اپنی شاہی مصروفیتوں میں دست بکار تھے حضرت ولیعہد بہادر کی علالت کا بھی ازبس احساس تھا۔ چنانچہ ۱۴ شوال سنہ ۱۳۵۰ھ مطابق ۲۲ فبروری سنہ ۱۹۳۲ع کی قصر شاہی کی خبروں میں شایع ہوا کہ

"آج جہاں پناہ کے رخ اقدس پر اپنے نور چشم اور بہو کی علالت کے سبب فکر وملال کے آثار دیکھے گئے مگر ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ایک دن کے بعد بخار اتر جائیگا آرام اور سکون کی ضرورت ہے سردی بھی کم ہو رہی ہے گویا قدرت بھی تندرستی کی طرف متوجہ ہوگئی ہے" (روزنامچہ)

حضرت ولیعہد بہادر یا آپ کی بیگم صاحبہ کی علالت پر اعلیحضرت کا فکرمند ہونا وہ طبعی جذبہ ہے جو اولاد کے ساتھ فطرتی محبت کا ہوتا ہے۔ اور یہ اس خوبی کا نتیجہ ہے جو رقت قلب کی صورت میں کسی شخص کو عطا ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ کے واقعات میں آپکا اپنے عزیز فرزند ابراہیم کی وفات پر چشم پرنم ہونا آیا ہے اور جب کسی شخص نے آپ سے سوال کیا تو حضور نے فرمایا کہ

خدا تعالی نے مجھے سنگدل نہیں بنایا

اولاد کی جائز محبت میں انکے ہم وغم سے متاثر ہونا انسانی قلب کی رقت کا ثبوت ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے محل مدح میں اور انعام الہی کے رنگ میں فرمایا ہے۔

رضا بالقضاء اولاد سے محبت کے سلسلہ میں ہی ہیں ایک اور امر کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کثرت و قلت اولاد کے سوال سے الگ رہ کر ماں باپ کو اپنی اولاد کے صدمات موت سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے اور اولاد کی وفات کا صدمہ کثرت و قلت سے قطع نظر کبھی کم نہیں ہوتا۔ اور اس قسم کے صدمات موت و وفات انسان کی زندگی میں اسکی عملی تطہیر اور تسلیم و رضا اور صبر و استقامت کے اظہار کے لئے لازمی ہیں اعلیحضرت کی اولاد میں اکثر واقعات ایسے ہوئے کہ پیارے لخت جگروں نے قضا کی۔ اعلیحضرت طبعی طور پر اس

حادثہ سے متاثر بھی ہوئے مگر دامن صبر و تسلیم کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر اس مشیت ایزدی پر راضی ہو گئے۔ اسی سلسلہ میں اس امر کا اظہار بھی مناسب ہے کہ رقت قلب بھی ایک خدا داد عطیہ ہے اور مومن کی یہ شان ہے کہ وہ رقیق القلب ہوتا ہے ہمارے آقا و مولا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات انسانیت میں آپ کی رقت قلبی کا بھی حصہ ہے۔ اس انسانی کمالات کا اظہار یا تو دوسرے مصیبت زدوں کو دیکھ کر ہوتا ہے یا کسی ابتلا کے آنے پر انسان اس کیفیت سے متاثر ہو جاتا ہے اعلیحضرت اس جذبہ سے بھی سعادت اندوز ہیں اور اس کا ظہور دونوں صورتوں میں ہوا ہے لیکن اپنے ذاتی ابتلاؤں کے وقت دامن صبر و سکون کو رقت قلب نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

اعلیحضرت سلطان دکن کی سادگی

بعض انسان ایسے ماحول میں پیدا ہوتے اور نشو و نما پاتے ہیں کہ انکی زندگی نمایش اور آرایش کی غلام ہو جاتی ہے۔ بادشاہ بھی اسی طبقہ کے لوگوں میں سے ہیں وہ اپنی شان حکومت اور وقار سلطنت کو قائم رکھنے کے لئے

تکلفات کے غلام بنائے جاتے ہیں

اگرچہ اسلامی تاریخ خصوصاً قرن اول اس کلیہ سے آزاد اور ممتاز ہے اور وہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے ایسے شاندار نمونے پیش کرتی ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے اس لئے اس عہد کو مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے۔ یہ عہد تو تکلفات اور نمایش کا عہد ہے مگر اس دور میں بھی آصف جاہ ہفتم کی زندگی اپنی سادگی کی آپ نظیر ہے حیدرآباد کے گزشتہ عہد حکومت کی تاریخ اسکے تکلفات کی دلچسپ تاریخ ہے۔ مگر آصف جاہ ہفتم نے اپنے عمل سے

حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا

آپ نے حیدرآباد کی زندگی میں اصلاحی انقلاب کے لئے عملی انقلاب کو مقدم کیا چنانچہ آپ نے باوجود ایک جلیل القدر سلطان ہونے کے اپنی زندگی کو نہایت سادہ

بنادیا اور ہر قسم کی نمائش اور آرائش کے خیال کو ترک کر دیا جسکا قدرتی اور طبعی اثر ملک پر ایسا ہوا کہ **ملک تکلفات کی غلامی سے آزاد ہو گیا**

اور اس کا اثر یہانتک بڑھا ہے کہ شادیوں اور خوشی کی تقریبوں میں بھی وہ فضولیات اور نمایشی باتیں نہیں ہوتیں جو ملک اور قوم میں مختلف قسم کی اخلاقی اور اقتصادی خرابیاں پیدا کرتی ہیں۔

اعلیحضرت کا لباس نہایت سادہ ہوتا ہے وہ باہر نکلتے ہیں تو کوئی خاص اہتمام فوج اور باڈی گارڈ کا نہیں ہوتا بعض اوقات صرف سر سے ایک رومال باندھ کر بھی سواری میں نکل آتے ہیں

اعلیحضرت کی سادگی دوسروں کی نظر میں

اعلیحضرت کی سادہ زندگی ہر قسم کے تکلفات سے پاک ہے ہر شخص جسکو کبھی آپ کے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے ایک بصیرت کے ساتھ جانتا ہے کہ تکلف نمایش اور بناوٹ سے آپ عملاً بیزار ہیں آپ کی زندگی کو دیکھکر بعض لوگوں پر حیرت انگیز اثر ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس باب میں ان لوگوں کے تاثرات کو بیان کروں جنہوں نے سلطان دکن کی اس سادہ زندگی کا پر لطف نظارہ کیا۔

(۱) سنت نہال سنگھ کا بیان | سنت نہال سنگھ ایک مشہور جرنلسٹ ہیں انہیں حیدرآباد جانے اور اعلیحضرت کے حضور حاضری کی عزت نصیب ہوئی وہ اپنے خیال میں سمجھتے تھے کہ دودمانِ آصفیہ کا تاجدار مغلیہ سلاطین کی طرح بہت بڑے تکلفات کا پیکر ہوگا۔ لیکن جب اسنے دیکھا کہ وہ ایک جلیل القدر سلطان کو نہایت ہی سادہ لباس میں دیکھ رہا ہے تو اسکی حیرت کی انتہا نہ رہی چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

جب میں اعلیحضرت کی بارگاہ میں باریاب ہوا تو آپکا کل لباس زیادہ سے زیادہ دس روپیہ کا

ہوگا۔ بعض شخصوں نے عرض کیا کہ حضور پر تکلف لباس زیب تن فرمایا کریں تو ارشاد ہوا کہ میرے سرور و آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس اس سے بھی معمولی تھا جتنا کہ میرا ہے"

اعلیحضرت کی اس سادگی کا اثر قدرتی اور طبعی طور پر یہ ہوا ہے کہ حیدر آبادی دربار جو بہت تکلف پسند اور نمائش کا دلدادہ تھا سادگی پسند ہو گیا اور پہلے زمانہ کے تکلفات اڑا دیے گئے۔

سید کشفی شاہ کے تاثرات | اعلیحضرت کی سادگی اور وقت کی پابندی اور عام عادات ایسی ہیں کہ ہر شخص پر اپنا ایک خاص اثر پیدا کرتی ہیں جسے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا کبھی موقعہ ملا ہو سید کشفی شاہ نظامی ایک بہت ہی سادہ مزاج اور درویش صفت مسلمان ہیں اسلامی کاموں میں نہایت دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں اور کار ہائے خیر میں وہ اپنی مکسوبہ دولت کو خرچ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی جن پر انکا اثر ہے ایسے کاموں میں شرکت کی تحریص دلاتے رہتے ہیں ۱۹۳۳ء کی فبروری میں جب اعلیحضرت دہلی تشریف لے گئے ہوئے تھے تو کشفی شاہ صاحب کو بھی ۲۳ فبروری ۱۹۳۳ء کو شرف حضوری بخشا گیا انپر اعلیحضرت کی شخصیت اور سادگی کا جو اثر ہوا اسے انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا کہ

"انپر اعلیحضرت کی سادگی اور متانت اور شاہانہ وقار کا بہت بڑا اثر ہوا۔
اور انہوں نے اعلیحضرت کو خلفائے راشدین کا نمونہ پایا"

کشفی شاہ کا خیال ہے کہ اعلیحضرت کی سادگی اور وقت کی پابندی اس قابل ہے کہ تمام مسلمانان ہند اسکی پیروی کریں اور تکلفات کی فضول خرچی ترک کر دیں اور وقت کی قدر سیکھیں میں اعلیحضرت کی اخلاقی خوبیوں کا خود مداح ہوں اور آپ کی سیرۃ میں بعض ایسی خصوصیات پاتا ہوں جو ایسے سلاطین میں پائی جاتی ہیں جو بہ یک وقت بادشاہ اور درویش ہوتے ہیں۔ لیکن میں اسکو مبالغہ کا رنگ سمجھتا ہوں کہ اعلیحضرت کی زندگی خلفائے راشدین کی زندگی کا نمونہ ہے۔ خلفائے راشدین کی شان اپنے اندر ایک ایسی محویت اور جذب رکھتی ہے کہ وہ کیفیت بآسانی پیدا نہیں ہو سکتی۔ میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ بعض امور

میں آپ کی زندگی میں اسی شان کی جھلک نمایاں ہو اور کیوں نہ ہو وہ دنیائے صداقت کے سب سے بڑے علم بردار حضرت صدیق اکبرؓ کی اولاد سے ہیں لیکن وہی کیفیت اورنگ پیدا ہو جاوے تو پھر مسلمانوں کا بیڑا پار نہو جاوے۔

میرا مقصد سید کشفی شاہ کے تاثرات کی تنقیص نہیں خود اعلیٰ حضرت کو جو ارادت اور عقیدت حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ہے اسکو مدنظر رکھتے ہوئے آپ بھی اس امر کو کسر نفسی کے طور پر نہیں بلکہ حقیقت نفس الامری کے طور پر تسلیم کرینگے کہ

حضرات خلفاء راشدین کا مقام بہت بلند ہے

غریب رعایا کا شریک حال سلطان | اعلیحضرت میر عثمان علیخان آصف جاہ ہفتم کی زندگی اسلامی سادگی کا نمونہ ہے جسکو سب جانتے ہیں مگر انکی زندگی میں ایک بات ایسی ہے جسکی طرف عوام کو توجہ نہیں ہے حالانکہ وہ توجہ کے لائق ہے خصوصاً موجودہ زمانے میں جبکہ تمام دنیا کی حکومتوں کی غریب رعایا شکایت کیا کرتی ہے کہ اسکے حاکم اپنی جسمانی عیش اور آرائش میں مصروف رہتے ہیں۔ اور غریب رعایا کی آسایش کا اپنے برابر خیال نہیں کرتے۔

حضور نظام کی زندگی اس معاملہ میں نمونہ کی زندگی ہے یعنی وہ غریبوں کا سادہ کھانا کھاتے ہیں اور غریبوں جیسا سادہ لباس پہنتے ہیں اور گرمی کے موسم میں کبھی کسی پہاڑ پر نہیں جاتے حالانکہ دنیا کی کوئی بھی حکومت ایسی نہیں ہے جہاں کے بادشاہ اور ان کے عہدہ دار موسموں کی شدت سے بچنے کے لئے نقل مکان نہ کرتے ہوں۔

حضور نظام کی حکومت کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے انکی جسمانی آسایش حاصل کرنے کی کوئی مثال ملتی ہو یا کبھی انہوں نے موسم کی سختی سے بچنے کے لئے کبھی باہر سفر کیا ہو۔ خواجہ حسن نظامی۔ عادل ۲۳ فروری ۱۹۳۳ء

اسلامی سادگی کا دلپذیر نمونہ

(مسٹر ریحیم اے غنی ایم اے ایل ایل بی بیرسٹر ایٹ لا لاہور کی نظر سے)

میں حضور رئیس صاحب بہادر ریاست خیرپور (سندھ) کی شادی کے سلسلے میں حال ہی میں حیدرآباد دکن گیا تھا۔ چونکہ ممدوح کی شادی نواب معین الدولہ صاحب بہادر والی پائیگاہ اول کے ہاں ہوئی ہے۔ جو اعلیٰحضرت حضور نظام کے نہ صرف نہایت نزدیکی رشتہ دار ہیں بلکہ سلطنت دکن میں سب سے بڑی پائیگاہ کے مالک ہیں۔ اس لئے مجھے اعلیٰحضرت حضور نظام کو اچھی طرح دیکھنے کی عزت نصیب ہوئی۔ علاوہ دیگر باتوں کے یہاں میں صرف اعلیٰحضرت ممدوح کی کمال سادگی کو مختصراً بیان کرنے پر اکتفا کرونگا تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام خلیفہ عمرؓ کے خصائل کے بادشاہ اب بھی پیدا کر سکتا ہے۔

بلدہ حیدرآباد جب میں حیدرآباد پہنچا تو میں اس کی وسعت حسن انتظام سڑکوں کی عمدگی و صفائی پولیس کی تہذیب۔ عام افسروں کا خلق۔ شہر کی سربفلک عمارتیں۔ عام باشندوں کی آسودگی بازاروں کی چہل پہل۔ سائیکلوں اور موٹروں کی بھرمار کو دیکھکر حیران رہ گیا۔ قدرتی طور پر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس عالی دماغ حکمران کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھوں جس کے حسن انتظام۔ وسیع النظری اور معدلت گستری کی بدولت حیدرآباد نے چند ہی سال میں اسقدر حیرت انگیز ترقی کی ہے۔

رونق افروزی کا وعدہ میری مایوسی کی حد نہ رہی جب نواب معین الدولہ بہادر کے پرائیویٹ سکرٹری میجر علی رضا صاحب نے یہ بتایا کہ اعلیٰحضرت حضور نظام شادی میں شامل نہیں ہو سکیں گے کیونکہ حضور ممدوح علاقہ بیدر کے دورہ پر جا رہے ہیں۔ میرے زور دینے پر ہز ہائی نس نواب خیرپور بہادر و خود نواب معین الدولہ بہادر کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے اعلیٰحضرت نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے شادی کی رونق کو دوبالا کرنے کا وعدہ فرما ہی لیا۔

میں نواب معین الدولہ بہادر کے عالی شان شاہی مہمان خانہ "بشیر باغ" میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا حیدرآباد پر ایک مضمون لکھ رہا تھا کہ "خانہ باغ" سے ٹیلیفون آیا کہ سب مہمان جلد وہاں پہنچ جائیں۔ اعلیٰحضرت رونق افروز ہوں گے۔ میں جھٹ پٹ تیار ہو گیا۔ اپنے دوست

پر آتے ہوں مثلاً جناب قونصل جنرل افغانستان آنریبل سر غلام حسین ہدایت اللہ ڈاکٹر ضیاء الدین ایم۔ ایل۔ اے۔ خواجہ حسن نظامی مولانا شوکت علی میجر غلام علی ٹالپور مسٹر فاروقی انجینئر کے ہمراہ موٹر سے خانہ باغ پہنچا۔

والدہ محترمہ کی خدمت

جاتے ہی میں نے دریافت کیا کہ اعلیٰ حضرت سرکار عالی کس وقت تشریف فرما ہونگے۔ مجھے بتایا گیا کہ حضور ممدوح ہر روز بلا ناغہ چار بجے اپنے دفتر کے کام سے فارغ ہو کر ساڑھے چار بجے حضور بیگم صاحبہ عالیہ (والدہ اعلیٰحضرت) کے پاس تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں ایک گھنٹہ برابر ان کی حضوری میں رہتے ہیں۔ اپنے دست مبارک سے ان کے پاؤں دباتے ہیں۔ اور ہر قسم کی خدمت بجا لاتے ہیں اس لحاظ سے حضور ممدوح کوئی ساڑھے پانچ بجے تشریف فرما ہوں گے۔

حضور کی سادگی پسندی

اسی اثناء میں میں نے دیکھا کہ خانہ باغ کے بڑے کمرہ سے کوچ اور غالیچے اٹھائے جا رہے ہیں۔ میں سمجھا کہ چونکہ حضور اعلیٰحضرت اس کمرہ میں تشریف فرما ہونگے اس لئے معمولی کوچ اور غالیچے نکالے جا رہے ہیں۔ اور معلوم نہیں کس کس قسم کے سنہری روپہلی کوچ اور کس کس قسم کے اعلیٰ زربفتی غالیچے بچھائے جائیں گے۔ مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انکا کوچوں اور غالیچوں کے بجائے نہایت معمولی کوچ اور غالیچے بچھائے جائیں گے کیونکہ اعلیٰحضرت اس قسم کے عمدہ کاوچوں اور غالیچوں کے استعمال کو پسند نہیں فرماتے اور اسے فضول خرچی سمجھتے ہیں۔

سواری مبارک کا ورود

کوئی ساڑھے پانچ بجے ہم دروازہ پر بغرض استقبال کھڑے ہو گئے پولیس کی سیٹیوں کے درمیان ایک نہایت ہی معمولی موٹر بہت تیز رفتار سے برآمد ہوئی۔ موٹر ۱۹۲۸ء ماڈل والی شورلیٹ تھی جس کا پالش اڑا ہوا تھا۔ اور پوشش پھٹی ہوئی تھی۔ پرانی ہونے کے باعث بہت شور کرتی تھی۔ یہی اعلیٰ حضرت سرکار عالی ہز اگزالٹڈ ہائی نس بادشاہ دکن کی موٹر تھی جس میں حضور بذات خود نوجوان ڈرائیور کے پاس

بیٹھے ہوئے تھے۔ اور بیچ میں حضور کی تین صاحبزادیاں بغیر نقاب ساڑھیاں باندھے تشریف فرما تھیں۔ پولیس کے ایک اعلیٰ افسر نے موٹر کا دروازہ کھولا۔ جونہی حضور سرکار عالی مع شہزادیوں کے موٹر سے نیچے اترے فرشی سلاموں کا تانتا بندھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کے دہنے ہاتھوں میں کوئی بجلی کی لہر دوڑ رہی ہے۔ جو مشین کی طرح سے بار بار اوپر نیچے اٹھتے ہیں۔ میں نے بھی فرشی سلام کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مجھ پنجابی کے ہاتھ میں وہ لچک کہاں جو فرشی سلام کے لئے ضروری ہے۔

حضور کا حلیہ و لباس حضور عالی کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ بادشاہوں کی وہ تصویر جو ہمارے تخیل میں ہر وقت رہتی ہے۔ بالکل مفقود ہو گئی۔ اور اپنے سامنے تخیل نے ایک نہایت ہی معمولی انسان کو نہایت ہی معمولی کپڑے پہنے ہوئے دیکھا اسی وقت مجھے حضرت عمرؓ یاد آ گئے۔ اور فتح شام کا واقعہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ حضور ممدوح تقریباً مجھ جیسے ہی دبلے پتلے ہیں۔ بشرہ سے مجھ جیسے ہی منحنی سے معلوم ہوتے ہیں حضور ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر اس کا پھندنہ ندارد۔ ٹوپی کے اوپر پھندنے والی ٹلی پر کو اٹھی ہوئی تھی۔ ٹوپی نہایت پرانی اور میلی تھی حضور سرکار عالی عینک لگاتے ہیں مگر نہایت معمولی اسکا قیمت زیادہ سے زیادہ آٹھ آنے یا بارہ آنے کا ہوگا۔ شیروانی پہن رکھی تھی جس کے اوپر کے بٹن کھلے تھے۔ اندر سے قمیص صاف دکھائی دیتی تھی کہ کھدر کی ہے۔ شیروانی نہایت معمولی کپڑے کی تھی۔ حضور جو سیدھا پاجامہ زیب تن کئے ہوئے تھے۔ وہ دیسی لٹھے کا معلوم ہوتا تھا جو حیدر آباد میں روپے کا تین یا چار گز بکتا ہے اس کا پائنچا میرے رات کے پہننے والے پاجامہ سے بھی چھوٹا تھا۔ پاؤں میں بغیر ایڑی کے سادہ جوتا تھا۔ جو عام طور پر مرہٹے گھروں میں پہنتے ہیں۔ پاؤں میں کالی دیسی جرابیں تھیں۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ چونکہ شادی کا موقع ہے۔ اس لئے جرابیں پہن کر تشریف لائے ہیں۔ ورنہ عام طور پر جرابیں نہیں پہنتے ہاتھ میں ایک نہایت معمولی سی چھڑی تھی۔ میں نے حضور ممدوح کے لباس مع عینک، جوتا چھڑی کی قیمت دس روپے لگائی تھی۔ مگر حیدر آباد والے میرے کہنے کو بہت

زیادہ خیال کرتے تھے۔

شہزادیاں بلند اقبال تینوں شہزادیاں اس روز باصرار نئی ساڑھیاں پہن کر آئی تھیں کیونکہ وہ ایک شاہی برات میں شامل ہونے کے لیے تشریف لائی تھیں۔ یہ ساڑھیاں حیدرآبادی ساخت کی تھیں۔ اور انکا کپڑا امرتسر کی دریائی سے بہت ملتا جلتا تھا۔ ان پر کوئی نقش و نگار نہ تھا۔ بالکل سادہ تھیں۔ شہزادیوں نے کوئی زیور بھی نہیں پہن رکھا تھا بازو ڈھکے ہوئے تھے۔ اور جوتیاں نہایت معمولی تینوں شہزادیاں نوجوان تھیں۔ اگرچہ بے نقاب تھیں لیکن کیا مجال کہ نظریں اونچی ہو جائیں وہ عفت و شرافت کی مجسمہ تھیں اور انکی سادگی دل میں جذبۂ عزت و توقیر پیدا کر رہی تھی۔

مہاراجہ صاحب کی باریابی حضور سرکار عالی نے ایک معمولی سے کوچ پر جلوہ افروز ہوتے ہی سب حاضرین کو ایک نظر سے دیکھا۔ ہز ایکسلینسی راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر یا تھا ہم وزیر اعظم پیشکار حضور شاہ دکن وہ تین کاؤچوں کے فاصلہ پر میرے پاس تشریف فرما تھے۔ حضور سرکار عالی نے بلند آواز سے فرمایا "مہاراج"۔

اس پر ہز ایکسلینسی مہاراجہ صاحب بہادر فوراً بصد تعظیم اٹھے۔ اور ہاتھ جوڑے ہوئے آگے بڑھے۔ حضور سرکار عالی سے کوئی تین گز کے فاصلہ پر کھڑے ہو کر رکوع میں جا کر سات دفعہ کورنش بجالائے۔ اور ہاتھ جوڑے پیچھے کو ہٹ کر نہایت ادب کے ساتھ دبک کر سفیر صاحب کابل اور جناب خواجہ حسن نظامی کے درمیان سامنے ایک کوچ پر بیٹھ گئے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں بولے۔

آداب شاہنشاہی ان کے علاوہ وہاں بڑے بڑے امرا و وزرا و دیگر عمائدین سلطنت موجود تھے۔ مگر حضور سرکار عالی کی موجودگی میں ان کے دم خشک ہو رہے تھے۔ ان کے چہروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ ان پر حضور سرکار عالی کے دبدبۂ سکندری کا رعب طاری ہو رہا ہے۔ گذشتہ زمانوں کے بادشاہوں کے رعب کا حال کتابوں میں میں نے بہت کچھ پڑھا ہے۔ لیکن

اس روز میں نے شاہی رعب و جلال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ایک پتلا دبلا شخص نہایت معمولی لباس میں اور اس کا یہ رعب کہ در و دیوار بھی سہمے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

حضور سرکار عالی کی آواز بلند ہے۔ جو بات بھی کرتے ہیں۔ نہایت بلند آواز سے کرتے ہیں تو سننے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ کر رہے ہیں۔

صرف چائے | نہر ہائینس میر صاحب خیرپور نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ سرکار عالی چائے تیار ہے زور سے فرمایا "ہاں" "لاؤ"۔ میں سمجھا کہ شاداب سونے کی طشتریوں اور چاندی کی پیالیوں میں چائے آئیگی۔ اور معلوم نہیں کس قسم کی اعلیٰ ٹرے میں چائے لگ کر پیش حضور ہوگی۔ مگر تین چار منٹ کے بعد ایک معمولی خانساماں معمولی چینی کی چائے دانی میں چائے لگا کر حاضر ہوا۔ اور حضور سرکار عالی کے آگے رکھ کر واپس چلا گیا۔ چائے کا کل سامان حیدرآباد کی ساخت کا تھا۔ اور نہایت معمولی حضور سرکار عالی نے ذرا آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے خود ہی اپنے لئے چائے بنائی اور روٹی اور مکھن کے دو یا تین ٹکڑے اٹھا کر اپنی چائے والی طشتری میں ایک طرف رکھ لیے طشتری کو بائیں ہاتھ میں پکڑا اور دائیں ہاتھ سے چائے پینی شروع کی۔ میرے لئے یہ نظارہ نہایت ہی تعجب انگیز تھا۔ بھلا جو شخص میر صاحب خیرپور کے زمانہ عروج میں ان کا ایک مقرب ملازم بحیثیت مشیر قانونی رہ چکا ہو اور جس نے چیمبر آف پرنسس کی پر تکلف اور عالیشان شاہی دعوتیں کھائی ہوں اور جو گورنروں اور وائسرائوں کی دعوتوں میں شامل رہا ہو۔ اس کے لئے ہندوستان کے سب سے بڑے والی ریاست اور دنیا کے سب سے بڑے دولت مند شخص کا اس طرح سے چائے پینا تعجب خیز کیوں نہ ہوتا۔

سودیشی کی عملی حمایت | حضور سرکار سودیشی کے پکے حامی ہیں۔ اور اس بارے میں مہاتما گاندھی سے بھی دو قدم آگے ہیں۔ ولایتی اشیاء کو تو چھوتے تک نہیں۔ اول تو حیدرآبادی ساخت کی اشیاء کے استعمال پر بہت زور دیتے ہیں۔ اگر کوئی نہ مل سکے تو ہندوستانی ساخت کی اشیاء استعمال کرتے ہیں۔ حضور حیدرآبادی ساخت چار مینار مارکہ سگریٹ پیتے ہیں جس کی ایک ڈبیا تین پیسے

میں آجاتی ہے۔ گورنمنٹ سوپ فیکٹری کا صابن استعمال کرتے ہیں۔ صبح کو اٹھ کر اپنے بچوں کو
غسل خانے میں خود لیجاتے ہیں۔ پہلے اپنے ہاتھوں پر صابن ملتے ہیں۔ پھر جھاگ بچوں کے ہاتھ پر
مل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خوب زور سے ہاتھ ملو۔

کفایت شعاری کی انتہا حضور اپنی ڈاک کو اپنے ہاتھ سے کھولتے ہیں اور ہر خط کا جواب
اسی وقت مختصراً پنسل سے اسی خط پر لکھ دیتے ہیں۔ پھر اس کے مطابق انکا پرائیوٹ سکریٹری
سب کو باقاعدہ جواب لکھ دیتا ہے۔ آمدہ خطوط کے لفافوں کو حفاظت سے رکھتے ہیں۔ پھر لفافوں
کو پہلوؤں سے کاٹ کر ان کی پشت کو لکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بڑے بڑے فرمان شاہی
ان لفافوں کی پشت پر ہی پنسل سے تحریر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دیا سلائی کی ڈبیوں کی اندرونی
سطح پر فرمان شاہی جاری ہوتے ہیں۔ یہ حضور سرکار عالی کی کفایت شعاری اور کمال سادگی
کی مثالیں ہیں۔ بعض لوگ حضور کی ان باتوں کو خست اور جنون پر محمول کرتے ہیں۔ مگر جب ہم
یہ دیکھتے ہیں کہ پبلک کے کاموں میں حضور لاکھوں روپے صرف کر دیتے ہیں تو بلا تامل یہ کہنا
پڑتا ہے کہ حضور سرکار عالی اپنی ریاست کی کل آمدنی کو ایک امانت سمجھتے ہیں اور اپنی ذات پر اشد ضرورت
سے زیادہ خرچ کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اور عام لوگوں کے لیے ایک مثال قائم کرتے ہیں۔ یہ تمام
باتیں دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضور سرکار عالی موجودہ زمانے میں فاروقی سادگی کی زندہ مثال ہیں

سوشلسٹ بھی قائل ہو گیا حضور ممدوح کی اس قدر سادہ زندگی کو دیکھ کر مجھ جیسا عامی فرد ورکن
اور کسی حد تک اشتراکیت کے خیالات رکھنے والا سوشلسٹ بھی انکا دل سے گرویدہ ہو گیا میں سمجھتا
ہوں کہ اگر دنیا کے تمام بادشاہ حضور نظام کے نقش قدم پر چلیں۔ اور خدمت خلق کو اپنا مطمح زندگی
بنائیں تو پھر وہی اشتراکیت کی ضرورت دنیا کو ہرگز ہرگز نہ رہے گی"

اعلیٰ حضرت کی رواداری

بعض لوگوں نے رواداری کی ایسی تعریف کی ہے اور ایسے رنگ میں پیش کرنا چاہا ہے
کہ رواداری اپنے مرکز سے نکل کر ایک قسم کا عیب بن جاتی ہے اور بجائے اخلاق فاضلہ کے

وہ رذایل کی ذیل میں داخل ہوجاتی ہے۔ رواداری کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ انسان اپنے معتقدات کو چھوڑ کر دوسروں کو صرف خوش کرنے کے لئے اخلاقی کمزوری کا اظہار کرے۔ رواداری کا حقیقی اور صحیح مقام یہ ہے کہ انسان اپنے معتقدات کو بجائے خود قائم رکھ کر دوسروں کے جذبات اور احساسات کا احترام کرے

مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے جب کسی مسلمان بادشاہ پر عدم رواداری یا بے جا تعصب کا الزام لگا کر اسے بدنام کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ میں اپنے نقطہ خیال سے ہر شخص کو اپنے عقیدہ اور مذہب کے لئے متعصب ہونے کا قایل ہوں اور اس سے مراد صرف اپنے مذہب کی تعلیم اور ہدایت کی پابندی اور اسکی جایز اور مسلمہ عظمت کا عملی اعتراف ہے اس سے یہ مطلب کبھی نہیں کہ دوسروں کو نقصان پہونچایا جاوے تعصب کی اس تعریف کا تو اسلام قایل ہی نہیں وہ اس قسم کی ہدایت ہی نہیں دیتا اسنے تو مخلوق اللہ کی بھلائی اور شفقت کو ایمان کا جزو اعظم قرار دیا ہے۔ بہر حال میں اس بحث میں دور جانا نہیں چاہتا بلکہ اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخاں کی بے تعصبی اور رواداری کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اسکی سیرۃ کا ایک نمایاں پہلو ہے۔

اعلیٰحضرت بہ حیثیت ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے اسے اپنے فرائض میں داخل سمجھتے ہیں اور اسے اپنے اسلام کی تکمیل کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہیں کہ

بلا امتیاز مذہب و ملت وہ خدا کی مخلوق کی بہی خواہی کریں

اور بہ حیثیت بادشاہ بھی وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جب رعایا کے مطالبات رعایا کی ضروریات اسکی ترقی اسکے تنازعات میں عدل و انصاف کا سوال آئے تو باوجود مسلمان ہونے کے

وہ رعایا کو ہندو مسلمان کے نقطہ خیال سے اوپر جاکر دیکھیں

اور آپ ہی کی نظر میں ہندو مسلمان کا تفرقہ بالکل مٹ جاتا ہے اور ایسا مٹ جاتا ہے کہ آپ اس تفرقہ کو سننا بھی پسند نہیں کرتے۔

بعض فتنہ پرداز لوگوں نے جو ہندو مسلم سوال ہر جگہ پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے

ہیں اور ان خود غرض ہستیوں نے جو مسلمان ریاستوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا اپنا فرض سمجھتے
ہیں بہار، کشمیر اور پنجاب کے اخبارات میں حیدرآباد کے خلاف مختلف رنگوں میں خطرناک پروپیگنڈہ
کیا کہ ہندوؤں کی حالت حیدرآباد میں کس مپرسی کی حالت ہے اور ہندوؤں کو اپنے مذہبی مراسم
کے ادا کرنے میں مختلف قسم کی دقتیں پیش آتی ہیں اس قسم کا ذلیل بے بنیاد پروپیگنڈہ شریف
اور متین پبلک نے اور خصوصاً حیدرآباد کی ہندو رعایا نے نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا اول تو
حیدرآباد میں کثرت اچھوتوں کی ہے جو اپنے آپ کو ہندو یقین نہیں کرتے دوسرے ہندوؤں کو وہ
مراعات حاصل ہیں کہ مسلمانوں کو بھی نہیں حیدرآباد کے جلیل القدر سناتن دھرمی مہنتوں نے
اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور باہر سے آئے ہوئے ہندو لیڈروں نے واقعات اور حالات کا مطالعہ
کر کے حقیقت کا اظہار کیا ہے میں ایسی شہادتوں سے اعلیحضرت سلطان دکن کی
رواداری کا اظہار کروں گا

ایک عینی مشاہد کا بیان | لکھنؤ سے ایک مشہور اخبار اورنیٹ نکلا کرتا تھا جسکے ایڈیٹر کو اعلیحضرت
کی ذات اور دولت آصفیہ سے کمال محبت اور عقیدت ہے۔ اسنے اپنی ۵ / دسمبر ۱۹۲۸ء کی
کی اشاعت میں اعلیٰحضرت سے اپنی ملاقات کا ایک ذکر لکھا ہے جس سے یہ صداقت کھل
جاتی ہے کہ اعلیحضرت اپنی رعایا کے متعلق کس قسم کے جذبات رکھتے ہیں معاصر مذکور لکھتا ہے کہ

دہلی میں جب اسے شرف باریابی عطا ہوا تو اثنائے گفتگو میں اسنے عرض
کیا حضور کی ریاست میں ہندو زیادہ ہیں۔ یہ سنکر اعلیحضرت نے فرمایا کہ
مجھکو اس مذہبی امتیاز کی گفتگو سے سخت نفرت ہے میرے لئے رعایا میں نہ
کوئی ہندو ہے نہ مسلمان ہے ہندو اور مسلمان دونوں میرے بچے ہیں مجھکو
ان سے الفت ہے اور مجھ کو ان پر فخر ہے میری دلی تمنا ہے کہ میں اپنی رعایا
کو ترقی کرتے دیکھوں اسی خیال سے میں نے عام طور پر سکولوں کے اجرا اور تعلیم کو عام
کرنے میں خاص توجہ کی ہے میرے ہاں گذشتہ دس سال میں تعلیم میں دگنی ترقی ہوئی ہے میری

عایا رنے تعلیم میں بہت ترقی کی ہے۔

"مجھے اس روز بڑا فخر ہوگا جب میری رعایا حکومت خود اختیاری کے قابل ہوجائیگی۔ میں اپنی رعایاء کی ترقی کے لیئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذمہ دار اور جوابدہ ہوں۔ میں اگر اپنی اس ودیعت کو کما حقہ ادا کرسکوں گا تب ہی اللہ تعالیٰ کے روبرو سرخرو ہوسکتا ہوں"۔

اعلیحضرت کا یہ ارشاد ایک تخلیہ کی مجلس کا ہے جہاں آپ ایک ایسے مسلمان سے آپ مصروف گفتگو تھے جو آپ سے بیحد ارادت اور عقیدت رکھتا ہے اور خاندان آصفی کے ساتھ اسے پرانی عقیدت اور وفاداری کی سچی محبت حاصل ہے۔ اسکے متعلق یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ اگر صاف طور پر کوئی بات اس سے کی جائیگی اور وہ کسی حیثیت سے دولت آصفیہ کے مفاد کے خلاف ہو تو وہ اسکو افشا کردیگا۔ رازدارانہ بات ہوسکتی تھی مگر اعلیحضرت نے اپنے جذبات اور تاثرات کا جو وہ رعایا کے متعلق رکھتے ہیں صاف اور کھلے الفاظ میں اظہار کردیا اور سب سے عجیب اور قابل غور بات جو اس ارشاد عثمانی میں ہے وہ یہ ہے کہ

آپ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حضور ذمہ دار یقین کرتے ہیں

اور اس احساس شریف کو مدنظر رکھ کر فرائض حکمرانی کو ادا کررہے ہیں اور یہی وہ روح ہے جو انسان کو ہر قسم کی نیکیوں کی تحریک دلاتی ہے اور انصاف اور عدالت کے مقام معروف پر ممتاز کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف اور اوسکے حضور سرخرو ہونے کی تمنا ہی ایک زبردست محرک صحیح اور حقیقی رواداری کا ہوسکتا ہے۔

اپنی رعایا پر فخر | اعلیحضرت نے ایک مرتبہ نہیں متعدد تقریبوں پر اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ میں اپنی رعایا پر فخر کرتا ہوں چنانچہ سنہ ۱۹۳۳ء میں آپ نے جالنہ اورنگ آباد وغیرہ کا جو دورہ کیا اور مختلف مقامات پر آپ کی رعایاء نے سپاسنامہ پیش کیئے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ

"جس طرح تمہیں مجھ پر فخر ہے میں بھی اس پر فخر کرتا ہوں کہ مجھے ایسی وفادار اور اطاعت کیش اور عقیدت مند رعایا ملی ہے۔ اضلاع کے دورہ میں یہ امر ہمیشہ میرے پیش نظر رہتا ہے کہ وہاں کے حالات بچشم خود معائنہ کروں اور رعایا کی تکالیف اور ضروریات کو معلوم کروں۔ میں اپنی عزیز رعایا کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہوں اور میں رعایا کی آسائش کو ہر چیز پر مقدم کرتا ہوں۔"

سلطان دکن سے ہندوؤں کی عقیدت

ریاست حیدرآباد کے ہندوؤں کو اپنے بادشاہ سے جو عقیدت اور محبت ہے وہ واقعات اور حقائق پر مبنی ہے ریاست حیدرآباد کے ہندو ان احسانات کو جانتے اور محسوس کرتے ہیں جو دولت آصفیہ نے ہمیشہ اپنی رعایا کے اس طبقہ پر کیے ہیں ۱۹۳۲ء کے وسط میں حیدرآباد کے سربرآوردہ مہنتوں اور سناتنی رہنماؤں نے ۱۶ لیڈروں کا ایک وفد نواب مہدی یار جنگ بہادر وزیر سیاسیات کے پاس بھیجا ان کے سپاسنامہ سے ظاہر ہے جس کو میں مع اس کے جواب کے درج کرتا ہوں۔

سربرآوردہ مہنتوں اور سناتنی رہنماؤں کا سپاسنامہ

اعلیٰحضرت ہم سناتن وشنو دھرم اور آدھ وشن مہنت مٹ بیراگیوں کے مذہبی پیشوا حضور عالی کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمیں کسی ایسی سیاسی تحریک سے کسی قسم کا تعلق نہیں جو ریاست کے وقار کے خلاف ہو۔ بلکہ ہم تو اس قسم کی تحریکوں کو جو ملک کے امن وامان اور عام خوشحالی اور ریاست کی ترقی کے منافی ہوں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہمارا کام تو صرف خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور بس۔ اور ہم لوگوں میں صرف اسی عقیدہ کی اشاعت کرتے ہیں۔

السلطان ظل اللہ

ہمارے دلوں میں اپنے حکمران کے لیے بے حد عقیدت اور محبت ہے کیونکہ کرشن جی مہاراج نے

اپنی مقدس کتاب بھگوت گیتا میں فرمایا ہے۔

"اے انسانو! اگر تم انسان کی صورت میں ایشور درشن کرنا چاہتے ہو تو اپنے حکمران کی شکل کو دیکھو"!

اعلیحضرت! تمام دنیا میں شاہ پرستی کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی اور ہم حکومت کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کے خلاف ہیں جو ریاست میں بدنظمی پھیلانے کے ناپاک ارادے رکھتے ہیں ہم ہمیشہ اپنے عالی قدر حکمران کا ساتھ دیں گے۔ ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ ایک عام اعلان کے ذریعہ ہمارے جلسوں اور دیگر مشاغل پر سے پابندیاں دور کر دی جائیں۔ کیونکہ ہماری جماعت بالکل مذہبی حیثیت رکھتی ہے اور ہم وفادار اور امن پسند لوگ ہیں اور ہمارے جلسوں اور لیکچروں کا موضوع خالص مذہبی ہوتا ہے اس لئے اگر ان پر کسی قسم کی پابندیاں عائد کی جائیں تو وہ ریاست کے لئے بھی مفید ثابت نہیں ہونگی۔

مندروں کو سرکاری امداد

ہمارے مندروں اور عبادت گاہوں کے لئے ریاست کی طرف سے جاگیریں عطا کی گئی ہیں اور اچھا سلوک کیا گیا ہے اس کے لئے ہم حکومت کے بیحد شکر گذار ہیں۔ لیکن ہم نہایت ادب سے درخواست کرتے ہیں کہ ایسے مندر جو ان مراعات سے محروم ہیں ان کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک ہونا چاہیئے ہم سری کرشن اور رام کے ماننے والے ہیں۔ ہماری اکثریت ہے اور ہماری تعداد کئی لاکھ پر مشتمل ہے لیکن اب بعض نئے فرقے پیدا ہو رہے ہیں جو ان کی توہین کرتے ہیں اور ہمارے جذبات کو مجروح کرتے ہیں اس لئے ہم نہایت زور کے ساتھ حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ اس قسم کے لوگوں کے خلاف ہمیں قانونی محافظت حاصل ہونی چاہیئے۔

والہانہ عقیدت

ہمیں اعلیحضرت کے ساتھ ملاقات کر کے بیحد مسرت اور شرف حاصل ہوا ہے ہمیں یقین ہے کہ حکومت کے ساتھ ہمارے وفا کیشانہ تعلقات اس طرح مضبوط رہیں گے۔

جس طرح اس وقت ہیں ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمارے مخلصانہ جذبات کو ہمارے عالی قدر فرمانروا تک پہنچا دیں گے۔ آخر میں ہم تمام اپنے جلیل القدر حکمران کی ترقی اقبال کے لئے خلوص دل سے دعا کرتے ہیں۔

محضر کا جواب

وفد کے ارکان کو پولٹیکل ممبر کی طرف سے حسب ذیل جواب دیا گیا:۔

"میں آپ حضرات سے ملاقات کر کے بیحد خوش ہوا ہوں آپکو رعایا کے ایک بہت بڑے طبقہ کی مذہبی پیشوائی اور قیادت کا شرف حاصل ہے جس طرح ہمارے دل میں اپنے مذہبی پیشواؤں کی عزت اور قدر ہے۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کے مذہبی مقتدا ہماری نظروں میں عزت کے مستحق ہوتے ہیں"

لہذا میں آپ کا مخلصانہ استقبال کرتا ہوں آپ کا یہ اعلان کہ آپ کا کسی ایسی سیاسی تحریک سے کوئی تعلق نہیں جو مفاد سلطنت کے منافی اور لوگوں کی عام فلاح و بہبود کے خلاف ہو مورد صد ہزار مبارکباد ہے۔ اس لئے کہ ایک اتنے بڑے طبقہ کی وفادارانہ اور عقیدت مندانہ وابستگی راعی و رعایا کے لئے اطمینان کا باعث ہے۔ ایسی رعایا کا وجود سلطنت کے لئے باعث افتخار ہے۔ سری کشن جی کے جن ملفوظات کا آپ نے حوالہ دیا ہے کہ کسی سلطنت کا تاجدار دیوتاؤں کا اوتار ہوتا ہے یہ آپ کی انتہائی وابستگی کی دلیل ہے۔

تاجدار سے وابستگی

یہ اظہار عقیدت بھی ایک خوش آئندہ مستقبل کی علامت ہے۔ اس لئے کہ ہر جماعت کا مرکز تاجدار سلطنت ہی ہوا کرتا ہے۔ اور دنیا کی ہر رعایا اپنے بادشاہ کے ساتھ وفاکیشانہ لزوم سے ہی مضبوط و مستحکم رہ سکتی ہے۔ وہ انتشار سے محفوظ رہے گی۔ یہی اصول بعض دیگر اقوام میں بھی نافذ ہیں۔ جاپان میں اس کی نمایاں مثال نظر آتی ہے۔ جہاں رعایا کا ہر فرد اپنے بادشاہ کی محبت کا سرمایہ دار ہے۔ اسی طرح انگریزی رعایا اپنے بادشاہ کی ارادت مندی فرائض ادا

کرنے میں مصروف ہے۔ ہم فرزندان توحید کے لئے یہ حکم نازل ہوا ہے کہ "تمہیں خدا" اس کے رسول اور ان برگزیدہ شخصیتوں کی متابعت کرنی چاہئے جو اولی الامر ہوں" تحریک آزادی کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ باامن لوگوں کے لئے کسی قسم کی پابندی نہیں ہونی چاہئے اگر آپ کو کسی خاص شعبہ میں زحمت گوارا کرنی پڑی ہو تو میں خندہ پیشانی سے اسے سننے کے لئے تیار ہوں اور اگر ضرورت پڑے تو ہر ممکن اصلاح کی جائیگی۔

طوطی ہند پنڈت راج نرائن دہلوی کے تاثرات

پنڈت راج نرائن دہلوی شمالی ہند کے ایک مشہور و معروف اخبار نویس اور سناتن دہرم کے ایک ممتاز و مسلمہ رہنما ہیں پنڈت راج نرائن صاحب حیدرآباد کی سناتن دہرم سبھا کے دوسرے سالانہ جلسہ پر اپدیش دینے کے لئے بلائے گئے تھے اسی جلسہ میں اونہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

جب میں حیدرآباد کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔ تو اخباروں کی اطلاعات کی بنا پر میرا خیال تھا کہ ریاست حیدرآباد میں مندروں کی حالت قابل اعتراض ہے اور ہندوؤں کے مندروں کی طرف حکومت کی متعلق کوئی توجہ نہیں۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ حیدرآباد پہنچکر حکومت سرکار عالی کی توجہ مندروں کیطرف مبذول کراؤں لیکن یہاں آکر جب ہر عنوان سے تحقیقات کی تو یہ معلوم کر کے بیحد مسرت ہوئی کہ (ہندو) اخبارات کا بیان سراسر گمراہ کن اور جانبداری پر مبنی تھا۔ یہاں کے تمام مندروں اور معبدوں کو حکومت سرکار عالی کی طرف سے مالی امداد کافی مل رہی ہے اور مسلم معابد کی نسبت ہندوؤں کے مندر تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔

یہ پنڈت ارجان صاحب کے سرسری معائنہ کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ خود کہتے ہیں کہ "میں نے ہر عنوان سے تحقیقات کی" اور مندرجہ بالا بیان اسی تحقیقات کا نتیجہ ہے اس کے علاوہ پنڈت جی نے

یہ بھی فرمایا کہ "میں نے بہت سے ہندو ریاستوں کا دورہ بھی کیا ہے۔ ہندو راجا میرے دوست بھی ہیں لیکن ان کے ہاں میں نے حیدرآباد دکن کی طرح سارے مندروں کو امداد ملتے ہوئے نہیں دیکھا"

یہ اس شخص کی رائے ہے جو ایک مشہور سناتن دھرمی لیڈر ہے اور مورتی پوجا وغیرہ کا زبردست حامی ہے اس کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس قدر نازک مذہبی مسئلہ میں کسی مصلحت سے ضمیر فروشی کریگا۔ وہ صاف کہتا ہے کہ قلمرو دکن میں ہندوؤں کے مندروں کو باقاعدہ امداد ملتی ہے۔ ہندو سبھائیوں کا مخالفانہ پروپیگنڈہ بالکل بے بنیاد ہے اور کسی ہندو ریاست میں بھی مندروں کو اس قدر امداد نہیں ملتی جس قدر اعلیحضرت کی مملکت میں مل رہی ہے۔

رواداری کی انتہائی شان گاؤکشی کی ممانعت کا فرمان

اعلیحضرت سلطان العلوم کی رواداری اور غیر متعصبی کی عملی مثالوں میں سب سے نمایاں

امتناع گاؤکشی کا فرمان ہے

دنیا کی کوئی حکومت کسی قوم کے مذہبی مراسم اور ان کے اکل و شرب کے امور میں مداخلت کرنا پسند نہیں کرتی خواہ وہ کسی ایک یا دوسری قوم کے جذبات یا عقائد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اسلئے کہ آزادی ضمیر اور آزادی مذہب ایک منصف و عادل حکومت کے فرائض منصبی میں داخل ہے لیکن جہاں بادشاہ کو اپنی رعایا کے اس فریق کے اخلاص و وفاداری پر اتنا اعتماد ہو کہ وہ دوسری کسی قوم کے جذبات کے احترام یا دلداری کے لئے قربانی کر سکتی ہے وہاں بشرطیکہ بادشاہ خود بھی انہیں جذبات کا بیکر ہو وہ اس قسم کی رواداری کا عملی اظہار کر سکتا ہے چنانچہ اعلیحضرت سلطان العلوم نے ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ کو

امتناع گاؤکشی کے متعلق حسب ذیل فرمان جاری کیا

چونکہ بقر عید کا زمانہ بہت قریب ہے اسلئے مناسب ہوگا کہ بذریعہ جریدہ غیر معمولی اس امر کا

اعلان ممالک محروسہ سرکار عالی میں کرادیا جائے کہ آئندہ سے بجز بکرے کے گائے یا اونٹ کی قربانی نہ کی جائے بلکہ اسے ممنوع قرار دیا جائے نہ کہ اس وجہ سے کہ ہمارے مذہب میں ناجائز ہے بلکہ اس خیال سے کہ ان ہر دو جانور کا گوشت مزیدار نہیں ہوتا اور آجکل گرانی کی وجہ سے انکی قیمت بہت گران ہے لہٰذا مناسب ہوگا کہ قبل از قبل اسکا انتظام فوری عمل میں آئے تاکہ بروقت تعویق سے کافی ہرج کار نہو۔

شرحِ دستخط اعلیٰحضرت بندگان عالی مدظلہ العالی

یہ فرمان مبارک جس مدبرانہ سپرٹ اور حکیمانہ سیاست کو لئے ہوئے ہے مجھے اسپر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں مذہب اسلام کے احترام کو بھی قائم رکھا اور اپنی ہندو رعایا کی پوری دلداری بھی اس رواداری کے ساتھ کی اور ملک کو ان تمام جھگڑوں سے جو اس قسم کی تقریبوں پر ہندوستان کی دو ممتاز قوموں میں پیدا ہوجاتے ہیں بچالیا۔

مذہبی رواداری مسٹر جانکی ناتھ کے نقطۂ خیال سے

عصر قدیم کے مولف مسٹر جانکی ناتھ نے اس خصوص میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

مغل بادشاہوں نے سب سے پہلے ہندوستان کو مذہبی رواداری سے واقف کیا شہنشاہ بابر، ہمایوں اور خصوصاً شہنشاہ اکبر اعظم کی طرز حکمرانی کا تمام دنیا کو اعتراف ہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کو مورخین کے ایک گروہ نے تعصب مذہبی کا الزام دیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ملک دکن کے مندروں اور دیہات کے پروہتوں کی جاگیریں اگرہار اور انعامات مقطوعہ جات بیشتر ایسے ہیں جن کی سند دربار اورنگ زیب عالمگیر سے عطا ہوئی ہے۔ اور ان کے داخلے ممالک محروسہ سرکار عالی کے متعلقہ دفاتر میں محفوظ ہیں۔ یہی روادارانہ رسم خاندان آصفجاہی کا آئین ہے جس کو گورنمنٹ برطانیہ نے بھی اعلان آزادی مذہب کے ذریعہ مستحکم و پختہ کردیا ہے۔

قدیم الایام سے آصفیہ سلاطین نے رعایا کی مذہبی آزادی کا ظرفت و احترام کیا ہے اور کبھی کسی مذہبی فرقہ رعایا کی ادائے مراسم مذہبی و عبادات میں خلل انداز نہیں ہوا ہے۔ بلکہ ہمارے زمانے میں

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم نے اپنی خاندانی روایات میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ آپ کے دور حکومت میں ناقوس کی جھنکار اذان کی صدا کے ساتھ سنائی دیتی ہے۔ آتشکدوں کے بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھے نہیں ہوتے پاتے گرجاؤں میں صلیبوں کے نشان بلند اور گھنٹوں کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں۔ غرض ہر فرقے کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔

بہت سے کائستھ، چھتری، برہمن، تلنگے، مرہٹے، ریڈی، شیعہ، وغیرہ آصف جاہی امراء میں داخل ہیں اور بڑی بڑی جاگیرات، سمستان اور مناصب کے مالک ہیں۔ اس فہرست میں بعض نام انگریزوں، پارسیوں، فرانسیسی نسل کے عیسائیوں اور سکھوں کے بھی ملتے ہیں جو ہماری سرکار میں پشتہا پشت سے منصب پا رہے ہیں۔

مملکت آصفیہ کی بے تعصبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم ادارات مذہبی جن میں مندر، دھرم سالے، گوشالے، جاترا، رتھوں کے جلوس، دیو کے جلوس، پروہت، نگامی برہمن بھکشا استھان، گرو کی مدد معاش، کتھا کہنے والے، گرجا، آتشکدے، گردوارے شامل ہیں۔ تعداد میں تقریباً بارہ ہزار ہیں جن کا سرکار سے تنخواہ، یومیہ، معمول، انعام، وغیرہ مقرر ہے۔ برخلاف اس کے مسلم ادارے جن میں مساجد، عاشور خانہ، درگاہیں، خانقاہیں، مذہبی مکاتب، قاضی، مفتی، پیر، وغیرہ، ہیں تعداد میں کل پونے پانچ ہزار ہیں جن کو سرکار سے تنخواہ، یومیہ، یا انعام ملتا ہے۔ علاوہ اس فیاضی کے بہت سے عظیم الشان ادارات ہیں وہ ہیں جن کو ہزاروں اور لاکھوں کے دیہات بطور جاگیر مدد معاش و اگرہار دیئے گئے ہیں۔

اکثر مہذب ملکوں میں مذہبی رواداری کے اعلان کے ساتھ غیر مذہبوں اور غیر قوموں کے درمیان ایک حد فاصل قائم رکھی جاتی ہے، چنانچہ انگلستان میں عہد ملکہ وکٹوریہ سے پہلے تک یہودی کے معنی قریب قریب ایسے ہی تھے جیسے کہ ہندوستان میں شودر اور بنیئے سمجھے ہوتے ہیں اور باوجودیکہ شودر اور بنیئے ہندوستان میں سرکاری اعلیٰ خدمات کے حصول سے بھی محروم نہیں رہے، انگلستان میں قدیم زمانے میں یہودی سرکاری خدمات اور گورنمنٹ

پارلیمنٹ کے حصول سے بالکل محروم تھے۔ الغرض یہودیوں کی محرومی اُس وقت تک قائم رہی جب تک برطانیہ عظمیٰ کی حکومت خود اپنے مذہب سے بالکل بے پروا نہیں ہوگی مگر آصف جاہی حکومت میں پہلے سے حاکم و محکوم اقوام کے درمیان کوئی مذہبی حدِ فاصل نہیں رہی باوجودیکہ شاہان آصفیہ اپنے مذاہب کے پابند رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت بندگانعالی نے خاندانی روایات رواداری سے چند قدم آگے بڑھ کر اپنی رعایاء کی دل جوئی فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ جب کئی برس تک ہندوستان کے گاؤکشی کے فسادات سے وہاں کی رعایا، متاثر ہوتی رہی تو آپ نے ذریعہ فرمان مبارک اپنے قلمرو مملکت میں گاؤکشی کی ممانعت فرمادی۔ یہ واقعہ عہد عثمانی کی وہ مستقل یادگار رہے جو ہنود کے دلوں پر نقش ہے اور کبھی نہیں مٹے گی۔ حکومت کے ایسے ہمت افزا برتاؤ سے ہندو مسلم اتحاد کی بے مثل نظیر قائم ہوگئی ہے اور باوجودیکہ ہندو مسلم فسادات سے ہندوستان کی فضا ہمیشہ مکدر رہتی ہے۔ حیدرآباد میں رعایا کی باہمی یکجہتی کو اور استحکام ہوتا جا رہا ہے اور دکن میں سب قومیں اپنے مذاہب کی پابندی کے باوجود ایسی شیر و شکر ہیں در سب کی ایک ہی قومیت معلوم ہوتی ہے۔

اگر عیسائی مشنری پادری، مسلمانوں کے مناظر ملا اور ہندوؤں کے آریہ سماج یک قلم قدرتی طور پر گنگ ہو جائیں تو ہمارا دعویٰ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے قلمرو حکومت سے دنیوی معاملات میں معیار قوم و ملت بالکل جاتا رہے گا کیونکہ معاشرت میں اختلاط باہمی کی وجہ سے کوئی بیّن فرق نمایاں نہیں ہے۔

ہندو مسلمان سب کا بادشاہ

از مولوی مرزا امام بیگ صاحب۔ رونق قادری مدیرہ دکن نیوز و جریدہ "خلیق"

غدر سے پہلے ہندوستان میں یہ سوال کبھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا کہ ایک شخص پہلے

ہندو یا مسلمان ہے یا ہندوستانی۔ یہ پہلے اور بعد کا سوال بھولے سے بھی ذہنوں میں نہیں آسکتا تھا۔ ہر شخص اول و آخر ہندو یا مسلمان تھا اور پہلا ہندوستانی بھی اسلئے کہ مذاہب نے باوجود اپنے بہت سے اختلافات کے ایک زبان ہوکر جو تعلیم دی ہے وہ انسانیت کا عالمگیر احترام اور لا اکراہ فی الدین کا غلغلہ آمیز پیغام ہے۔ ہندو اور مسلمان خاندانوں کے اتحاد وخلوص اور محبت کے ان نظاروں کے لیے اب کبھی آنکھیں ترستی ہیں جن کے افسانے بڑے مزے لے لے کر ہمارے قدیم بزرگ فخر کے ساتھ سناتے آئے ہیں اور ایسے خاندان اس گئی گزری حالت میں بھی حیدرآباد میں کثرت سے ملیں گے جن کے گھر میں داخل ہونے کے بعد ہندو یا مسلمان کوئی بھی اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ ریاست حیدرآباد ہندوستان کے اسی قومی دور اور مذہبی رواداری کی باقیات صالحات ہے جس میں پہلے اور بعد کا کوئی خیال تک موجود نہیں تھا۔

سلطنت آصفیہ اور اس کے حکمرانی کی تاریخ ہی قومی پالیسی کی حامل رہی ہے۔ جہاں تک امور سلطنت کا تعلق ہے نہ کوئی ہندو تھا نہ مسلمان، اب بھی اس کی نظر میں رعایا رکی حد تک ہندو اور مسلمان کا فرق و امتیاز عنقا ہے۔ قوانین جیسے نافذ ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں وہ کسی خاص طبقہ اور مذہب کے تنہا فائدے اور امداد کے لیے نہیں ہوتے بلکہ ہر شخص کے لیے یکساں مفید اور قابل پابندی ہوتے ہیں۔

مملکت دکن کی تاریخ عہد عثمانی اس کی حیات جدیدہ ہے جس میں نہ صرف واحد قومیت کے تصور کو تقویت پہنچی بلکہ مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے اور مزدور کو آجر کی ستم آرائیوں سے نجات دلائی جا رہی ہے۔ اب وہ زمانہ ہماری نظروں سے دور نہیں ہے جب محمود و ایاز دونوں ایک ہی صف میں نظر آنے لگیں گے۔

گاؤکشی کا امتناع مذہبی رواداری کا ایک ثبوت تھا تو بیگاری کی لعنت کا قلع قمع کرنے والا فرمان انسانی مساوات کے اس خواب کی ایک بہت بڑی عملی تعبیر تھی جس کی تکمیل

کیلئے آج متمدن سے متمدن قومیں کوشاں ہیں، جابجا عمال جماعتوں کا قیام تحریک
انجمن ہائے مزدوران یہ سب آجر اور مزدور دونوں کو ایک ہی سطح پر لانے کی تنظیمی
اور باقاعدہ کوششوں کا نام ہے۔

سرمایہ داری دوسری لعنت ہے جس کے خلاف آج ساری دنیا کشمکش میں مبتلا
ہے۔ بیسیوں تحریکات اس کے خلاف مصروف عمل ہیں۔ روپیہ میں اتنی قوت نہ ہونی
چاہیئے کہ وہ اس دولت کو جو مشترکہ محنت سے حاصل ہوئی ہو غیر مساوی طور پر تقسیم کر کے
ایک بڑے حصہ کا خود مالک بن جائے اور دوسرے طبقے نیم فاقہ کش اور نیم جامہ پوش
زندگی بسر کریں۔ ہندوستان میں سرمایہ دار کا کوئی اور طبقہ اتنا زیادہ غلام نہیں ہے جتنا کہ
غریب بے چارہ کاشتکار ہے۔ کسان کی گاڑھی کمائی امید و بیم کی ایکسالہ زندگی سے لائی ہوئی
فصل سب کچھ سرمایہ دار و ساہوکار کی نذر ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک کاشتکار کے پاس
اتنا غلہ بھی بچا نہیں رہتا کہ وہ سوکھی روٹی ہی پر زندگی بسر کر سکے۔ کاشتکار کی یہ دردناک
زندگی ایسی نہیں ہے کہ ایک شخص جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہو دیکھے اور خاموش رہے۔

دکن کا دل اس کا بادشاہ ہے جو سب سے پہلے ان دردناک حالات سے پسیجتا ہے
اس نے مزدور کو بیگار کرتے ہوئے دیکھا خاموش نہ رہا گیا کاشتکار کا روپیہ کا غلام بنا
رہنا اور نیم فاقہ کشی کی زندگی بسر کرنا کوئی ایسی معمولی چیز نہیں تھی کہ شاہ دکن کے جذبات
رحم و کرم کو متحرک نہ کر دیتی۔ فرامین صادر ہوئے اور ایک ایسے دستور العمل کے نفاذ کی نوید
لائے جو ایک بہت بڑی حد تک ساہوکار اور اس کے روپیہ کی غلامی سے کاشتکار کو آزادی
دلائیں گے۔

کاشتکار اپنی تعداد میں زیادہ ہندو ہیں لیکن مملکت آصفیہ کو جس کی بنیاد ایک "لا احد"
قومیت پر قائم ہے اور اس کے بادشاہ کو جو ہندو اور مسلمان سب کا بادشاہ ہے اس سے
کوئی واسطہ نہیں کہ کاشتکار مذہباً کیا ہے۔ اسی قدر کافی ہے کہ کاشتکار دکن کا بسنے والا اور اسکا

وفادار سپوت ہے۔ وہ کاشتکار ہے اور ایک مظلوم کاشتکار ہے جس کی محنت اور کمائی پر دولتمند طبقہ آہستہ آہستہ قبضہ کرتا جا رہا ہے۔ اس ظلم اور غیر مساوی حیثیت سے نکال کر برابر کی سطح پر لے آنا بھی ایک قومی حکومت کی تمنا ہو سکتی ہے۔
کیا اب بھی وہ لوگ جو ہندو اور مسلمان کے نام سے پھوٹ کا بیج بوتے ہیں نفاق اور باہمی مخاصمت کے ملزم ہیں، اپنے دماغی بتوں کو توڑ کر صرف ایک قوم اور ایک مملکت کے حقیقی تصور کی پرورش نہیں کریں گے؟

سلطان دکن کی کفایت شعاری
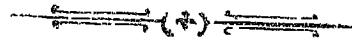
کفایت شعاری ان اخلاق فاضلہ میں سے ہے جو افراد اور اقوام کی اقتصادی حالت پر موثر ہوتے ہیں ہر مذہب نے تبذیر وا سراف کو گناہ قرار دیا ہے اسلام نے خصوصیت سے اسراف و تبذیر سے نفرت دلائی ہے۔ سلطان دکن (آصف جاہ ہفتم) باوجود بادشاہ ہونے کے کفایت شعاری کے صحیح اصولوں پر عمل پیرا ہے۔ جہاں واقعی خرچ کی ضرورت ہو وہاں وہ لاکھوں روپیہ بے دریغ خرچ کر دیتا ہے لیکن غیر ضروری محل پر وہ ایک پائی خرچ کرنا جائز نہیں سمجھتا۔

یہ نہ صرف قرآن کریم کی تعلیم اقتصاد پر عمل ہے بلکہ آصفی خاندان کی روایات کو زندہ کرنا ہے

حضرت آصف جاہ اول کی زندگی کے حالات پر غور و مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فضول اور ناجائز اخراجات سے سخت نفرت تھی۔ جائز اخراجات کے لئے انہیں لاکھوں روپیہ کے صرف میں تامل نہ ہوتا مگر معمولی فضول خرچی بھی آپ کو پسند نہ تھی۔
اصل میں لوگوں نے اسراف و تبذیر کے فلسفہ کو نہیں سمجھا عام طور پر لوگ کم

کثیر کو خرچ دینا اسراف تقین کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں بلکہ بے محل خرچ کرنے کا نام اسراف ہے خواہ وہ ایک پائی ہی کیوں نہ ہو۔

غرض حضرت آصفجاہ اول کا بھی یہی معمول تھا اور آپ اس خصوص میں چھوٹی سی چھوٹی بات کو نظر انداز نہ فرماتے تھے اسکی وضاحت کے لئے آپ کی زندگی کا ایک واقعہ یہاں دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے اسراف و کفایت شعاری کا صحیح فلسفہ معلوم ہوتا ہے۔

دو ایک دن فرمایا کہ میر محمد حسین خان مغرب کے وقت محل کی ڈیوڑھی پر حاضر ہو جائے چنانچہ وہ حاضر ہوا اور ڈیوڑھی کے ناظر نے اس وجہ سے کہ نواب آئینگے معمول سے زیادہ چراغ جلوائے جب اون کو خان مذکور کی حاضری کی خبر ہوئی تو باہر نکلے یکایک ان چراغوں پر نظر پڑی فرمایا کہ یہ زاید چراغ کیسے جلائے ہیں لوگوں نے کہا کہ ناظر ڈیوڑھی نے آپ کے آنیکی وجہ سے جلوائے ہیں نواب نے کہا کہ جب ہم نکلتے ہیں تو روشنی ہمارے ساتھ ہوتی ہے ان زائد چراغوں کا حساب کہاں پڑیگا خانساماں نے کہا کہ جبکہ لاکھوں روپیہ سرکار میں خرچ ہوتا ہے اور یہ آدمی بھی آپ کے تصدق سے ہزارہا روپیہ پیدا کرتے ہیں اگر چراغ کے تیل کے لئے ایک پیسہ خرچ ہو گیا تو کیا مضائقہ حضور ان کا قصور معاف کریں فرمایا کہ لاکھوں کا بجا خرچ مضائقہ نہیں ہے اور بیجا خرچ کرنا ممنوع ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ لا یحب المسرفین یہ آدمی کہ بڑی سختیاں جھیلتے ہیں انکا حق ہے ہم نہیں چاہتے ان کے اہل و عیال کے حق کا ایک پیسہ بھی ہماری سرکار میں خرچ ہو۔"

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آصف جاہ اول اپنی ذات کے لئے ایک پیسہ بھی بیجا طور پر خرچ کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور جائز محل پر لاکھوں کے خرچ میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے یہی عادت آصفجاہ ہفتم کی ہے

وہ اپنی رعایا کی بہتری اور غربا پروری کے لیے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے سے
مضائقہ نہیں کرتے اور اپنی ذات پر ایک عام آدمی کے رنگ میں خرچ کرتے ہیں۔ میں نے
آپکے سوانح حیات میں واقعات کے ضمن میں سالگرہ کی تقریب پر جمع ہونے والے
چندوں کے متعلق ایک فرمان کا ذکر کیا ہے جس میں ایٹ ہوم اور رقص و سرود کی
محفلوں کو بند کر کے غربا پروری کے طریقوں کی ہدایت کر کے ایک ہی وقت میں معاشری
اصلاح اور رعایا پروری کا نمونہ قائم کیا یہ ایک مثال ہے۔ حضرت ولیعہد بہادر اور شہزادہ
معظم جاہ بہادر کی شادی کی تقریب پر رعایا نے اظہار مسرت کے لیے نذر عقیدت پیش کی
مگر آپ نے اس رقم کو کھیل تماشوں میں صرف کرنے کے بجائے رعایا کے مفید اور اجتماعی
فوائد کے لئے خرچ کرنے کا حکم دیا۔

آپ جب بھی کوئی کام کرتے ہیں تو یہ امر مدنظر رہتا ہے کہ رعایا کے مفاد و آرام
کیلئے اسکا جزو اعظم ہو۔ اگر یہ بات نہ ہو تو آپ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اور اگر مفاد
عامہ کا تعلق ہو تو لاکھوں روپیہ بے دریغ خرچ کرتے ہیں اس خصوص میں میں ایک فرمان
مبارک کا ذکر کئے بغیر آگے نہیں چلتا۔ یہ فرمان مبارک ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ کو
صادر ہوا۔ رعایا نوازی کا یہ ایک نمونہ ہے اور وہ یہ ہے۔

"حال ہی میں میں نے جبکہ ممالک محروسہ کا دورہ ختم کیا اُس وقت سے خیال کر رہا ہوں
کہ جن مقامات پر میرا قیام ہوا وہاں اس واقعہ کی مستقل یادگار قائم کرنے کا سب سے
عمدہ طریقہ کیا ہوگا اب کامل غور کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو کوئی کام اس کے
متعلق کیا جائے وہ اس بنا پر ہونا چاہیے کہ میری عزیز رعایا کے آرام و آسائش کے
ذرائع میں واقعی سہولتیں پیدا ہوں۔

پینے کے لئے صاف پانی کا مہیا کیا جانا اور ایسے ہی دوسری مقامی ضرورتیں جن کا
مجھے اثنائے دورہ میں ذاتی مشاہدے کی بنا پر علم ہوا ہے انکی تکمیل کے واسطے مستقل

انتظام ضروری ہے اس قسم کے کاموں کے لئے میں حکم دیتا ہوں کہ فی الفور پندرہ لاکھ روپے حسب تفصیل ذیل مخصوص کئے جائیں۔

منجانب دیوانی	پانچ لاکھ روپے
منجانب صرفخاص	ایک لاکھ روپے
منجانب لوکلفنڈ	نو لاکھ روپے

اور صدر اعظم بمشورۂ صدر المہام فینانس فوراً میرے حکم کی تعمیل میں ضروری کارروائی شروع کردیں اور رفاہ عام کے ایسے کاموں کے لئے جو کام وہ مناسب سمجھیں خاص مقامی ضرورتوں کو پیش نظر رکھکر رقوم متعین کردیں۔"

اب غور کرو پندرہ لاکھ کے مصارف کو کس دریا دلی اور خوشی سے قبول کیا صرف اسلئے کہ وہ رعایا کی آسائش اور آرام اور مفاد کے لئے تھا۔ غرض اعلیٰ حضرت کی کفایت شعاری کی بنیاد ایک زرین اصول قرآنی اور اخیار روایات خاندانی پر ہے۔ جن لوگوں نے بدقسمتی سے اعلیحضرت کی کفایت کو بخل سے تمیز نہیں کیا اونہوں نے علمی بددیانتی کی ہے اور فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ اسراف و تبذیر پر غور ہی نہیں کیا۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی کا یہ پہلو معاشرتی زندگی پر بے حد موثر ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ عظیم الشان فرامین جو سلطان العلوم کے قلم سے نکلتے ہیں وہ ان لفافوں پر لکھے جاتے ہیں جو بارگاہ خسروی میں داخل ہوتے ہیں آپ انکو ضائع نہیں جانے دیتے اور ان پر ہی پنسل سے فرامین شاہی لکھدیتے ہیں۔ جنگ عظیم کے دوران میں ہماری حکومت برطانیہ نے کفایت شعاری کے لئے ایک ہی لفافہ کو متعدد مرتبہ استعمال کرنے کے احکام نافذ کئے لیکن اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کا یہ عمل اس سے بھی پہلے سے جاری ہے۔ آپ کی کفایت شعاری کے پہلو کی تفصیلات نہایت دلچسپ اور طویل ہیں میں صرف یہی کہکر ختم کردیتا ہوں کہ

آصفجاہ ہفتم اسراف کو پسند نہیں فرماتے

اس لئے کہ قرآن کریم کہتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْن

سلطانِ دکن کی تصویر مہاراجہ سر کشن پرشاد کی آنکھ و قلم سے

مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب بالقابہ وزیر اعظم دولت آصفیہ عثمانیہ ایک بالغ نظر اور صاحب بصیرۃ مدبر اعظم ہے اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان (متعنا اللّٰہ بطول حیاتہ) اُن کے سامنے پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے پھلے اور پھولے اور دولت آصفیہ کے اورنگ نشین ہوئے اور سیر کین السلطنت کو آپ کی سیرۃ و شمائل کو جس دقت نظر اور قریب سے پڑھنے کا موقعہ ملا ہے وہ میری کسی تصریح کا محتاج نہیں اونہوں نے اپنے محبوب آقا زادہ اور آقا کو جس نظر سے دیکھا اسکی تصویر جو اونہوں نے اپنے قلم سے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

جب سے اس مشرق الانوار خسرو دکن نے اپنی حکومت کی بسم اللّٰہ کی اور اس جشن شاہانہ کی رسوم ادا ہوئیں دکن کے نصیب جاگے۔ بہار سلطنت نے پھول برسائے اور چرخ نیلی نے تارے اتارے ظل اللّٰہ کا اقبال چتر بنکر سایہ فگن ہوا عزت و اجلال کے جلو میں ترقی کی رفتار نے برق خرامی کی بخت آصف کا شہباز ہوائے ملک رانی میں بلند پرواز ہوا۔ زمام سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیکر ثابت کر دیا۔

بالائے سرش ز ہوشمندی ۔ می تافت ستارہ بلندی

حضرت اقدس و اعلیٰ نے جو کچھ چاہا کیا اور تمام نظم و نسق نگینہ کی طرح جڑ گئے جو کچھ حضور پر نور نے کیا اور جو کچھ ہوا۔ پبلک سے پوشیدہ نہیں اسلئے امید قوی ہے کہ بعونہ تعالیٰ ایک روز یہ حکومت اپنے مرکز پر نہایت حسن اور مزید کامیابی کے ساتھ

دائرے کی گردش کو طے کر کے اپنے نقطہ کمال پر پہونچے گی۔ الحمدللہ ملک کا نصیبہ چمکا جناب جوہر
فولاد بازو نے ہر چیز اپنے قبضہ میں لے لیا اور عقل و دانش کے پتلے نے اسطرح دوست و دشمن
کو ایک گھاٹ پانی پلایا کہ دور اندیش تجربہ کاروں نے اکثر آپ کی فراست و فہم کا لوہا مان لیا
ہر ادنیٰ و اعلیٰ کام میں شہریار کی ذاتی دلچسپی اور شفقت نے سلطنت کی تمام گتھیوں کو یک قلم
سلجھا دیا یار و اغیار نے سمجھ لیا کہ اب حیدرآباد میں مفت خوروں کا گذارہ نہیں۔

حضور بذات خود ہر کام کے بڑے ماہر ہیں یہی وجہ ہے کہ انکے عہد میں حیدرآباد
کی آمدنی نے ہمیشہ سے زیادہ ترقی کی اور کر رہی ہے اور روپیہ کے معاملہ میں تمام باریکیوں
کو ایک تجربہ کار کہنہ مشق ماہر سے زیادہ تیزی سے سمجھ جاتے ہیں۔

مہاراجہ بہادر کی آنکھ سے اعلیحضرت کی شان | مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب نے اعلیحضرت کے
اخلاق حمیدہ اور کمالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"بے خبر لوگ اعلیحضرت کی صفات حسنہ سے واقف ہوں اور ان پر غور کریں میں
تو اتنی صفتوں کا آجتک کوئی بادشاہ نہیں دیکھا"

نادان نکتہ چین اور احمق معترض مہاراجہ کے اس کلام میں شاید خوشامد کی
شان کو دیکھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مہاراجہ ایسی شخصیت اور علم و واقفیت کا انسان اس
بات کو پبلک میں نہیں کہہ سکتا جو صداقت سے معرا ہے۔ ہاں یہ تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ
اس میں شکر گذاری اور محبت کی جھلک نمایاں ہے خوشامد نہیں۔

بعض لوگ جو حقایق اور آداب سے ناواقف ہیں وہ اس قسم کے الفاظ پر معترض
ہوتے ہیں اور ہر حالت میں اسے خوشامدانہ رنگ دیتے ہیں مگر سچ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے
نقطہ نظر اور اپنے معلومات کی بنا پر ایک بات کہتا ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا جواب | ایک مرتبہ خواجہ حسن نظامی صاحب کو بھی لوگوں نے کہا کہ
انکے الفاظ میں جو وہ روزنامچہ میں اعلیحضرت کی نسبت لکھتے ہیں خوشامد کی بو آتی ہے۔

خواجہ صاحب نے انکو لکھا کہ میں تو اسلئے لکھتا ہوں کہ مسلمانوں اور ہندوستان کے بچے اپنے قدیمی لٹریچر کے ادب سے واقف ہوں اور اونہوں نے اعلیحضرت کے حضور بھی عرض کیا کہ

"آپ مسلمان قوم اور مشرقی اقوام میں ایسی شخصیت رکھتے ہیں مسلمان قوم اور مشرقی اقوام آپ کے نمونہ ذات سے اپنے اندر وحدت واجتماع پیدا کر سکتی ہیں پس میں جو کچھ آپ کی نسبت لکھتا ہوں وہ خوشامد نہیں ہے، نہ آپ پر کوئی احسان ہے بلکہ اپنی قوم کو پراگندگی سے بچانے اور متحد رکھنے کی ایک خدمت ہے جس کا اجر خدا دے گا!"

غربا نوازی اور بے تکلفی کا ایک واقعہ | یہ قدرتی بات ہے کہ سلاطین کے دربار اوران تک پہونچنے کے کچھ نہ کچھ آداب اور قواعد مقرر کرنے پڑتے ہیں کیوں کہ بغیر اس کے چارہ نہیں مگر اعلیحضرت جب کبھی ایسے مقام پر ہوتے ہیں جو پبلک مقام سمجھا جاتا ہے یا اس مقام کی کچھ ایسی خصوصیات ہوں کہ وہاں اس قسم کے قواعد وضوابط پر عمل ممکن تو ہو لیکن نامناسب ہو تب آپ اسکی پرواہ نہیں فرماتے۔ فروری ۱۹۳۴ء میں آپ دہلی تشریف رکھتے تھے ۲۶ فروری ۱۹۳۴ء کو آپ درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں گئے ہوئے تھے اس موقعہ پر کسی شخص نے کوئی درخواست پیش کرنی چاہی ظاہر ہے کہ وہ موقع اور محل اس کام کے لئے نہ تھا۔ پیشی مبارک کے اہلکاروں نے اپنے فرائض کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اسے روکا آپ کی نظر اس پر پڑی تو آپ نے محسوس کیا کہ یہ شخص اس عظیم الشان بزرگ حضرت خواجہ قطب صاحب کی درگاہ میں میری حاضری سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے آپ نے درباری آداب کو ترک کر دیا اور زبان مبارک سے فرمایا۔ لے لو۔ لے لو۔ اس کی درخواست لے لو۔

بظاہر واقعہ نہایت معمولی ہے مگر اس میں سلطان العلوم کی انتہائی غربا نوازی۔ خلاص اور بے تکلفی کا پتہ ملتا ہے۔ خدا کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کے لئے دل میں ایک جوش ہے

اور اس کے لیئے وہ قواعد و ضوابط کے حدود بھی بعض وقت توڑ دینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔

قدر دانِ خود را بیفزائے قدر کا جذبہ | اعلیٰ حضرت کی خصوصیات میں یہ امر داخل ہے کہ آپ قدیم متوسلین دولت آصفیہ کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں خواہ انکا تعلق موجودہ حکومت سے رہا ہو یا نہ ہو۔ اس خصوص میں متعدد واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں مگر میں صرف ایک واقعہ پر اکتفا کروں گا۔ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین مرحوم عہد محبوبی میں بڑے ممتاز اہلکاروں میں سے تھے وہ اپنی دیانت امانت اور صابت رائے میں مشہور تھے۔ ان کے مخالف ان کی نسبت جو کچھ بھی چاہیں کہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک فرض شناس دیندار اہلکار تھے۔ حیدرآباد میں بھی وہ گونہ عسرت ہی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت مرحوم کا عہد حکومت امراء اور عمائد کی سیاسی خانہ جنگیوں کا ایک عجیب مرقع تھا۔ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین پر بھی ایک یا دوسری پارٹی میں شرکت کا گمان تھا اسلیئے ایک مرتبہ وہ وزیر با تدبیر کی مخالف پارٹی کے رکن ہونے کی حیثیت سے حیدرآباد رخصت کر دئے گئے پھر بلائے گئے اور بالآخر وہ وظیفہ پر حیدرآباد سے رخصت ہو گئے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جبکہ وہ قومی خدمات میں مصروف تھے انہوں نے اعلیٰ حضرت آصف جاہ ہفتم کے حضور ایک عرضداشت بھیجی اعلیٰحضرت نے فوراً اپنے تاج و تخت کے ایک قدیم اور وفادار خادم کی حوصلہ افزائی کی وقار حیات کے مصنف نے اس واقعہ کو حسب ذیل رنگ میں پیش کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت آصفجاہ ہفتم سابع کے حضور میں ایک عرضداشت | نواب وقار الملک نے اپنا تمام زمانہ ملازمت نہایت دیانت داری سے بسر کیا تنخواہ کے علاوہ انکی کوئی بالائی آمدنی نہ تھی اسلیئے حیدرآباد میں بھی وہ عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے ایسی حالت میں ان کے پاس اس قدر روپیہ کہاں پس انداز ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی جائداد خریدتے یا آمدنی کے وسایل کو ترقی دیتے جو کچھ وہ خریدتے وہ بھی اسوجہ سے کہ ان کو بعض اوقات غیر معمولی طور پر کافی

روپیہ ملکیا مثلاً یہلی برخواستگی کے بعد جب دوبارہ حیدرآباد گئے تو چند سال کی وزیری کارروائیوں کے بعد ان کو تین سال کی تنخواہ زمانہ خانہ نشینی کی ملکئی یا جب وہ حیدرآباد سے استعفا دیکر واپس آئے تو نواب سر آسمان جاہ نے ان کے مکان کا فرنیچر اصل قیمت پر خرید لیا اور یہ فرنیچر بھی اعلیحضرت کا عطا کیا ہوا تھا آخر میں اونہوں نے اپنے تمکانات فروخت کردئیے لیکن باوجود اس کے ان کی جائداد کی آمدنی اسقدر نہ تھی جو صاحبزادہ مشتاق احمد کی یورپ کی تعلیم کے لئے کافی ہو۔ ان حالات سے متاثر ہوکر اونہوں نے اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہ کے حضور میں ایک مفصل درخواست پیش کی جس میں اپنے تمام خانگی حالات آمدنی کی کیفیت اور علالت وغیرہ کا تذکرہ کرنے کے بعد دولت آصفیہ کے احسانات کا تذکرہ کیا ہے پھر مشتاق احمد کی تعلیم کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ

"ایک وہ زمانہ تھا کہ اپنے بڑے فرزند محمد احمد مرحوم کی تعلیم یورپ اور بیرسٹری وغیرہ کے اخراجات کے واسطے جب کہ سرکار عالی کے متعدد عہدہ داروں کو تعلیمی وظائف دئے جارہے تھے اپنی بیش قرار تنخواہ کے لحاظ سے اس قسم کی درخواست پیش کرنے کی جرأت نہ کی اور نیز باوجود اپنے دوستوں کے مشورہ کے جو کچھ خرچ ہوا اپنی ذات سے کیا اسوقت کی حالت کے لحاظ سے سوائے اسکے کہ سرکار عالی سے امداد کی درخواست کی جاوے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ اور یہ امر کہ وہ امداد کیا ہوگی یہ سب سرکار عالی کی غریب پروری اور شاہانہ فیاضی پر منحصر ہے عرض کرنے کی حاجت نہیں کہ

"خواجہ خود روش بندہ پروری داند"

یہ درخواست سر فریدون الملک بہادر کے ذریعہ سے بارگاہ خسروی میں پیش ہوئی اور اعلیحضرت نے اپنی ضرب المثل شاہانہ فیاضی اور قدردانی سے صاحبزادہ مشتاق احمد کی تعلیم ہندوستان کے لئے سو روپیہ اور تعلیم یورپ کے لئے ڈہائی سو روپیہ ماہوار منظور فرمایا زمانہ جنگ میں اس وظیفہ میں اضافہ بھی فرمایا گیا اسکے علاوہ مرحوم کے دو نواسوں کا وظیفہ بھی

مقرر ہوا ۔ اور سو روپیہ کا وظیفہ اعلیحضرت نے آنکی بیگم صاحبہ کو مرحمت فرمایا ۔ ندوی)

اور اپنے وفادار اور دیرینہ سال ملازم کو زندگی کی آخری گھڑیوں میں مایوس نہیں کیا سلاطین دولت آصفیہ کی یہی شاہانہ فیاضیاں ہیں جو لوگوں میں وفاداری بلکہ جان نثاری کا جذبہ پیدا کر دیتی ہیں یہ واقعات دیکھ دیکھ کر بے اختیار اسلام کے عہد گزشتہ کی تاریخ کا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ تاریخ اپنے صفحات الٹ الٹ کر ہمارے سامنے لارہی ہے ۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وفادار ملازم نے اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں میں اپنے محبوب آقا کو کیسی دعائیں دی ہوں گی اور شکر گزاری کے کیسے جذبات اسکے دل میں پیدا ہوئے ہوں گے ۔

سلطان دکن کی محبت ذی روح سے

مولانا ہوش بلگرامی نے ذی روح سے محبت کے عنوان سے ایک نہایت موثر اور دلکش مقالہ عظمت اسلام اور رحمۃ العالمین کے اخلاق کی ایک شان دکھانے کو لکھا ہے میں اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے اس کا آخری حصہ یہاں دیتا ہوں ۔

بے زبان جانوروں کے متعلق رحم و شفقت کا جذبہ اس انسان کامل کے دل میں کیونکر نہ ہوتا جس کی نسبت صحیفہ ربانی کے یہ الفاظ ہر مسلمان کو یاد ہیں کہ :

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

جب اُس کا یہ حال تھا تو اُس کے جانشینوں کا کیا حال ہوگا جو نقش پائے رسالت کے ہر ذرہ کو اپنا رہنما جانتے تھے ۔ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی دنیا انسانی محبت و شفقت کے ان نقوش سے محروم نہیں ہے جو اُس مرسل برحق کی سیرت پاک نے صفحۂ ہستی پر قائم کئے ہیں اور جو انسانوں کے لئے خدا کا یہ پیام لایا تھا کہ :" زمین کے جانور اور ہوا کی چڑیاں بھی تمہاری طرح ایک امت ہیں ۔"

اسلام کے نبیٔ برحق نے جن تعلیمات کا چراغ ظلمت خانہ عرب میں روشن کیا تھا اس سے ہر زمانہ اور ہر ملک میں لاکھوں چراغ روشن ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں اور یہی اسلام کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ اس کی تعلیمات کسی عہد اور کسی ملک میں اثر و نفوذ سے محروم نہیں رہتیں۔ آج جبکہ اسلام کی تشکیل ظاہری بگڑی ہوئی نظر آتی ہے (اس لئے کہ مسلمانوں نے اسوۂ حسنہ اور درس اخلاق و اعمال کو بھلا دیا ہے) اور آج جبکہ عالم اسلام پر ہم ایسے انسانوں کے اعمال کی بدولت مصائب و مشکلات کی گہری بدلیاں چھائی ہوئی ہیں پھر بھی کہیں نہ کہیں کوئی ایسی شمع روشن نظر آتی ہے جس نے دنیا کے اس پہلے چراغ سے کسب نور کیا ہے۔

حضرت اقدس و اعلیٰ کے متعلق یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ حضور انور کا دامن لطف و کرم بلا تفریق مذہب و ملت تمام انسانوں پر سایہ کئے ہوئے ہے، آج کی صحبت میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو حضرت بندگانِ عالی کی سیرت کے ایک ایسے پہلو سے بھی روشناس کراؤں جو حضرت پیر و مرشد کی ذات اقدس میں اسلام کی سچی تعلیم کا آئینہ دار اور اپنے پیغمبرؐ کے اسوۂ حسنہ کا صحیح عکس ہے۔ مجھے اس حقیقت کے اظہار پر فخر ہے کہ حضرت ظلِ سبحانی کا قلب صافی اپنے دین برحق کی عظمت سے اس درجہ لبریز ہے کہ موجودہ دنیائے اسلام میں کسی ایسے "صاحب ایمان" کا پیش کرنا اگر محال نہیں تو ناممکن ضرور ہے۔ (فیہ نظر عرفانی)

میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کی تعلیم خصوصی تعصب و تنگ نظری سے بہت بلند ہے وہ تو خدا کا ایک ایسا پیام ہے جو ساری کائنات کو اخوت و مودت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا چاہتا ہے اس لئے ہر وہ مسلمان جو اسلام کی حقیقت معنوی سے بہرہ مند ہے کسی انسان کی ایذا رسانی تو کجا کسی حیوان پر بھی ظلم و جبر کو ٹھنڈے دل سے برداشت نہیں کر سکتا اور نہ محض اختلاف عقائد کی بنا پر کسی کو صدمہ پہنچانے کا خیال اس کی اخلاقی زندگی کے دستور العمل میں جگہ پا سکتا ہے۔ حضرت بندگان عالی کا ضمیر منیر بھی انہیں تجلیات سے روشن و منور ہے، دنیائے اسلام کو اس پر فخر کرنا چاہیئے کہ اقبال تیموری کے وارث دولی کی ذات میں

انسان تو انسان بے زبان حیوانوں کے ساتھ بھی محبت و شفقت کے وہی جذبات کار
فرما ہیں جو عہد نبوت اور تعلیم اسلامی کی ایک خصوصیت ہے۔

جن لوگوں کو ذرا قریب سے سیرت شاہانہ کے مطالعہ کے مواقع نصیب ہوتے ہیں وہ
جانتے ہیں کہ ایک بے زبان چوپائے اور ایک مشت پر کے لئے بھی اس ارفع و اعلیٰ انسان
کے دل میں وہی ہمدردی و محبت موجود ہے جس سے اُس کی وفادار اور عقیدت مند رعایا
ہر روز مستفید ہوتی رہتی ہے سینکڑوں میں سے صرف دو چار واقعات جو میرے حافظہ میں
محفوظ ہیں آئینۂ سیرت شاہانہ کے ایک عکس کی حیثیت سے اس لئے ان صفحات پر پیش کرتا ہوں
کہ شاید ایک اعلیٰ اور ارفع اخلاقی زندگی کی یہ مثالیں ادنیٰ اور کمزور انسانوں کے اخلاق
کی رہنمائی کر سکیں۔

بہت سے دیکھنے والوں کو وہ واقعہ یاد ہوگا کہ ایک روز سواری شاہانہ موٹر پر گزر رہی
تھی، راستہ میں ایک بکرا موٹر کی زد میں آجاتا ہے۔ معاً موٹر رک جاتی ہے اور ایک بادشاہ
کا دردمند دل اس بکرے کی پوشیدہ چوٹ کا تصور کر کے بے چین ہو جاتا ہے۔ موٹر کی آغوش
اس حقیر اور کمزور جنس کے لئے وا ہو جاتی ہے۔ وہ "زخم خوردہ" بکرا آستانہ عالی پر اتارا جاتا
ہے، علاج ہوتا ہے اور صحت پانے کے بعد آج بھی کنگ کوٹھی مبارک میں "شہ نشین" سے بالکل
قریب بندھا ہوا دانہ چارہ کھاتا رہتا ہے۔ ذات شاہانہ کے لئے اس جانور کا وجود حقیر اب بھی
موجب شادمانی ہے! کسی کو کیا معلوم کہ اس بادشاہ کامگار کے قلب صافی کے لئے یہ چھوٹی چھوٹی
باتیں دنیا کے بہترین عیش و طرب سے زیادہ موجب مسرت ہوتی ہے۔

ولیعہدی کے زمانہ میں ایک "خوبصورت مادیان" سواری شاہانہ کے لئے مخصوص تھی
برسوں اس نے اپنی پیٹھ پر حضرت آصفجاہ سابع کو سوار کیا تھا۔ یکایک اس پر بیماری کا حملہ
ہوتا ہے اور حالت اس قدر نازک ہوتی ہے کہ مرحوم عثمان یار الدولہ کو عرض کرنا پڑتا ہے
کہ اس کو بندوق کا نشانہ بنانے کی اجازت دی جائے جو عموماً ایسی حالتوں میں جانوروں کے ساتھ

مہذب دنیا کا دستور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ میں اپنی عزیز گھوڑی کے لئے قبل از مرگ ایسا حکم دینے سے مجبور ہوں۔ طبعی موت سے اگر وہ مرتی ہے تو یہ قضاء قدر کے احکام ہیں مگر ایک ذی روح حیوان کو اور وہ بھی وہ ذی حیوان جس کی عمر زمانہ ولی عہدی کے ساتھ میری خدمت میں گذری ہے میرا قلب بندوق کا نشانہ بنانے کی اجازت نہیں دے سکتا ہے۔ علاج کے ذریعہ سے اس کی تکلیف کو کم کرنے کی امکانی کوشش اس وقت تک کیجائے جب تک کہ وہ شاہی اصطبل میں سانس لے رہی ہے۔ اونٹ منجملہ ان جانوروں کے ایک ہے جس کی قربانی اسلام نے جائز قرار دی ہے۔ حضرت بندگان عالی نے اونٹ کی قربانی کا منظر کبھی ملاحظہ نہیں فرمایا تھا ایک مرتبہ اس کو دیکھنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کو معلوم ہے کہ رقیق القلب بادشاہ نے جب یہ دیکھا کہ ایک عرب نے خنجر کا وار اس کی گردن پر کیا اور اس کی گردن سے خون کے فوارے جاری ہوئے تو "دل گداختہ" اس منظر کی تاب نہ لا سکا چشم کرم میں آنسو جھلکنے لگے، قصر معلیٰ میں مراجعت فرمائی کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ اونٹ کی قربانی کا نظارہ اس قدر دل خراش ہوتا ہے تو میں بھولے سے بھی اس کے دیکھنے کی تمنا نہ کرتا۔ گو قربانی سنت ابراہیمی ہے۔ مگر میں اپنے اس دل کو کس طرح سمجھاؤں جو اس تکلیف کو دیکھنے کی بھی مطلق قوت نہیں رکھتا اس لئے مناسب ہوگا کہ اس سنت کو کسی دوسرے طریقے سے ادا کیا جایا کرے۔

قربانی کے دن ایک گائے اور اس کا اکلوتا بچہ بھی قربان گاہ میں لایا گیا بچہ کو دیکھکر دریافت فرمایا کہ اس کو ماں کے ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ خدام ادب نے عرض کی کہ اس کو بھی ماں کے سامنے خنجر کی لذت سے آشنا کیا جائیگا۔ یہ جواب محبت بھرا دل برداشت نہ کر سکا اس قصاب سے فرمایا کہ اگر تیری لڑکی کو تیری بیوی کے سامنے ذبح کیا جائے تو کیا وہ اس کی متحمل ہوسکیگی۔ اس لئے اس گائے اور بچہ کو شاہی گاؤخانہ میں بھیجا دیا جائے تاکہ یہ پرورش پائیں اور اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر مریں۔

خدا کی بے زبان مخلوق پر رحم و لطف کے یہ چند واقعات ہیں جن کو ہم نے اپنی معلومات کی حد تک پیش کیا ہے۔ ورنہ حقیقت ہے کہ حضرت ظل سبحانی کی عطوفت و عنایت کا دامن اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور کون ہے جو ان واقعات کے سننے اور دیکھنے کے بعد مسحور اور متاثر ہوئے بغیر رہ سکے۔ اللہ اکبر ایک طرف یہ عظمت و جلال کو لاکھوں کروڑوں انسانوں کی پیشانیاں اس آستانہ عالی پر جھکی ہوئی ہیں اور دوسری طرف یہ نرمی و رافت کہ درد شناس دل ایک معمولی حیوان کی تکلیف کی بھی تاب نہ لا سکے

اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ایسا راعی اپنی رعایا کے کسی دکھ کو کیونکر گوارا کر سکتا یاد فرمائیے کہ شاہ دیجاہ کی تشیر تنگ ظرف اور بیگانہ مذہب انسانوں کے لئے ایک ایسا درس ہے جو انہیں کامیابی کے ساتھ ایک سچا مسلمان اور ایک راست باز انسان بنانے میں ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ سیرت و وجدان اکتساب کا منت پذیر نہیں ہوتا بلکہ یہ توفیق ربانی ہے جس کو خدا دیتا ہے اسی کو ملتی ہے حضرت اقدس و اعلیٰ کی سیرت سرزمین دکن میں روحانیت و اخلاق کے ایسے ایسے نقش یا ثبت کر رہی ہے جس کو تاریخ ہمیشہ دھراتی رہیگی اور جس پر انیائے زمانہ ہمیشہ فخر کریں گے۔

خوش نصیب ہے وہ رعایا اور مبارک ہے وہ ملک جسکو ایسا فرشتہ سیر بادشاہ نصیب ہے

۱۴ اسفندار ۱۳۴۵ف

<u>سیرت شاہانہ از ہوش بلگرامی</u> | انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے عجیب و غریب مجموعہ اضداد ہے ایک طرف اس کے عزم و ہمت کی بلندی دنیا پر چھانے کی اہلیت رکھتی ہے تو دوسری طرف اس کے ارادے اور افکار حباب سے زیادہ کمزور اور سبک ثابت ہوتے ہیں تاہم چونکہ خلاق عالم نے اس کو خلافت ربانی سے سرفراز فرمایا اور کائنات کے نظام تمدن پر حکمرانی کا شرف و امتیاز عطا کیا ہے اس لئے نوع انسان کی تنظیم کا سامان بھی خود ہی فرما دیا ہے

تاریخ عالم کے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ حیات انسانی اپنی ترتیب و تکمیل کے لحاظ سے ہمیشہ کسی فوق الارادہ طاقت کی زیر منت رہی ہے۔ انسان خلافت الٰہی کا یہ بار گراں اس وقت تک نہیں اٹھا سکا جب تک کہ ایک قوی ہاتھ اس کی مدد کے لئے اٹھ نہ گیا اور وہ اس وقت تک اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکا جب تک کہ کسی منزل شناس نے اس کی رہبری نہ کی۔ سلطنتوں کی بنیادیں ہوں یا خانقاہوں کی تعمیریں سب ایک ہی اصول پر ہوئیں اور ہوتی رہیں گی۔ دنیا میں انسان کامل پیدا ہوئے اور ماہ و سال کی مسلسل گردشیں کسی نہ کسی بلند شخصیت کو سرآمد روزگار بنا کر پیش کرتی رہیں گی اور یہ سلسلہ ہر ملک اور ہر قوم میں ہمیشہ باقی رہیگا۔ اسی کلیہ کے تحت میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ عہد حاضر میں فطرت نے اپنی فیاضی کے تمام آثار و علامات حضرت آصفجاہ سابع کی ذات گرامی میں جمع کر دئے ہیں۔

یہ نہ دیکھئے کہ حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ ایک وسیع سلطنت کے فرمانروا ہیں (خدا رہتی دنیا تک اسے قائم رکھے) اور یہ نہ سوچئے کہ سلطنت آصفیہ کا خزانہ مرکزی قوت کے حسن انتظام کی وجہ سے دوسرے ممالک کے لئے قابل رشک ہے یہ وہ بدیہیات ہیں جن پر ہر سطح بین کی بھی نظر پڑتی رہتی ہے لیکن میرے نزدیک برتری اور افضلیت کی سب سے زیادہ نمایاں اور سب سے زیادہ زبردست حجت حضرت پیر و مرشد کی وہ عدیم المثال شخصیت و انفرادیت ہے جو صحیح معنی میں اخلاق اسلامی کا مکمل نمونہ ہے یہ وہ شخصیت و انفرادیت ہے جو زمانہ کے سانچے میں نہیں ڈہلتی بلکہ زمانے کو خود اپنے سانچے میں ڈھال لیتی ہے اور جس کو بڑے سے بڑا طوفان بھی متزلزل کرنے کی قوت نہیں رکھتا، وہ ایک آہنی حصار ہے استحکام سیرت و کردار کا، ایک ناقابل تسخیر قلعہ ہے بلندی فطرت اور علوئے عزائم کا سربفلک منارہ ہے اس روشنی کا جو عہد جدید کی تاریک و طوفان خیز فضا میں قوم کے سیلاب زدہ جہاز کو امن و سکون کے ساحل تک پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔

دنیا اعلیحضرت کو صرف شاہانہ سطوت و جلال کے سایہ میں دیکھتی ہے حالانکہ وہاں نگاہیں صرف اس کیلئے بیقرار ہیں کہ کوئی محض انسان ہونے کے لحاظ سے اُن کی سیرت و فطرت کا مطالعہ کرے اور انسانیت کی اُن صفات عالی کو اپنے لئے دلیل راہ بنائے، اُس دکھ درد کو سمجھے جو اعلیحضرت کے دل و دماغ میں نوع انسانی کی طرف سے پایا جاتا ہے اور عظمت سلطانی سے پہلے اُن کی اُن خصوصیات پر غور کرے جو صرف میر عثمان علیخاں ہونے کے لحاظ سے نوع بشری کے ایک فرد واحد کی حیثیت سے اس ذات گرامی میں درجہ کمال تک پائی جاتی ہیں۔

اس دنیا میں وہ کونسی انسانی تمنا ہے جس کا پورا کرنا خدام جہاں پناہی کے اقتدار میں نہیں ہے۔ وہ کونسی راحت و عشرت ہے جو حضور کے قدموں کو بوسہ دینے کے لئے آمادہ نہیں دولت و ثروت کی وہ کونسی مست بنا دینے والی انتہا ہے جو ایک ادنیٰ اشارہ ابرو سے حاصل نہیں ہو سکتی، لیکن اللہ رے صبر و ضبط کے باوجود ممکن اسباب عیش و تنعم فراہم ہونے کے اعلیحضرت کی صاف و سادہ زندگی کا یہ عالم ہے کہ قرون اولیٰ کے سچے مسلمانوں کی سیدھی سادھی طرز معیشت و معاشرت کے نظارے آنکھوں کے سامنے ہر وقت پھرتے رہتے ہیں۔

لوگوں نے نئی دہلی میں قصر شاہی کی پر شوکت بلندیوں پر آصف جاہی پرچم کو لہراتے دیکھا، اس کے مرمریں فرش کی نفاست و دلکشی پر نظر کی اس کے در و دیوار کے رنگ و روغن اور نقش و نگار کی ستائش کی، ہزاروں برقی قمقموں کی روشنی میں رات کو دن ہوتے دیکھا بیش قیمت ساز و سامان کی فراوانی پر حیران ہوئے۔ فوجی پہرے دیکھے، اسٹاف و اراکین دولت کی خدمتگزاری دیکھی، یہ سب دیکھا مگر یہ کوئی دیکھنے والا نہ تھا کہ مناظر دولت و حکومت کے اس ہجوم میں، اسباب عیش و مسرت کے اس انبار میں ایک ایسا دل بھی موجود ہے جو حقیقتاً ان تمام تماشوں سے بیزار ہے اور جو رات دن اس فکر میں دھڑکتا رہتا ہے کہ انسان کو صرف انسانیت کا سبق دے، انسان کو صرف صراط المستقیم پر چلنے کی ہدایت کرے کہ انسان کو انسانیت کا سبق بنا کر چھوڑے اور بتا یا جائے کہ انسان کی سب سے بڑی مسرت اس کے اخلاق کی پاکیزگی ہے۔

ضبط نفس ہے، تدبر و تفکر ہے، راستی و راست بازی ہے، اور حق و باطل میں امتیاز ہے، اور اس کی سب سے زیادہ قیمتی دولت اس کی فطرت کی تابندگی اور اس کا روشن ترخیال صرف اس درس میں پنہاں ہے کہ:-

آسمانوں کی بلندی بھی جھکا دیگی جبیں
آدمی کو دہر میں انسان ہونا چاہیئے

یہہ ہے تاجدار دکن کی سیرت جو دنیا کو فاقم و سنجاب بخش دینے کے بعد خود گلیم و بوریہ پر قناعت فرماتے ہیں جو زمانہ کو دیبا و حریر کی خلعتوں سے سرفراز کر کے خود سادہ ترین لباس سے خوش ہوتے ہیں جو اپنے تمام وابستگان دولت کو جملہ لذائذ و نعائم بخشنے کر خود اپنے لئے نہایت سادہ غذا کو ترجیح دیتے ہیں، یاد رکھیئے آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو اس وقت جب اخلاق انسانی کی تاریخ مرتب کی جائے گی تو اس تاریخ کے سرورق کا "طراز" میر عثمان علیخان خسرو دکن کا نام نامی ہوگا اور دنیا دیکھے گی کہ چودھویں صدی کے قحط الرجال میں حکومت و دولت کی گود میں کھیلنے کے باوجود ایک ایسی ہستی عالم وجود میں آئی جس نے اپنے پاکیزہ اخلاق و عادات سے ایک عالم کو حیران کر دیا۔

اعلیحضرت سلطان دکن کی خصوصیات

اور

مختلف اصحاب کے تاثرات

محنت سے محبت | ایک اعلیٰ خصوصیت اعلیحضرت میر عثمان علیخان کی یہ ہے کہ وہ محنت سے ایک عشق و محبت رکھتے ہیں اور روزانہ دن میں اتنا زیادہ کام کرتے ہیں کہ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو وہ بات عقل میں نہیں آسکتی اور ایک کرامت معلوم ہوتی ہے۔

انکی عادت ہے کہ وہ آج کا کام آج ہی ختم کر دیتے ہیں فلسفیوں نے کہا تھا آج کا کام کل پر نہ چھوڑو مگر میر عثمان علیخان آصف جاہ ہفتم اسکو کر کے دکھاتے ہیں چاہے آدھی رات ہو جائے یا ساری رات گزر جائے مگر جب تک آج کا کام ختم نہ کر لیں آرام نہیں فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی پیشی میں کاغذات کے انبار جمع نہیں رہتے ان کے دور میں تین روز بھی کاغذ نہیں رکتا۔

بڑے بڑے محنتی اور مشہور کام کرنے والے حیران ہو جاتے ہیں جب اعلیحضرت میر عثمان علیخان کے کاموں کا شمار کر کے دیکھتے ہیں حضور کی پیشی کے آدمی بھی بڑے مستعد اور محنتی ہیں مگر وہ بھی اس اکیلی ذات کے کاموں کی کثرت اور وسعت دیکھکر بعض اوقات ششدر رہ جاتے ہیں مگر کمال یہ ہے کہ باوجود اتنی محنت اور مصروفیت اور مشغولیت کے اعلیحضرت لوگوں سے ملتے اور دوسرے تفریحی مشاغل کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔ اور اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انکے پاس کچھ کام ہی نہیں۔

حافظہ کی قوت | حیدرآباد ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان میں شاید کوئی حکمران اعلیحضرت کا سا حافظہ نہیں رکھتا وہ دس دس سال کی پرانی مثلوں کی عبارتیں لوگوں کو سنا دیتے ہیں اور فرما دیتے ہیں کہ میں نے دس سال پہلے اس مقدمہ کے متعلق یہ لکھا تھا اور اس ارشاد کے وقت محض فیصلہ کا خلاصہ ہی نہیں فرماتے بلکہ فیصلہ کی تمام عبارت پڑھ دیتے ہیں اور جب دفتر سے مثل منگا کر دیکھی جائے تو حاضرین حیران رہ جاتے ہیں کہ دس سال کی پرانی عبارت کیونکر اعلیحضرت کو یاد رہی حالانکہ اس قسم کی سینکڑوں عبارتیں روزانہ آپ کے قلم سے نکلتی ہیں۔

اعلیحضرت پنسل سے لکھتے ہیں | یہ بھی قابل ذکر خصوصیت ہے کہ اعلیحضرت کی اکثر تحریرات پنسل سے ہوتی ہیں آپ کا خط نہایت صاف اور پختہ ہے آپ نہایت جلدی اور بلا تامل لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اور پنسل کی تحریر اتنی صاف ہوتی ہے کہ ہر شخص آسانی سے

پڑھ سکتا ہے۔

کھڑے کھڑے لکھ سکتے ہیں | اعلیحضرت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ میز پر پھیلے ہوئے کاغذات پر کھڑے کھڑے لکھ سکتے ہیں اور اتنا جلدی اور قلم برداشتہ لکھتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور کوئی بادشاہ اتنا اچھا اور جلدی نہیں لکھ سکتا ہوگا۔
(ضمیمہ روزنامچہ ۱۶ فروری)

محتاط تقریر

دنیا میں شاید کوئی بادشاہ ایسی محتاط تقریر کرتا ہوگا جیسی اعلیحضرت حضور نظام کرتے ہیں۔ ان کے ہر لفظ کے اطراف میں بے شمار پہرہ دار ہوتے ہیں اور اپنے مخاطب کے دلی منشا کی اصلیت کو اتنی جلدی سمجھ جاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے ان کے سامنے غلط بیانی کرنی قطعی ناممکن ہے جس طرح کسی صاحب مکاشفہ درویش کے سامنے جھوٹ بولنا مشکل ہوتا ہے۔

قوت فیصلہ

ایشیائی ملکوں کی مغلوبیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہاں کی اقوام میں قوت فیصلہ کم ہو گئی ہے۔ معمولی باتوں کے فیصلہ کے لئے کئی کئی دن غور کرتے ہیں پھر بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہونچتے مگر۔

"اعلیحضرت کو شاید یہ قوت تمام ایشیا کے حصہ کی ملگئی ہے کہ ہر بات کا فیصلہ ایک سکنڈ میں کر دیتے ہیں۔"

چنانچہ میں نے آج جو باتیں پیش کیں ان کا فیصلہ فوراً دو دو الفاظ میں کر دیا گیا اور فیصلہ بھی ایسا جو مہینوں کے غور و خوض سے بھی زیادہ صحیح معلوم ہوتا تھا۔ (حسن نظامی)

اعلیحضرت کی شخصیت کا اثر

میں اعلیحضرت سے بارہا مل چکا ہوں مگر جب ملتا ہوں انکی شخصیت کا مجھ پر ہمیشہ ایک خاص اور نیا اثر ہوتا ہے ان کی گفتگو کنول کا پھول ہوتی ہے جو پانی کی سطح پر تیرتا نظر آتا ہے مگر اسکی جڑ پانی کی تہ کے اندر ہوتی ہے یہ شخص عام انسانوں سے

کچھ اونچا معلوم ہوتا ہے گو بشری پیکر ہے مگر حیرت آمیز کرکیٹر ہے۔

نکتہ آفرینی

مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر ۲۵ فروری ۱۹۳۴ء کو خواجہ حسن نظامی صاحب کے نظام الاسکول کو دیکھنے گئے تھے۔ وہاں ایک فوٹو ذالک فضل اللہ پر سنجیدہ مذاق سے گفتگو ہونے لگی اسی سلسلہ میں سر یمین السلطنت نے فرمایا۔

"ایک بار اعلیحضرت نے اعتراض کیا کہ ہم لوگ ہر بات سرکار کے اقبال سے کیوں کہا کرتے ہیں۔ اسکا جواب ہم نے دیا کہ ہماری اصطلاح میں اقبال سرکار کے معنی فضل خداوندی ہیں اسپر اعلیحضرت مسکرا کر چپ ہو رہے ہے"

اعلیٰ حضرت کی ایمانی کیفیت کی ایک جھلک اس اعتراض میں نمایاں ہے باوجودیکہ وہ ایک ملک کے بادشاہ ہیں۔ لیکن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کی ہی عظمت وجلال کا رعب ہے اور آپ اتنا ہی گوارا نہیں کرتے کہ کسی کامیابی کو انکے اقبال کا نتیجہ قرار دیا جاوے یہ ایک ذوقی امر ہے۔ میں اگر ہوتا تو صاف عرض کرتا کہ خدا کے مقرر کردہ سلاطین کو ایک اقبال دیا جاتا ہے اور اسی اقبال کیوجہ سے ان پر فتوحات کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

حیدرآباد کا فلسفی سلطان

اعلیحضرت سلطان دکن نے ایک فلسفیانہ فطرت پائی ہے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی صاحب ایک ملاقات کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں کہ

"آج اعلیحضرت سے ملنے گیا تھا انکی شاہانہ اور فلسفیانہ تقریر سے مستفید ہوا فلسفہ حیات انسانی کے بڑے بڑے سبق اعلیٰ حضرت کی زبان مبارک سے سننے میں آئے۔ ہندوستان میں کوئی فرمانروا بھی اس قابلیت کا نہیں"

(۲۸ اکتوبر ۱۹۲۲ء)

چھوٹے بچوں پر التفات

خواجہ حسن نظامی صاحب نے اعلیحضرت سلطان دکن کے سفر دہلی ۱۹۳۴ء کا ایک واقعہ لکھا کہ۔

۲۶ فبروری ۱۹۳۴ء کو اعلیحضرت جمعہ کی نماز کے لئے حضرت محبوب الٰہی رضؓ کی مسجد میں تشریف لے گئے تھے نماز سے فراغت کر کے جب خواجہ صاحب کے مکان پر تشریف فرما ہوئے خواجہ صاحب نے اپنے تیسرے چار سالہ لڑکے زید کا ذکر کیا تھا کہ اسکو مسلمان بادشاہ کے دیکھنے کا شوق ہے۔ ارشاد ہوا کہ وہ بچہ کہاں ہے زید حاضر ہوا اور سلام کر کے ادب سے قریب بیٹھ گیا۔

ایک اجنبی بچہ | کہیں سے ایک اجنبی بچہ بھی وہاں آگیا تھا اس نے کوئی بات گذارش کی اعلیحضرت نے تبسم کے بعد ارشاد کیا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ اور اس کے بعد اس کی بات سماعت فرمائی۔

اعلیحضرت سلطان دکن کی بھائیوں سے محبت

حکومتوں اور سلطنتوں کی تاریخ میں بادشاہوں کے تعلقات اپنے بھائیوں سے دلچسپ اور عبرت انگیز مطالعہ ہے۔ بسا اوقات بادشاہ اور اس کے بھائیوں میں عداوتوں اور سازشوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ چلا آتا ہے اور یہ حکومتوں کی تاریخ کا ایک نہایت زہرہ گداز باب ہے لیکن دولت آصفیہ کا موجودہ عہد اس خصوصیت میں

ایک امتیازی درجہ رکھتا ہے

آصفجاہ ہفتم کو اپنے بھائیوں سے انتہائی محبت و خلوص ہے اور اسکا مشاہدہ اکثر مواقع پر ہوا ہے کہ اگر کسی تقریب پر انہیں آنے میں دیر ہوتی ہے تو اعلیحضرت ہمہ تن اشتیاق ان کے لئے منتظر کھڑے ہیں

سر مہاراجہ یمین السلطنت نے (جو ایک فرسیس اور مدبر وزیر اعظم ہیں) ایک موقع پر اسی کلیہ کا اظہار فرمایا کہ۔

"حکومت کی تاریخ میں بھائیوں کے کشیدہ تعلقات بھی بہ کثرت ہیں مگر اعلیحضرت حضور نظام اپنے بھائیوں پر بھی اتنی شفقت فرماتے ہیں کہ بھائی صاحبان اعلیحضرت ہی کو پدر محترم سمجھتے ہیں"

اس محبت و شفقت کا ایک مظاہرہ اس وقت بھی ہوا جبکہ خدا تعالیٰ کی مشیت نے پرنس صلابت جاہ کو موت کے ذریعہ جدا کر دیا۔ اعلیحضرت پر اس کا بہت بڑا اثر ہوا۔ باوجود ضبط نفس کے آنکھیں اشکبار تھیں اور بار بار انکی خوبیوں اور کمالات کا ذکر کرتے تھے۔ پرنس صلابت جاہ ایک ذی علم شاہزادے تھے۔ عربی زبان سے انہیں محبت تھی اور اس میں اسقدر کمال انکو حاصل تھا کہ نہایت عمدہ شعر کہتے تھے اور ایک مجموعہ عربی اشعار کا موجود ہے اعلیٰ حضرت نے ان اشعار کو انگریزی زبان کا لباس پہنا کر شایع کرنے کا خیال بھی فرمایا تاکہ

مرحوم بھائی کی علمی یادگار قائم ہو

کہتے ہیں کہ وہ مجموعہ انگریزی زبان کے بے نظیر ماہر اور قادر الکلام شاعر نواب سر نظامت جنگ بہادر کے سپرد ہوا ہے یا ہوگا تاکہ وہ ان اشعار کا انگریزی نظم میں ترجمہ کر دیں۔

خلاصہ یہ کہ اعلیحضرت کو اپنے بھائیوں سے بے انتہا محبت ہے کوئی سفر ایسا نہیں ہوتا کہ وہ ہم رکاب نہوں دعوتوں کی تقریب میں وہ سب سے قریب ہوتے ہیں۔ اور بھائی بھی نہایت مخلص اور اپنے بادشاہ بھائی کی محبت میں سرشار اور فدائی ہیں افسوس ہے نواب صلابت جاہ بہادر کی وفات نے ایک نہ مٹنے والا صدمہ اعلیحضرت کو دیا مگر سچ یہی ہے سہ

اک نہ اک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے — چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے
چھوڑنی ہوگی تجھے دنیائے فانی ایک دن — ہر کوئی مجبور ہے حکم خدا کے سامنے

صفاتِ شاہانہ

جناب شاہد صدیقی صاحب

جس طرح یہ کہنا درست نہیں کہ آفتاب کا عرفان حاصل کرنے کی غرض سے کسی دلیل کی حاجت ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ بھی قابل تسلیم خیال نہیں کیا جا سکتا کہ کسی مجموعۂ اوصاف و کمالات حکمران کی مدح الفاظ و پیرایۂ بیان کی محتاج ہے۔

اس قابل تردید فیصلے کے بعد زیر نظر سطور کی حیثیت سوائے اس کے اور کچھ باقی نہیں رہتی کہ جوش عقیدت حروف و الفاظ کی صورت میں متشکل ہونا چاہتا تھا۔ اور اسی سالگرہ مبارک کی خارجی تحریک نے "کارفرمائی" کا موقع دیدیا۔ اب اگر حکایت "دراز تر" ہوجائے تو اس کی "لطافت" کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے مجھے معذور سمجھنا چاہیئے۔ معذور بھی اور وقت و فرصت کی کمی کا شکوہ گزار بھی کیونکہ

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

آقائے ولی نعمت کی سالگرہ مبارک کا یہ روز سعید اپنے دامن میں عیش و نشاط کے جس قدر سامان لئے ہوئے ہے اس کا تذکرہ بجائے خود ایک طویل داستان ہے۔ مختصر الفاظ میں یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ مسرتوں کا نزول، لطافتوں کی بارش، تسکین و سرور کا ہنگامہ اور شادی و شادکامی کا یہ سیلاب، غرض کہ تمام ایسی فیروزی لذتوں کا یہ مجموعہ جس نے آج دکن کی سرزمین پر "تقریب سالگرہ" کی شکل اختیار کرلی ہے۔ ہمارا بین و واضح طور پر تو یہ مسرت پہنچا رہا ہے گویا ایک [illegible]

اٹھتی ہے۔ اور روحوں سے گزرتی ہوئی لامحدود فضاء میں پھیل جاتی ہے۔ ؎

ہواؤں میں نزاکت ہے فضاؤں میں لطافت ہے
دکن کا ذرہ ذرہ آج تصویرِ مسرت ہے

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ وقت کم ہے اور کام اہم دنیا کے جلیل القدر حکمراں، حکیم السیاست، سلطان العلوم ہمدرد خلق روشن دماغ اور مرجع محبت و مودت بادشاہ کے متعلق اظہار خیال، اتنا احتیاط طلب مرحلہ ہے۔ اور اتنا قابل تشریح موضوع کہ اگر میں اپنے تمام عقلی و دماغی قویٰ کو بیدار کر کے اس سے گزرنا چاہوں تو بھی مشکل ہے۔ اور اگر صبح دکن* اپنی ایک سال کی مجموعی اشاعتوں کو اس کے لئے وقف کر دے تو بھی ممکن نہیں، میں ان سطور میں جنھیں بسلسلہ عرض محبت و حصول شرف سپرد قرطاس کیا جا رہا ہے۔ ذات ہمایونی کی ان چند نمایاں ترین خصوصیات کی جانب سرسری اشارے کرونگا جن کی موجودگی ایک انسانی ذات کو ہر شعبہ زندگی میں "مکمل" بنانے کی ضامن ہوتی ہے۔ اعلیحضرت کی جن صفات روشن کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں انتک پہنچ کر ہر وقت پسندن گاہ "اعتراف جلال" کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ اور ان محاسن کی معرفت حاصل کر کے ہر دماغ مدح سرائی پر آمادہ نظر آتا ہے۔ یہ خصوصیات اس درجہ نمایاں اور واضح ہیں کہ انہیں "مسلمات" کی حیثیت حاصل ہے۔ اور میں آج ان کی جانب قارئین کو اس لئے توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ عقیدت و محبت کے جو نقوش ان کے دلوں میں موجود ہیں وہ زیادہ مجلا ہو جائیں اور وفاداری و شاہ پسندی کے جو جذبے ان کی روحوں کو "سراپا نیاز" بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں کچھ اور تڑپ پیدا ہو جائے۔

اس سلسلہ میں ایک حد تک ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذات ہمایوں کی صفات و خصوصیات کو ایک تواتر کے تحت بیان کروں اور خصائص شاہانہ کے متعلق اپنی ناچیز رائے کا اظہار بھی کرتا چلوں۔

---

* صبح دکن حیدرآباد کا مشہور روزنامہ ہے اور اسی سے یہ مضمون لیا گیا ہے۔ عرفانی۔

تدبّر

ذات گرامی بہ حیثیت ایک بادشاہ کے جو صفت سب سے زیادہ نمایاں ہے ۔
وہ تدبّر ہے ۔ اپنی جامعیت نیز اپنے متعلقات کے لحاظ سے خصوصاً ایسی صورت
میں جبکہ اس کا واسطہ کسی والئ ملک سے ہو ۔ یہ صفت اہم ترین سمجھی جاتی ہے ۔ اور
مجھے اس موقع پر یہ کہتے ہوئے ایک نوع کی ناقابل بیان مسرت کا احساس ہو رہا ہے کہ
دکن کی قسمت کا مالک فطرت کی جانب سے "تدبر" کا بہترین جوہر لے کر آیا ہے ۔ کوئی
مسئلہ ہو سیاسی یا قومی، ملکی یا مذہبی آپ ذات ہمایونی کے طرزِ عمل کو غائر نگاہ سے
ملاحظہ فرمائیے ۔ تو قول و تحریر کی تہہ میں اعلیٰ ترین قسم کا تدبّر کار فرما نظر آئے گا ۔ اور
یہہ ایک ایسی نعمت ہے جو نہ صرف ذات شاہانہ کے لئے بلکہ تمام حلقہ بگوش محبت کے
واسطے باعث فخر و مباہات ہے ۔

رواداری

یہ صفت اعلیٰ حضرت کی پوری حیات مبارک کا خصوصی نقش ہے اور جس
شخص نے دکن کے اندرونی حالات اور ممالک محروسہ نظام کی بین الاقوامی فضاء کو
گہری نظر سے دیکھا ہے وہ اس حقیقت کو ماننے پر مجبور ہے کہ ارض دکن پر سانس لینے والی
ہر قوم خواہ اس کا تعلق "حرم" سے ہو یا "دیر" سے اور خواہ اس کے دل میں جذبات "وحدت
پرستی" ہوں یا خیالات "تثلیث نوازی" بغیر شاہانہ امتیاز مراحم خسروانہ سے مستفید
ہو رہی ہے، میرا یہ دعویٰ بے دلیل نہیں کہلایا جا سکتا ہے اگر کسی کو شوق تحقیق ہو تو
اٹھے ۔ اسے بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ خانہ خدا (مسجد) میں اپنے سر نیاز کو خلاق کائنات
کے حضور میں جھکا دینے والا وجود مندروں، صنم کدوں اور کلیساؤں سے بھی غافل
نہیں ہے ۔ اور بزرگان اسلام سے عقیدت رکھنے والی ذات کا نغمہ محبت کرشن
اور بدھ کے پجاری بھی خوش ہو ہو کر گا رہے ہیں ۔

علم دوستی

قوموں کی ہر جہتی ترقی کا سب سے پہلا زینہ علم ہے۔ آج دنیا کی اس طویل و بسیط سطح پر وہی گروہ معزز و مقتدر نظر آرہے ہیں جنہوں نے اس زینے پر اپنے قدم استحکام کے ساتھ جمائے پھر چونکہ راعی کا اثر رعایا پر اور حاکم کا رنگ طبیعت محکوموں پر مستولی ہونا ضروری ہے۔ اس لئے میرے خیال میں وہ ملک سب سے زیادہ خوش نصیب کہلایا جاسکتا ہے۔ جس کا والی علم دوست و معارف پرور ہو۔ یہ صفت جیسے خزانہ صفات انسانی میں "درشہوار" کی حیثیت حاصل ہے۔ خانوادۂ آصفی کا بالعموم اور موجودہ شاہ دکن کا بالخصوص طرۂ امتیاز ہے۔ اعلیحضرت کی علم دوستی نے دکن کے گوشہ کو جس درجہ روشن کیا ہے۔ اور ذات والا کے چشمۂ علم سے جتنے پیاسے سیراب ہوئے ہیں۔ ان کا ایک سرسری اندازہ بھی فرصت طلب ہے میں اس مقام پر بلا خوف تردید یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ "علم دوستی" اور ادب نوازی کے سلسلہ میں حضرت اقدس و اعلیٰ کی فیاضیاں اور نوازشیں اس درجہ روشن ہیں کہ ان کے مقابلہ میں ماضی و مستقبل کی فضا میں ایک حد تک تاریک نظر آتی ہیں سب سے زیادہ خوش گوار حقیقت جو ایک طالب تحقیق کو متحیر ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ذات ہمایونی کی علمی فیاضی "مکان و زمان" اور قومیت و وطنیت کی حدود سے بالاتر نظر آتی ہے میری مراد یہ ہے کہ علم دوست بادشاہ کا ابر کرم صرف حدود دکن اور باشندگان ممالک محروسہ ہی پر نہیں برستا بلکہ اس کی روح افزا بارش سے "علاقہ ہائے غیر" بھی سرسبز و شاداب ہیں۔

روشن خیالی

اس سے مراد وہ خصوصیت ہے جس کی کارفرمائیاں کسی قوم کو جہالت و پستی اور تنگ نظری و وہم پرستی کے اندھیرے سے باہر نکال لاتی ہیں یہی وہ بنیاد ہے جس پر قومی اعزاز و بزرگی کے فلک آشنا ایوان تیار ہوسکتے ہیں، یہی وہ بیج ہے

جس سے پیدا ہونے والے خوشنما و فائدہ بخش درختوں کے سایہ میں تھکی ہوئی جماعتیں آرام لیتی ہیں اور یہی وہ چنگاری ہے جو راہ عمل میں بڑھنے والے طبقوں کو سرگرم و "آتش زیرپا" رکھتی ہے اندریں حالات ہوائے دکن میں زندگی کا سانس لینے والی قومیں کس قدر خوش نصیب ہیں کہ ان کا آقا۔ ان کا مرکز محبت و عقیدت ایک روشن خیالی انسان ہے، اور اس مبارک انسان کی روشن خیالی کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ دکن کی سرزمین سے کورانہ رسم و رواج اور جاہلانہ توہمات کے نقوش مٹ رہے ہیں ایک ذہنی و روحانی بیداری کی فضا پیدا ہو رہی ہے۔ اور ان مشاہدات کی روشنی میں ہمارا "قومی مستقبل" تابناک و درخشاں نظر آرہا ہے۔

ترقی پسندی

روشن خیالی کی شاخ سرسبز میں ترقی پسندی کا ثمر شیرین پیدا ہوتا ہے اور جن لوگوں کو قومی نفسیات کا علم ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ خصوصیت (یعنی ترقی پسندی) اجتماعی زندگی کو بہترین طریقے پر قائم رکھنے کا سب سے زیادہ قابل اعتبار نسخہ ہے اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے۔ تو پھر ہم اپنی قسمتوں کو قابل رشک کیوں نہ سمجھیں کہ خدا نے ہمیں ایک ترقی پسند بادشاہ کے زیر سایہ زندہ رہنے کی سعادت عطا فرمائی کیا ان حقائق سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ آقائے ولی نعمت کے اس عہد زرین میں دکن تعمیری، شہری ذہنی، علمی، اور روحانی ترقی کے راستوں پر سرگرمی سے گامزن ہے، ہر وہ شخص جو آج دس سال کے بعد حیدرآباد آئے اور یہاں کی ملکی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرے تو اسے متعجب ہونا پڑیگا۔ وہ دیکھے گا کہ "دکن" "حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ترقی کی بلندیوں تک پہنچتا جا رہا ہے، اور وہ وقت دور نہیں کہ مشرق اپنے اس بہتر و ممتاز نقش کو مغربی ممالک کے سامنے فخر و غرور کے ساتھ پیش کر سکے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ آخر اس سیلاب ترقی کا حقیقی سرچشمہ کہاں ہے؟ وہ کونسی شمع ہے

جس کے نور سے دکن کی کلیاں، اور باشندگانِ ملک کے دل و دماغ چمک رہے ہیں۔
میں عرض کروں اور میرا یہ عرض کرنا حقائق و واقعات پر مبنی ہے کہ ترقی کی یہ دوڑ
حصول اعزاز کی یہ کوشش بلندی پر پہنچنے کا یہ جذبہ والیٔ دکن کی ترقی پسندی اور بلند حوصلگی
کے روشن نشانات ہیں۔ اور اسی ذات کا فیضان ہے کہ دکنی قومیت "میخانۂ اقوام"
میں اپنے ظرف عالی اور "وقارِ مستی و ساقی پرستی" پر فخر کرسکتی ہے۔

سادگی

ایک حکمران عظیم المرتبت بادشاہ ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی قسمتوں کا
مالک دنیا کا عدیم النظیر مدبر اور افقِ مشرق کا ایک درخشندہ ستارا دنیا جانتی ہے کہ اسلامی
سادگی کو کس درجہ عزیز رکھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں کی نگاہیں صحیح معنوں میں
"مسلمان بادشاہ" کو دیکھنا چاہتی ہیں، جن بزرگوں نے آغازِ اسلام کے حکمرانوں کی زندگیوں
کا مطالعہ کرکے اپنے ذہن میں "اسلامی تاجدار" کا کوئی تخیل قائم کیا ہے۔ وہ آئیں انہیں
ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کا مالک سادگی کے گہرے اور دل نشین رنگ میں
رنگا ہوا نظر آئے گا، پھر اگر آقائے ولی نعمت کو دیکھنے والی نگاہوں میں اعترافِ صداقت
کا نور ہے تو وہ اس فخر کے ساتھ چمک اٹھیں گی کہ اسلامی عادات و خصائل اور شاہانِ اسلام
کی حقیقی عظمت کو نمایاں رکھنے والا ایک زندہ نقش ابھی تختِ دکن پر موجود ہے اور مسلمانوں
کی قوم اپنے اس فرماں روا کی ذات پر ناز کر رہی ہے۔

انصاف نوازی

بالآخر اوصافِ شاہانہ کی جانب سرسری اشاروں کی دوران میں وہ اہم
ترین صفت بھی معرض گفتگو میں آ ہی گئی جس سے متصف ہونا گویا حکمرانی کا ناقابلِ تردید
استحقاق ہے۔ انصاف، عدل، اور فیصلہ صحیح یہ ایسے الفاظ ہیں جو عامۃ الورود ہونے
کے باوجود اکثر مقامات پر شرمندہ معنی نہیں ہوتے۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر جس والیٔ ملک

کو انصاف نوازی کا جذبۂ مسعود عطا کرے اس کے آستانِ حکومت پر داد خواہوں کی جبینوں کا جھکنا ضروری ہے جو ذات شاہانہ اپنی رعایا کے ساتھ معدلت گستری سے مملو طرز عمل اختیار کر سکے۔ فضاء سیاست میں اس کی برتری کا اعتراف ہوا کی ہر جنبش اور ذرہ کی ہر حرکت کو کرنا پڑتا ہے۔ اس خصوصیت کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے خسرو دکن کا وجود مسعود جس درجہ قابل محبت و عقیدت نظر آتا ہے، اور طبیعتوں میں وفا کیشی و سرفروشی کے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کا بیان "قرطاس وقلم" کی گرفت میں نہیں آسکتا۔ آقائے ولی نعمت کی جانب سے پورے دورِ حکومت میں انصاف پسندی اور عدل نواز کے جو نمونے دیکھنے میں آئے ہیں، ان کی اہمیت "سر شاہ پرست" دل کو مجبور کرتی ہے کہ اپنی قسمت پر ناز کرے یقیناً اس عدل ناآشنا اور باطل پسند زمانہ میں کسی قوم کی انتہائی خوش بختی یہی ہو سکتی ہے کہ اس پر حکمرانی کرنے والی ذات زیور عدل سے آراستہ ہو، پھر ایسی قومی یا مذہبی امتیاز کی پابند نہیں ہے۔ ہم بجا طور پر بلا قید امت و مشرب اظہار نشاط و مسرت کر سکتے ہیں اور اپنی قسمت کی تابانیوں پر، دل سے نکلے ہوئے نغمے فضاء دکن میں پھیلا سکتے ہیں۔

ہمدردی رعایا

لاوارث یتیموں کے ہنستے ہوئے چہرے بے یار و مددگار بیواؤں کی مطمئن نگاہیں، مفلوج و ازکار رفتہ انسانوں کے سراپا سپاس دل، اور فلاکت زدہ اندھوں کی شکر گزار روحیں حضرت اقدس و اعلیٰ کے جذبۂ ہمدردی کی ناقابل تردید شہادتیں ہیں۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جن کی زندگی کا واحد ذریعہ ذات شاہانہ کی رعایا نوازی ہی ہے۔ یہی ایک ایسا محور ہے جس پر ملک کے اکثر معذور لوگ اپنی حیات فانی کو گردش کرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں وہ جلیل القدر بادشاہ جس کے ہاتھوں میں ایک سلطنت کی عنانِ حکومت ہے اپنی رعایا کے ساتھ پدرانہ شفقت کا برتاؤ کرتا ہے۔

اپنے ملک میں بسنے والے بندگانِ خدا کی تکلیف اسے متاثر کرتی ہے اور اس کی شاہانہ فیاضیاں ہمہ وقت آغوش کھولے ہوئے نظر آتی ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس روحانی آغوش میں بہت سے مغموم و معصوم انسان زندگی کا اصلی لطف حاصل کر رہے ہیں۔

ذوقِ شعر

اعلیٰ حضرت کے مبارک مشاغل میں "شعر گوئی" کا جو درجہ ہے اسکی رفعت پر غور کرتے ہوئے میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ "مقالہ مختصر" جو اس نشاط انگیز تقریب کے سلسلہ میں صرف ایک ہدیۂ حقیر کی حیثیت رکھتا ہے ہرگز کافی نہ ہوگا۔ کوشش کر رہا ہوں کہ "جشن سیمین" کے موقع پر اعلیٰ حضرت کے "افکار عالیہ" کے سلسلہ میں بقدر شوق و رسائی اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کرنے کی سعادت حاصل کروں۔ اس موقع پر صرف اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ ملکۂ فطری سلسلۂ آصفیہ میں "گوہر آبدار" کی شکل سے درخشاں رہا ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے اس "فن شریف" کی جانب توجہ معطوف فرما کر ارباب ذوق پر جو احسان کیا ہے وہ قابل فراموشی نہیں اور بزم سخن میں حضور والا کے اشعار عالیہ نے جو رونق افزائی کی ہے وہ اہل بصیرت کے لئے نہ صرف جاذب نظر بلکہ روح و دماغ میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے والی ہے۔

صفات و اوصاف کے "دریائے بے پایاں" میں سے چند قطرے پیش کرکے میں اپنے قلم پر نازاں ہوں اور سالگرہ مبارک کی مسرت آفرینی نے میرے دل میں جن جذبات عقیدت کو مضطرب

کر رکھا ہے ان کے اظہار کی قوت نہیں۔ اس لئے آئیے ہم آپ سب مل کر اپنے آقا۔ اپنے حکمران۔ اور مرجع وفاداری و محبت کی بارگاہ عالی میں ہدیۂ تہنیت پیش کریں۔ اور پھر خلوص دل سے ایک زبان ہوکر دعا مانگیں کہ وہ جو عباسیوں، امویوں، علویوں، عثمانیوں، ورانیوں اور افغانیوں کی حکومتوں کا محافظ رہا ہے۔ جس کی رحمت کے چھینٹوں نے سلطنتوں کو شاداب رکھا ہے۔ مملکت آصفیہ پر اپنی مہربانیاں نازل کرے یہاں کی پرامن فضا کو قیام حاصل ہو۔ سرزمین دکن پر بسنے والی قومیں متحد و متفق رہیں۔ اور وہ ذات گرامی جس کی سالگرہ منائی جا رہی ہے ہم پر سایہ افگن رہے۔ ہر صبح کو مشرق سے جھانکنے والا آفتاب باشندگان دکن کو مسرور و مطمئن دیکھے اور راتوں کی تاریکی میں چمکنے والے تارے دولت نظام کی روز افزوں ترقی پر متبسم رہیں! آمین

خدا پر بھروسہ کرنیوالا بادشاہ

حضور نظام اتنے بڑے ملک کے تاجدار ہیں جہاں پہلے چار بادشاہوں کی حکومتیں تھیں اور اب وہ سب ایک حضور نظام کے قبضہ میں ہیں مگر اتنا بڑا بادشاہ باوجود ہر قسم کے دنیاوی اسباب کا مالک ہونے کے کسی دنیاوی سبب پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اسباب پیدا کرنے والے خدا پر اسکا توکل اور اعتماد اور بھروسہ رہتا ہے۔

چنانچہ حضور نظام کے ملک میں سالہا سال سے طاعون پھیلتا ہے جسکو بادی زمانے والے متعدی کہتے ہیں اور یہ واقعہ بھی ہے کہ طاعون متعدی بیماری ہے اور طاعون زدہ مکان سے علیحدہ ہوجانا مفید ہوتا ہے لیکن حضور نظام کبھی ایک دفعہ بھی طاعون کے زمانہ میں اپنے گھر سے کسی دوسری جگہ نہیں گئے حالانکہ انکی رعایا انکے امراء انکے عہدہ دار طاعون کی شدت کے وقت گھر چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں

چلے جاتے ہیں مگر آپکی زندگی میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ہے کہ انہوں نے وبائی امراض کی شدت میں کبھی بھی اپنا گھر چھوڑا ہو جس سے انکی قوت ارادی (دلِ پاور) اور اعتماد علی اللہ کا ثبوت ملتا ہے۔

اقبال سرکار کا لطیفہ

سٹر کن السلطنتہ نے ایک مرتبہ یہ بیان کیا کہ ایک بار اعلیحضرت نے اعتراض کیا کہ تم لوگ ہر بات سرکار کے اقبال سے کیوں کہا کرتے ہیں اسکا جواب ہم نے دیا کہ ہماری اصطلاح میں اقبال سرکار کے معنی فضل خداوندی ہیں اسپر اعلیحضرت مسکرا کر چپ ہورہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ لطیفہ بجائے خود جہاں سر مہاراجہ بہادر کی حاضر جوابی اور فطانت کا ثبوت ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اعلیحضرت بیجا خوشامد اور رسمی تکلفات کو پسند نہیں فرماتے اور ہر کامیابی کا خدا تعالیٰ کا فضل سمجھتے ہیں۔

اصلاحی امور

اعلیحضرت کی سیرۃ میں یہ امر بھی داخل ہے کہ بعض ایسے امور کو جو منکر کا رنگ رکھتے ہوں انکے انسداد و اصلاح میں حصہ لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد کو کون پسند نہیں کرتا۔ حضور کی مدح اور نعت مومن کے قلب پر ایک گہرا اثر پیدا کرتی ہے لیکن بعض اوقات ایسے لوگ نعت پڑھتے ہیں جو اپنے اعمال و کردار کے لحاظ سے نہایت ذلیل ہوتے ہیں اس صورت حال کو دیکھکر "بے محل نعت خوانیوں" سے آپ نے روکدیا یعنی بازاری عورتوں کو نعت خوانی سے روکا جاوے تھیٹروں، چائے خانوں، اور بازاری مقامات پر نعت خوانی نہو۔ ایسا ہی ماہ رمضان میں رات بھر ہوٹلوں وغیرہ میں افطار سے لیکر سحر تک گانا بجانا ہوتا تھا۔ اسے روک دیا گیا۔ غرض اگر ایسا معاملہ نہی عن المنکر کا آپکے نوٹس میں آجاوے تو اسپر فوراً نوٹس لیتے ہیں خواہ وہ کتنی بڑی شخصیت کے متعلق ہو گلبرگہ کی درگاہ سے آپکو بڑی عقیدت ہے اور ہر سال تقریب عرس پر وہاں جاتے ہیں لیکن جب وہاں کے سجادہ نشین کے متعلق کچھ شکایات پہونچیں تو آپ نے انکو آگاہ کیا اور اصلاح کا موقعہ دیا لیکن انہوں نے کچھ پروا نہ کی تو اعلیحضرت نے فرمان مورخہ ۲۹ صفر المظفر ۱۳۵۴ھ کے ذریعہ انکو سجادگی سے علیحدہ کردیا مگر درگاہ کے ساتھ جو جاگیر تھی اسے ضبط نفرمایا ہاں اسکے انتظام کیلیے سرکار کی طرف سے ایک ناظم

کے تقرر کا فیصلہ فرمایا اور مسند سجادگی پیران کے صاحبزادہ کو نامزد کر دیا ہیں اس سلسلہ اصلاحات میں زیادہ تفصیل سے

برکاتِ عثمانی

میں بحث کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وباللہ التوفیق

شاہ دکن ایڈیٹر انڈین سٹیٹ کی آنکھ سے

ہمارے بادشاہ اپنی رعایاء کے حق میں مہربان باپ کی سی الفت رکھتے ہیں۔ آج کے دن اعلیٰ حضرت جائز طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ حضور کی ادنیٰ توجہ سے ہندوستانی سیاسیات میں بہت کچھ ترقی ہوئی۔ اس بیس سالہ (اب تو پچیس سالہ کہنا چاہیے دورِ خاقانی) حیدرآباد کی ترقی دولت و ثروت میں اسقدر اضافہ ہوا جو گزشتہ دو صدی سے اب تک نہیں ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت میں فرض شناسی کا مادہ اسقدر ہے کہ حضور پرنور نے اپنے آپ کو نصفت پرور، بیدار مغز، وسیع القلب، ہمدرد اور قابل تقلید بادشاہ ثابت کیا اگر اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علیخاں بہادر کی گزشتہ بائیس سالہ دورِ حکمرانی پر نظر ڈالی جاوے تو بغیر جانبدار نقاد کو اس ریاست نے جو عظیم الشان ترقی کی ہے۔ اس کا یقین ہو جائیگا حضور پرنور بلا تفریق مذہب و ملت اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں جس سے آپ کا مرتبہ ہندوستان کے دیسی روسا میں

صف اول میں ہے

وزیراعظم برطانی کا یہ کہنا کہ اعلیٰ حضرت ایک قابل نمونے فرمانروا ہیں۔ محض حقیقت پر مبنی ہے۔ میری نظر میں تو حضور کی ہستی اس سے بھی بالاتر ہے ہمارے بادشاہ کی ہستی واجب الاحترام ہے۔ جو تمام اصلاحی کاموں میں درخشان ستارہ کی طرح رہنمائی کرتی ہے۔

حیدرآباد میں فرقہ وارانہ منافرت مفقود ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنی عزیز رعایا

اتحاد و اتفاق دیکھنے کے متمنی رہتے ہیں اور حضور کا سلوک تمام رعایا رو برایا یکساں ہے۔ رعایا کے دلوں میں اپنے بادشاہ کی دل و جان سے زیادہ عزت ہے جوان کی سرسبزی کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور عمارہ نظم و نسق سلطنت کے سبب حیدرآباد کا مرتبہ دولت و ثروت میں بہت بڑھ گیا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شفاعت احمد خان (سر شفاعت احمد خان عرفانی) نے لکھا تھا کہ

ہندو مسلم سوال ریاست حیدرآباد میں بالکل مفقود ہے

یہ افسانہ کہ حیدرآباد میں کسی ہندو کو جگہ نہیں دی جاتی بے بنیاد ہے۔ اعلیٰ حضرت نظام نے ہمیشہ ہندوستان کے دو بڑے گروہ میں قطعی طور پر مساویانہ سلوک رکھا ہے اور ان کی حکومت نے ایسی پالیسی پر عمل کرکے اور ہندوستان کے منصف انسانوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ یہ ساری چیزیں دکن کے روشن ضمیر سلطان کی انصاف پسندی کا نتیجہ ہیں ریاست حیدرآباد کے ہندو مسلمان آپس میں برادرانہ تلطف و تعلق رکھتے ہیں۔

میں کام چاہتا ہوں

اسی سلسلہ میں حضوری کے ایک صاحب کا بیان بھی دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ جنہوں نے بمقام دہلی خواجہ حسن نظامی سے بیان کیا کہ اعلیٰحضرت کے سامنے کسی نے ہندو مسلم مسئلہ کی بحث شروع کی تو ارشاد ہوا کہ

"میرے ملک میں ہندو مسلم یا شیعہ سنی وغیرہ فرقوں کا امتیاز نہیں کیا جاتا۔ میں ہر فرقہ کے افراد کے عمدہ کام کو دیکھتا ہوں اور کام کی عمدگی و غیر عمدگی سے اشخاص کا امتیاز کرتا ہوں چاہے وہ کسی قوم اور کسی فرقہ کے ہوں۔"

مولوی عبدالحامد خان صاحب بدایونی کے تاثرات

مولوی عبدالحامدخان بدایونی نے روزنامہ صبح دکن میں اعلیٰ حضرت سلطان دکن کے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس کا اقتباس یقیناً دلچسپی سے پڑھا جاوے گا۔ (عرفانی)

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم سر عثمان علیخان شہنشاہ دکن کا جشن سالگرہ منایا جا رہا ہے اور اس شخص سے اظہار محبت و عقیدت کا اظہار ہونے والا ہے جسکے قلب میں بارگاہ رسالت کی غلامی و محبت کا قوی جذبہ موجود ہے جس کے پہلو میں پہلے جد اعلیٰ امیر المومنین حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی الفت تازہ ہے جس کے دماغ میں سطوت فاروقی کا تخیل ہے جو ذی النورین اور حضور مولائے کائنات کے ساتھ سچی عقیدت و عشق رکھتا ہے۔ جو بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر ماضی کی یاد تازہ کر رہا ہے جسکی نگاہیں عالم اسلامی کی راحت و مصیبت کی طرف لگی ہوئی ہیں جو اسلامی سادگی و مساوات کا بہتر نمونہ ہے۔ جس کے شہنشاہانہ ہاتھ ملت بیضا کی معاونت کے لئے ہر آن منتظر ہیں جس کا دماغ عصبیت سے پاک ہے جس کے ملک کی دولت اپنی عیش پرستی پر نہیں بلکہ قوم اور رعایا کی فلاح و ترقی میں صرف ہو رہی ہے اور وہ اپنے ملک کو ترقی کی عمیق شاہراہوں پر لیجا رہا ہے۔

آج دوسرے مالداروں کی دولت اپنے حظ نفس پر خرچ ہو رہی ہے۔ مگر اس کی مملکت کا خزانہ قومی ضروریات کا بیت المال بنا ہوا ہے۔

آج دوسرے والیان ملک مغربیت کے زہریلے اثرات سے متاثر ہو کر مذہبیت کو فنا کر چکے ہیں مگر اس کے قلب و دماغ میں دنیا کے ساتھ دین بھی شامل ہے۔ وہ اگر دنیا کے مسائل میں معلومات کا حامل ہے تو دینی و مذہبی معلومات میں بھی اس کو خاص بصیرت و نظر حاصل ہے۔

آج دوسرے افراد سے خدا پرستی دور ہو رہی ہے مگر وہ خدا کے خوف و خشیت سے

لبریز دل لئے ہوئے خدا کے گھر میں ہر ہفتہ چند روپیوں کے لباس سے ملبوس ہوکر
اسلامی سادگی کا بہترین نمونہ اسلامی برادری کے روبرو پیش کرتا ہے۔
دنیا کے موجودہ شہنشاہ مغرب کی تحریک وطنیت کے مکروہ جذبہ سے متاثر ہوکر دوسروں کے
لئے اپنی ممالکت میں دروازے بند کر رہے ہیں۔ مگر وہ کل مومن اخوۃ کی تعلیم پر عمل
کر رہا ہے۔ اپنی مملکت میں ہر رہنے والی ملت کے حقوق کا کماحقہٗ نگران و
محافظ ہے اور اس سلسلہ میں یقیناً اس نے شاہان ماضیہ کے صحیح طرز عمل کو از سر نو
زندہ کر دیا۔

اعلیحضرت سلطان دکن کا علمی مقام

حضرت آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ کی تعلیمی حالت سن لیجئے۔ کسی یونیورسٹی نے
درس نہیں دیئے ہیں۔ یورپ کی سرد ہواؤں نے روشن خیال نہیں بنایا ہے۔ اسی
مشرقی طریقہ تعلیم کو حضور کی تربیت کی عزت حاصل ہے۔ اور فضائے دکن ہی کی آب و ہوا
نے "شاہی" کے اصلی گر سکھائے ہیں۔ عربی کے فارغ التحصیل اور قلم برداشتہ عربی لکھنے پر
قدرت رکھنے والے عربی کا ایک خط میری نظر سے بھی گزرا تھا جو مرحوم عماد الملک
بلگرامی کو حضرت بندگان عالی نے تحریر فرمایا تھا۔ مرحوم بلگرامی" اعلیحضرت کی عربیت کا
اعتراف کرتے تھے۔ فارسی میں کئی دیوان مرتب ہوچکے ہیں اور ایک تازہ دیوان
عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ فارسی کا مذاق ہماری بے توجہی
سے مفقود ہو رہا ہے۔ بندگان عالی کی ان جواہر پاشیوں سے اس زبان کے نشر و
احیاء کو جو فائدہ پہونچ سکتا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہ ہوگا۔ انگریزی کے بہترین
انشاء پرداز ہیں۔ اور اردو کے تو بادشاہ ہیں جس قدر فرامین ملک کے نظم و نسق اور عزیز
رعایا کی صلاح و فلاح سے متعلق جاری ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے الفاظ کی بلند
ترتیب اور جملوں کی غیر معمولی نشست جو حضرت بندگان عالی کے قلم مبارک سے بیساختہ نکل جاتے ہیں

انشا پردازی کی جان ہوتے ہیں۔ خود سمجھ لینا آسان ہے مگر دوسروں کو سمجھانا دشوار کام ہے۔ یہ حضرت بندگان عالی کی وسعت نگاہ اور دست گاہ تامہ ہے کہ اہم سے اہم مسائل کو باتوں باتوں اور حد درجہ دلپذیر انداز بیان میں حل فرما دیتے ہیں۔ عبارت تعقید سے پاک اور بیان الجھاؤ سے خالی ہوتا ہے ان شاہی تحریروں کا مطالعہ کرنے والا (جو طرز بیان سے واقف ہو گیا ہے) پہلی نظر میں کہہ اٹھتا ہے کہ یہ ادبی جواہر پارے اس کے قلم سے نکلتے ہیں۔ جس کا انوکھا طرز بیان اپنے رنگ میں مجتہدانہ شان رکھتا ہے یہ فیضان فطرت ہے کہ حضرت اقدس و اعلیٰ کو قدرت نے شاہانہ تدبر و فہم کی عدیم المثال استعداد کے ساتھ علم و ادب کا ایسا صحیح مذاق عطا فرمایا ہے جس کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔ باوجود ان مشاغل کے اخبارات بھی مطالعہ میں رہتے ہیں اور رسائل و کتب بھی مصنفین و مؤلفین کی دماغ سوزیوں پر بھی ناقدانہ نظریں پڑتی رہتی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی مصروف زندگی ان تمام مراحل سے کیونکر عہدہ برآ ہو جاتی ہے۔ میں تو اس کو "فضل الٰہی" اثر سمجھتا ہوں۔

حضرت آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ فاتح ایران کی طرح بادشاہ بھی ہیں اور نفس کشی و سادگی میں "فقر حیدری" کو زندہ کرنے والے بھی غرض کہ ذاتِ شاہانہ ایک وقت میں "انسانی تکمیل" کی مجسم تصویر ہے۔

ایک اخبار کے محدود صفحات میں اس کی کہاں گنجائش کہ جاں نثار "ہوش" حضرت اقدس و اعلیٰ کی زرین حیات کے کارنامے جی کھول کر بیان کر سکے کسی دوسرے وقت کے لئے اپنے خدا سے توفیق چاہتا ہوں اور غالب کا ہمنوا ہو کر اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ:۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار (ہوش بلگرامی)

اعلیحضرت کے علمی مقام کا یہ تذکرہ ایک ایسے صاحب علم کے قلم سے لکھا گیا ہے جس کو اعلیٰ حضرت کی خدمت مین رہنے کا شرف اور قریب سے آپ کو مطالعہ کرنیکی عزت حاصل ہے اور علم النفس کی روشنی مین بندگان عالی کے قول اور فعل پر نظر کرتا ہے۔

"اعلیحضرت کے علمی امتیاز کا اندازہ ان کارناموں سے بھی ہو جاتا ہے جو آپ نے اپنی رعایا کو دولت علم سے مالا مال کرنے مین دکھائے ہیں جامعہ عثمانیہ کی تاسیس اور اردو زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینا ایک ایسا کارنامہ ہے جسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ اور یہی کارنامہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ فلسفہ تعلیم کے ماہر اور مبصر ہیں اور اس حقیقت کو آپنے اپنے عمل سے نمایان کرکے دکھایا کہ علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کا بہترین ذریعہ

مادری زبان ہے

اور اس تجربہ نے جو عثمانیہ یونیورسٹی کے ذریعہ کیا گیا ثابت کر دیا کہ یہی بہترین طریق تعلیم ہے اور اب ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں اس کی تقلید کرنے پر امادہ ہیں اور یہ سوال ان کے زیر غور ہے۔

آپ کے علمی مرتبہ کے امتیاز کے لئے صیغہ تالیف و ترجمہ کا قیام ہے۔ جس نے اپنی مختصر سی عمر مین حیرت انگیز کام کیا اور تمام علوم کی کتابوں کو ترجمہ کے ذریعہ

اردو کا لباس پہنادیا

اور پھر آپ کی علمی فیاضیوں کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ خود حیدر آباد سے نکل کر ہمارے ہندوستان مین اور ہندوستان سے نکلکر مدینہ منورہ تک جا پہونچا۔ جہاں ایک مدرسۂ عثمانیہ قائم ہوا۔ میں اس سلسلہ میں ان طلباء کا ذکر نہیں کرتا جو مصر اور یورپ کے مختلف شہروں مین تعلیم کی غرض سے بھیجے جاتے ہیں۔ غرض آپ کا علمی مقام بہت بلند ہے۔ علمی حیثیت کے مختلف شعبے ہیں۔ اعلیٰ حضرت ان تمام شعبوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ شاعری بھی ایک خداداد عطیہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کا مقام شاعری مین بھی بہت بلند ہے۔ اور فارسی

عربی - اردو - اور ہندی میں آپ کا کلام وجد آفرین ہوتا ہے - ان تمام امور کی تصریحات کا دوسرا مقام ہے - یہاں میں نے صرف ضمناً ذکر کیا ہے -

تاجدارِ دکن کی شخصی کشش

"از قاضی عبد الغفار صاحب ایڈیٹر پیام"

دنیا کے بالا دست اہل سیاست نے تاجدار دکن کی سیاسی حیثیت کو کتنا ہی محدود کر دیا ہو لیکن بحمد اللہ ابھی تاج و تخت دولت آصفیہ کے مالک کی وہ شخصی کشش باقی ہے جو رعایا کی انسانی فطرت کو اس کے آقا کی طرف کھینچتی رہتی ہے - اور یہی ایک عظیم الشان قوت ہے - یہی ملک داری کا ایسا گراں قدر سرمایہ ہے جس سے کوئی قوت اعلیٰ حضرت کو محروم نہیں کر سکتی - برطانیہ حکومت کے محکمہ سیاسی میں شاہ دکن محض ایک "والیٔ ریاست" سمجھے جائیں لیکن دنیا کے دفاتر خارجہ میں اور خود اپنے ملک میں اپنی رعایا کے دلوں میں اور تمام مشرقی ممالک میں ذات شاہانہ کا مرتبہ اب بھی بہت بلند اور ارفع ہے - خود برطانوی ہندوستان میں ذات شاہانہ کے ساتھ برطانوی رعایا کی عقیدت مندی کے بہت سے ناقابل انکار مظاہرے ہو چکے ہیں - خصوصاً ۲۶ء سے اس وقت تک جب کہ برطانوی حکومت نے دولت آصفجاہی کے در دولت میں مداخلت شروع کی اور آج بھی جبکہ پھر ایک دفعہ حالات کے بہتر ہونے کی امیدیں پیدا ہو رہی ہیں - اعلیٰحضرت کے متعلق اہل ہند کے جذبات برسر میدان آتے رہتے ہیں اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ شاہ دکن کے ساتھ ہندوستان کی برطانوی رعایا کی عقیدت مندی خود دکنی رعایا کی عقیدت مندی سے کسی طرح کم نہیں رہی - ۲۶ء میں برطانوی حکومت کی پالیسی کے خلاف ہندوستان میں جس شدت کے ساتھ احتجاج کیا گیا اور جس ذوق و شوق کے ساتھ

اعلیٰ حضرت کے خدمت مین خراج عقیدت پیش کیا گیا اس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا اور
یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان مین کسی دوسرے فرمان روا کے
متعلق کبھی ایسے مظاہرے نہیں ہوئے۔ اسی طرح اہل ہند کی جانب سے کسی دوسر
"والیٔ ریاست" کو ہدیہ خطاب پیش نہیں ہوا۔ جو لوگ ندوۃ العلماء کے اس جوش
و خروش کو دیکھ چکے ہیں۔ جہاں اعلیٰحضرت کے لئے "محیّ الملّت والدین کا خطاب تجویز ہوا
تھا۔ وہی سمجھ سکتے ہیں کہ تاجدار دکن کی شخصیت ہندیوں کے دلوں مین کس قدر عزیز
ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دنیائے اسلام مین بھی شاہ دکن کی حیثیت ہمیشہ ایک آزاد
حکمران کی سمجھی گئی ہے اور یہ تازہ رشتۂ محبت جو بہ سلسلہ ازدواج شاہزادگان والاتبار
اور خاندانِ خلافت کبریٰ کے درمیان قایم ہوا وہ بھی بلا شبہ ایک بین الاقوامی اہمیت رکھتا ہے

سلطانِ دکن بحیثیت فرزند سعادتمند

مین نے سیرۃ عثمانی کے ذیل مین اعلیٰحضرت سلطانِ دکن کو بحیثیت ایک شفیق باپ کے
پیش کیا ہے اور اس خصوص مین دکھایا ہے کہ آپ اپنی اولاد کی شایان شان تعلیم و تربیت
اور فلاح کے عملی جذبات کا پیکر ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

اکرموا اولادکم

اپنی اولاد کی جائز تکریم کو ہر موقعہ اور محل پر پیش نظر رکھتے ہیں تاکہ دوسروں کو بھی اس
ممتاز نمونہ سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے۔ ایسا ہی میں برادرانہ شفقت کا مرقع
بھی پیش کر چکا ہوں اور سریع السلطنۃ کے الفاظ مین دکھا چکا ہوں کہ شاہ دکن کو اپنے
بھائیوں اور بہنوں سے بے انتہا محبت ہے۔ اب مین اعلیٰحضرت کی زندگی کے اس
پہلو کو نمایاں کرتا ہوں جو

بحیثیت ایک سعادتمند فرزند کے ہے

اعلیٰحضرت مرحوم کے عہد حیات مین آپ کے مدنظر ایک ہی امر تھا کہ بندگانِ عالی کے

منشاء کے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہو۔ کامل اطاعت پدری و نیاز مندی آپ کا طرۂ امتیاز تھا اور ایسا ہی حضرتہ والدہ صاحبہ کے حضور آپ ایک سعادت مند بیٹے کی طرح کامل ادب اور اخلاص سے حاضر ہوتے ہیں۔ اعلیحضرت مرحوم کی وفات کے بعد والدین کی نعمت کا احساس بہت بڑھ گیا اور ساری نیاز مندیوں اور اخلاص کا

مرکز وحید حضرتہ محترمہ کا وجود ہو گیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اعلیٰحضرت سلطان دکن نے اپنے عمل سے بتایا کہ اس ارشاد گرامی پر

آپ صدق دل سے فدا ہیں

قرآن مجید میں بھی والدین کی تکریم اور ان کے مقام ادب کی صراحت کی گئی ہے۔ والدہ کے مقام کی عظمت کا اندازہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے بھی نمایاں ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور جب کبھی آپ کی رضاعی والدہ حضرتہ حلیمہ سعدیہ تشریف لاتیں تو آپ انکا اسی طرح ادب و محبت سے استقبال فرماتے جو مہربان والدہ کے لئے سزاوار ہے۔ پھر والدہ کے مقام ادب کا پتہ اس واقعہ سے بھی ملتا ہے حضور کے عہد سعادت میں یمن میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ اپنی ضعیف والدہ کی خدمت میں مصروف تھے باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں وہ ایک فدایانہ فطرت رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا بہت بڑی سعادت اور عزت تھی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ معلوم کر کے کہ وہ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں ان کو حاضری سے معاف کر دیا۔ یہ واقعہ

والدۂ محترمہ کے مقام و شان کو ظاہر کرتا ہے

اعلیحضرت سلطانِ دکن باوجودیکہ وہ ایک وسیع مملکت کے بادشاہ ہیں اور مختلف قسم کے

امورِ مملکت آپ کی توجہ اور اوقاتِ گرامی کو اپنی طرف مبذول کرائے رکھتے ہیں۔
لیکن ان تمام مصروفیتوں اور مشاغل میں ایک چیز ہے جو اس مصروف سلطان کے
تمام اعمال پر

اپنی کشش اور جذب کو غالب کر دیتی ہے

دنیا کی کوئی مصروفیت کوئی دلچسپی اور کسی دنیوی رشتہ کی محبت اور کشش اس پر غالب
نہیں آسکتی اور یہ

حضرت والدہ محترمہ کی محبت و اطاعت ہے،

آپ نے اپنی زندگی کے روزآنہ نظامِ عمل میں ایک وقت مخصوص کر لیا ہے کہ حضرت محترمہ کے
حضور نہایت اخلاص اور ارادت سے حاضر ہوں اور اپنی سعادت مندی اور اطاعت
کا ہر طرح عملاً اظہار ہو۔ آپ کی زندگی کے کسی دوسرے شغل میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔
لیکن اس میں ترمیم نہیں ہو سکتی ٹھیک وقت پر جو روزآنہ مقرر ہے آپ حضرتہ کی
خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور حضرتہ محترمہ اپنے نورِ چشم کو اپنے پاس موجود پاکر

حیاتِ نو پاتی ہیں

اور مملکت دکن کا جلیل القدر تاجدار ان کی دعاؤں ان کی شفقت آلود نگاہوں کو
اپنے دین و دنیا کا بہترین سرمایہ یقین کرتا ہے۔ محبت اور اطاعت کے اس
مظاہرہ کو شاعر اور مصور کا قلم بھی بیان نہیں کر سکتا۔ خوش نصیب ہے وہ ماں
جس کا سعادت مند بیٹا ایسا بادشاہ ہو اور مبارک ہے وہ سلطان جو اپنے رتبہ
اور منزلت کے باوجود

فرزندانہ سعادت کا ایسا پیکر ہو

اعلیٰحضرت اس کو برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص اپنی والدہ محترمہ کے
قدموں سے کسی وجہ سے دور رہے۔ حیدرآباد میں ایک مشہور واقعہ سنا ہے کہ

یہاں کے ایک بہت بڑے امیر کو بعض ایسے اسباب پیش آرہے کہ وہ اپنی والدہ محترمہ کے حضور سالہا سال تک نہ جا سکے۔ باوجود اپنے جذبات ادب و اطاعت کے انہیں حاضری کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ مرور زمانہ سے حجاب بڑھتا گیا۔ اعلیحضرت کے علم میں جب یہ واقعہ آیا تو آپ کو اس شفقت کی وجہ سے جو آپ کو اپنے امراء اور رعایا کے افراد پر ہے بہت بڑا احساس ہوا۔ آپ نے نفسیاتی اصول پر سمجھا کہ حجاب کی وجہ سے باوجود قریب ہونے کے دونو دور ہو رہے ہیں۔ اس لئے آپ ایک شفیق بزرگ اور مہربان بادشاہ کی حیثیت سے آگے بڑھے اور اپنے نسلاً بعد نسل وفادار اور ممتاز امیر کو ان کی والدہ محترمہ کے پاس لے گئے۔ محبت مادری اور فرزندانہ سعادت کے جذبات صرف تحریک ہی کے محتاج تھے۔ سعادت مند بیٹے کو اسکی کھوئی ہوئی جنت اور شفیق ماں کو اس کا نور نظر مل گیا اور یہ ظاہر ہے کہ ماں بیٹے نے

اپنے بادشاہ کیلئے کسقدر دعائیں کی ہونگی

غرض اعلیحضرت کی زندگی بحیثیت ایک سعادتمند فرزند کے

نمونہ کی زندگی ہے

جو اس عہد جدید کی آزادی میں نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

اعزا و اقربا کیساتھ سلوک

اعلیحضرت کی زندگی کا یہ پہلو بھی ایک عجیب شان رکھتا ہے آپ جب اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے مجمع میں ہوتے ہیں تو آپ علی قدر مراتب ہر ایک سے اسی طرح پیش آتے ہیں جو اسکے مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے ضروری ہے باوجودیکہ بحیثیت بادشاہ آپ کا مقام سب سے بلند ہو جاتا ہے لیکن آپ اس خداداد مقام اور مرتبہ کے احترام کو قائم رکھتے ہوئے اس امر کو نظر انداز نہیں ہونے دیتے کہ

رشتہ داروں کے مراتب کس عمل کو چاہتے ہیں

چھوٹوں کے ساتھ آپ بزرگانہ شفقت کا اظہار فرماتے ہیں اور جو رشتہ میں بڑے ہیں اُن کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں تا دوسروں میں بزرگوں کے ادب کی روح پیدا ہو اس خصوص میں آپ کے مدنظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی رہتا ہے کہ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر رحم کرو۔

جن لوگوں کو آپ سے کسی نہ کسی نوع کا رشتہ قرابت حاصل ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنے عزیزوں کے لئے اپنے دل میں محبت و شفقت کا ایک خاص احساس رکھتے ہیں پچھلے دنوں نواب سلطان الملک بہادر کے فرزند نواب وحید یار جنگ مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت کو یونہی علم ہوا۔ آپ کو بہت بڑا احساس ہوا۔ خود موقعہ پر تشریف لائے اور اپنی موجودگی میں مرحوم کو غسل دلایا۔ تبرکات دیئے اور نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور تجہیز و تکفین کا تمام انتظام اپنی حاضری میں کر دیا۔ اور پھر خاندانی اور اسلامی روایات کے پیش نظر اپنے گھر سے ورثار کو کھانا بھجوایا یہ باتیں سرسری نظر سے دیکھے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ اور نہ انسانی زندگی کے روزآنہ معمولات میں داخل ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہیں بلکہ اعلیٰحضرت کی زندگی کے اس پہلو پر نظر کرتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ یہ

ایک بادشاہ کا طرزِ عمل ہے

دولت اور حکومت کے نشہ کی سرشاری قرابتوں اور رشتہ داریوں کو نظر سے دور کر دیتی ہے اور ایک حجاب پیدا ہو جاتا ہے لیکن سلطانِ دکن کا یہ فعل قابل صد ہزار تحسین ہے وہ ایسے اوقات میں حکومت اور جہاں بانی کے عام معمولات یا رسوما کی پرواہ نہ کرکے اپنے

عزیزوں کے غم میں شریک ہوتا ہے

نواب سلطان الملک بہادر کے خاندان کے لوگوں سے جا کر پوچھو کہ اعلیٰ حضرت کے اس فعل نے ان کے قلوب میں محبت و فدویت کے جذبات کو کتنا گہرا کر دیا ہے۔

اس واقعہ کو مولانا ہوشں بلگرامی نے بھی شائع کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے موثر اور جاذب مرقع کو اس موقعہ پر پیش کر دوں اس لئے کہ اس سے وہ مقصد پورا ہوتا ہے جو میری اس تالیف کا ہے وہ لکھتے ہیں۔

ابھی واقعہ کو لیجیے حضرت اقدس و اعلیٰ نے جس وقت نواب وحید یار جنگ بہادر کے انتقال کی خبر سنی تو نہ صرف اس لحاظ سے کہ مرحوم کو خاندان سلطانی سے تعلق تھا اور ان کے بچپن کی تعلیم و تربیت شاہی نگرانی میں ہوئی تھی بلکہ سرپرست خاندان پائیگاہ ہونے کے اعتبار سے ان کی تجہیز و تکفین کے متعلق تفصیلی ہدایات دی گئیں اور صبح ۹ بجے میت میں شرکت کے لئے موکب ہمایونی بیگم پیٹھ کی جانب روانہ ہوا۔

حضرت خواجہ اجمیری رح کے مزار مبارک کا مس کیا ہوا کفن کا ایک گیروا کپڑا مصفا و پاک آب زمزم اور مزار نبوی کی خاک پاک ہمراہ لے گئے، اس قسم کے تبرکات قصر شاہی میں محفوظ رکھے جاتے ہیں تاکہ ایسے مواقع پر کام دیسکیں اور کلمہ گو اس سے اپنے آخر وقت پر محروم نہ رہے اور میت کی مذہبی طہارت و پاکیزگی کے کام آئیں، مرحوم کو غسل میت کے بعد ہی کفن دیا گیا، سینہ اور پیشانی پر خاک پاک ملی گئی اور میت کو آب زمزم سے مطہر کیا گیا غسل دینے والوں نے دیکھا کہ میت کے جسم پر احتراق خون کے اثرات دھبوں کی شکل میں نمودار تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ دوامی مہریں "دختِ رز" کی ثبت کی ہوئی تھیں۔ مولوی عبد القدیر صاحب بدایونی مفتی عدالت العالیہ اور مولوی صابر حسینی صاحب و مولوی سید محمود صاحب مفتی میرم رجمنٹ اور مولوی قاری فخر الدین صاحب مذہبی رسوم جب تک ادا کرتے رہے۔ اس وقت تک حضرت جہاں پناہ برابر ٹہلتے رہے۔ دو مرتبہ مرحوم کا چہرہ نہایت غور سے ملاحظہ فرمایا گیا اور یہ ارشاد ہوا کہ:۔

"یہ دن مرنے کے نہ تھے شادی بیاہ کا زمانہ آنیوالا تھا۔ مگر افسوس کہ بدعادت نے ان کو کھویا اور ان کی مخبوط الحواس ماں کو زندہ درگور کر دیا۔"

کفن پہنانے کے بعد جب آخری مرتبہ چہرہ ملاحظہ فرمایا تو ارشاد ہوا کہ:-

"مذہبی رسوم کی تکمیل اور تبرکات کے استعمال نے چہرہ پر نورانیت پیدا کر دی اور میں خوش ہوں کہ خدا کا یہ گنہگار بندہ اپنے مالک حقیقی کے حضور میں پاک اور مطہر ہو کر جا رہا ہے"۔
غور کیجئے کروڑہا بندگان خدا پر حکومت کرنیوالا بادشاہ کس احترام سے مالکِ حقیقی کی یاد کرتا ہے اور اسے پنے مذہبی اعمال کا کس قدر خیال ہے۔ ایمان کی استواری بتا رہی ہے کہ اس کے معتقدات کیسے ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان و ایقان کیسا ہے۔ میں سخن پروری نہیں چاہتا۔ انصاف سے کہئے کہ کیا کسی اور کو بھی آپ نے دیکھا ہے کہ دولت و حکومت کے ایسے بے پایاں ہجوم میں مذہب اور احکام مذہب کا اس قدر پابند ہو اور اس خلوص دل اور خلوص نیت سے فرائض مذہبی بجا لاتا ہو۔ دولت کے مظاہر حکومت کی خداوندی اور عشرتوں کی بہتات کی مثالیں بے شمار ملسکتی ہیں لیکن کہیں اسکا پتہ بھی ملتا ہے کہ ایک بادشاہ وسیع المشربی اور مذہبی رواداری کے ساتھ اپنی شریعت اور مذہبی احکام کا اسقدر احترام کرتا ہو اور پھر اپنی رعایا کے دکھ درد کا اس طرح سے شریک بھی ہو اس کے بعد جنازہ کو اس مسجد میں لیگئے جو ایوان بیگم پیٹھ کے احاطہ میں خدا کی وحدانیت کا اعلان کر رہی ہے اور جس کو نواب سروقار الامراء کی توفیق ایمانی نے تعمیر کرایا تھا حضرت بندگانِ عالی اور دوسرے حاضرین نے مفتی صاحب میسرم رجمنٹ کی قیادت میں نماز میّت ادا فرمائی اور بعدہٗ جسم نماز میّت کو "موٹر بس" میں اس قبرستان تک لیجانے کیلئے اعلیحضرت نے ارشاد فرمایا جو نواب شمس الامراء امیر کبیر کے احاطہ میں واقع ہے اور جہاں حضرت برہنہ شاہ صاحبؒ کے سایہ روحانی میں امیر کبیر کے خاندان کے مرحوم افراد اطمینان کی نیند سوئے ہیں۔

زمانۂ قدیم سے یہ رسم چلی آرہی کہ بادشاہ کو میّت کی تجہیز و تکفین میں شامل ہونے کا موقع نہیں دیا جاتا یہانتک کہ میت کو دکھایا بھی نہیں دیا جاتا، لیکن ظل اللہ اس کو اوہام

تعبیر فرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ انسان کی وہم پرستیاں ہیں جس کی اسلام نے شدت سے مخالفت کی ہے، یہاں پناہ اپنے خدائی احکام کو دنیا کے رسم و رواج پر مقدم اور سنت نبوی کا اتباع اپنے لئے افضل سمجھتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ مرحوم کے والد نواب سلطان الملک بہادر دماغی علالت کی وجہ سے بیگانہ عقل و ہوش ہیں اور یہی حال کم و بیش مرحوم کی والدہ کا بھی ہے، جن کو اسکا احساس کہاں کہ اُن کی گود کا کھیلا ہوا نونہال عین عالم شباب میں چل بسا اس حالت میں بندگان عالی کا یہ شیوہ بزرگانہ، یہ شفقت و کرم اور اس درد محبت سے تجہیز و تکفین کے مراسم ادا فرمانا دکھیاری ماں کے زخم دل پر مرہم کا کام دے گیا، اُس کے آنسو خشک ہو گئے، اسکا رنج و غم بہت کچھ دور ہو گیا اور اُس کے بے چین قلب کو صرف پیر و مرشد کی موجودگی نے وہ تسکین دیدی جو بڑے سے بڑے زاہد و صوفی کے وعظ و پند سے ممکن نہ

ان حالات میں ہیں کیسے نہ کہوں کہ خسرو دکن کا یہ اسوۂ نیک سارے ملک کے لئے اخوت اسلامی کا ایک درس ہے اور یہی وہ عمل ہے جس پر سینکڑوں عادتی اور ریائی سجدے قربان کئے جا سکتے ہیں۔ مشہور ہے کہ خدا دردمند دلوں میں رہتا ہے۔ اس لئے کسی دردمند دل کی چارہ گری اور تسلی یقیناً خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔

فخر کر سر زمین دکن کہ تیرے اورنگ شاہی کی زینت اس کے قدم مبارک سے ہوئی جس پر عہد حاضر کے سوا آنیوالی دنیا بھی فخر و ناز کرے گی اور جس کے مبارک کارنامے تاریخ کی صفحات میں جلی حروف سے لکھے جائیں گے، مجھے نواب وحید یار جنگ بہادر کی جوانمرگی کا افسوس ہے اور میری دعا ہے کہ خدا اُن کے ارباب خاندان کو صبر اور بالخصوص مرحوم کی والدہ محترمہ کے دردمند دل کو تسکین کامل عطا فرمائے۔ اس کے بعد میں یہ عرض کرونگا کہ ظل اللہ کو سرپرستی میں مرحوم کی تجہیز و تکفین کا انتظام جس خلوص نیت اور مذہبی اصول کے سایہ میں ہوا اُسپر میرا ایمان پکار کر کہتا ہے کہ اب انکی نجات میں کوئی شک نہیں رہا

خوش نصیب!

آخری بات

اعلیحضرت سلطان دکن آصفجاہ ہفتم خلد اللہ ملکہٗ کے خصائل و شمائل کے تذکرہ کو میں نے اختصار سے ختم کردینا چاہا ہے ورنہ آپکے شمائل و اخلاق کے مختلف پہلو اور ابواب ایسے ہیں کہ انپر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور لکھا جانا چاہیئے۔ میں نے آصفجاہ ہفتم کے کردار کی خوبیوں کو بیان کرنے کی سعی کی ہے اور عمل کے لیئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ

عملی خوبیاں اور اخلاقی کمالات ہی ہیں

جو لوگ کسی شخص کی عملی خوبیوں کو مدنظر نہیں رکھتے اور ناجائز نکتہ چینی کو اپنا طریق عمل قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے انفرادی یا اجتماعی رنگ مین کبھی ملک اور قوم کی خدمت نہیں کی۔ میں جانتا ہوں آنیوالے مورخ اور کردار نویس اس سلطان کی سیرۃ و سوانح پر بڑی بڑی تالیفات شایع کریں گے مگر میں نے اپنی طاقت کے موافق اس مفید اور ضروری کام کی بنیاد رکھدی ہے۔ قوموں اور ملتوں کی تعمیر اور ترقی کا راز اسی ایک امر میں ہے کہ انمین وہ خوبیاں پیدا ہوں جو اجتماعی حیثیت سے ملک و ملت پر موثر ہوں۔ بادشاہوں کی زندگی سیاسی۔ معاشی۔ اور اخلاقی حیثیت سے بہت بڑا اثر پیدا کرسکتی ہے۔ اسی لیئے کہا جاتا ہے کہ الناس علی دین ملوکہم۔ اس نکتہ خیال سے میں نے آصفجاہ ہفتم کے شمائل و اخلاق کے بیان مین اسی چیز کو نمایاں کرنا چاہا ہے جو والیان ریاست۔ امرائے عظام اور عوام الناس کی زندگیوں میں ایک بہترین تغیر پیدا کرسکتا ہے۔

اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے کہ میں نے اسکو کس نیت اور مقصد سے لکھا ہے اگر مسلمان امراء اور رؤسا مین وہ عملی روح پیدا ہوجاوے تو انکی اقتصادی۔ معاشی اور سیاسی مشکلات کا ایک حد تک موثر مداوا پیدا ہو سکتا ہے۔

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تالیف کے مفید نتایج پیدا کرے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؎

خاکسار

ابوعرفانی

تبریک سلطانی بتقریب جوبلی عثمانی

یعنی

حضرت سلطان العلوم نے جشن جوبلی کے سلسلہ میں اپنے جذبات
مسرت و انبساط کا اظہار کلام عثمانی کے ذریعہ فرمایا اور از راہ
عطوفت سلطانی و قدردانی دولت آصفیہ سے تذکرہ [illegible] صحیفہ
رہبر دکن کو بغرض اشاعت سرفراز ہوا۔ میں نے مناسب
سمجھا کہ حیات عثمانی میں اسے بطور ضمیمہ درج کر دوں تاکہ
قارئین کرام کے قلوب میں بھی ایک موج مسرت پیدا ہو
اور وہ اس ہدیہ تبریک میں اپنے بادشاہ ذیجاہ کے ہمنوا
ہو لیں۔

(ثمر فانی)

۴۸۶

تہنیت جوبلی سیمین ف

(مطلع) دیدنِ جشنِ رخِ یار مبارک باشد
گوید این طالعِ بیدار مبارک باشد

مژدہ اے بادہ کشان آمدہ ایامِ بہار
جام در کف ہمہ سرشار مبارک باشد

نرگس و سنبل و نسرین و ریاحینِ سمن
ہر طرف این گل و گلزار مبارک باشد

کف کشادہ کہ عروسانِ چمن استادند
بارشِ ابرِ گہربار مبارک باشد

(مقطع) نغمۂ چنگ و دف و بادۂ رنگین عثمان
در چنین جشن بہ ہر بار مبارک باشد

ف۱ - اس کیلئے تاریخ مقرر ہو چکی ہے (یعنی جوبلی ویک کیلئے) یکم ذیحجہ سے جاریہ مطابق ۱۳ ماہ فروری ۱۹۳۷ء اور جتنے اہم تقاریب ہوں گے وہ عید ذیحجہ کے ایام تک ختم ہو جائینگے مگر اس سلسلہ میں جو دوسرے کھیل تماشے ہونگے یا نمائش ہوگی وہ ۲۹ ذیحجہ تک چلتی رہیگی و یکم محرم سے امور برخاست ہو جائینگے کہ زمانۂ عزا ہے تا ختم ماہ صفر

(نوٹ) تازہ ترین فرمان مبارک کے رو سے نمائش وغیرہ ختم نہ ہوگی۔ (عرفانی)

غزل تازہ برسم تقاریب جشن جوبلی سیمین ف۱

(۲۹ ذیحجہ)

(مطلع) کف و ساعد سیمے زیبا است بہر یک — بلائے جان برائے ماست ہر یک

برائے جامہ نسرین و بنفشہ — شمیم آور ازین گلہاست ہر یک

برائے مستی میخوار و زاہد — نبیذ و آب از صہباست ہر یک

بہ بین ساقی تو گل را کف کشادہ — مثال ساغر ملہاست ہر یک

(مقطع) ہلال سوگ اے عثمان بدست است (یعنی محرم)

بساط عیش (محفل) و مے برخاست ہر یک

ف۱ یہہ اوستاد جلیل کی بداد گرفتہ غزل ہے۔

تہنیت دیگر جشن جوبلی سیمین

(در ماہ ذی الحجہ)

(مطلع) سایۂ احمد مختار مبارک با تو — مدد حیدر کرار مبارک با تو

این ندا آمدہ از طرف گلستان پیہم — ساغر و نیز لب یار مبارک با تو

جامۂ حشمت و اقبال کہ زیبائے تنت — طرۂ دلکش و دستار مبارک با تو

اے خوشا بخت و خوشا تخت و خوشا ملک دکن — ساعت فرخ و دربار مبارک با تو

(مقطع) جوبلی دور حکومت بہ بہاران عثمان

قصر نو ہم گل و گلزار مبارک با تو [۲۵ سالہ]

(جوبلی ہال) (باغ عامہ)

قطعہ جو کہ جدید تعمیر کردہ جوبلی ہال باغ عامہ پر کندہ ہوگا۔

بیا ساقی بمن دہ بادۂ گلرنگ در ساغر

کہ بلبل در چمن نازد چو بیند نرگس عبہر

بہ دیوان نکونامی ز نام آصف سابع

کشیدہ نقش طغرای کاتب قدرت بہ آب زر

در توصیف جوبلی هال باغ عامه

(جو که عمارت پر کنده ہوئی ہے)

(مطلع) چهرهٔ قصر نو که رخشان است — کرمک شب مثال افشان است
قمری و عندلیب نغمه کنان — کیسهٔ غنچه هم زر افشان است
خط و خالش همه نمایان شد — مثل آئینه روے جانان است
رقص پیمانه گوید ائے ساقی — گرد شمشاد بین چه ریحان است
آمد ماهِ دے که کرد ستم — پُر ز نسرین و لاله بستان است
چاک شد در بهار جامهٔ گل — دامنش نیز چون گریبان است

(مقطع) عید عثمان غدیر و هم نوروز
عیش (فرخجه) و عشرت که در بهاران است
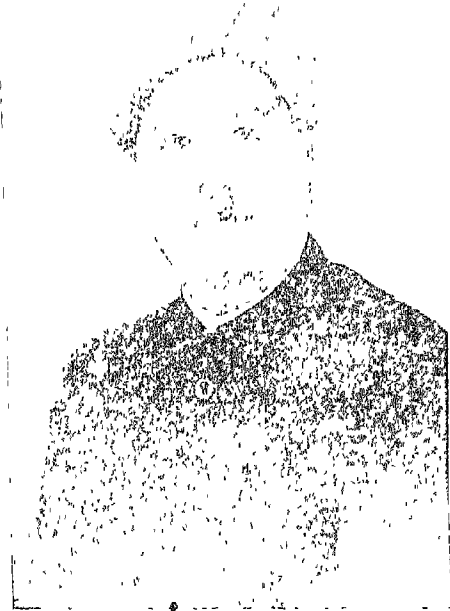
خان بہادر احمد آلہ دین او ۔ بی ۔ ای

عریضہ نیاز بخدمت سیر یمین السلطنت دام اقبالہ

گرامی قدر علم نواز "شاد باشی"

۱۔ نہایت ادب اور کامل اخلاص سے یہ معروضہ پیش کرنیکی اجازت چاہتا ہوں۔ اور یقین رکھتا ہوں کہ علم نواز ہستی میرے علمی اقدام کی سرپرستی میں خوشی محسوس کرے گی۔

۲۔ خاکسار نے اعلیحضرت بندگان عالی متعالی کی تقریب سلور جوبلی پر پیش کرنے کیلئے ایک تاریخی ہدیہ بنام حیات عثمانی تیار کیا ہے۔ اسکی جلد اوّل میں دولت آصفیہ کی اجمالی تاریخ اور ذات شاہانہ کے سوانح حیات اور سیرۃ عثمانی کا مرقع دکھایا گیا ہے اور دوسری جلد موسوم بہ برکات عثمانی میں حضرت آصفجاہ ہفتم کے عہد سعادت اور حیدرآباد جدید کی ترقیات کی تفصیل ہے۔ سردست میں پہلی جلد شائع کر رہا ہوں اور اسکے متعاقب انگریزی اور عربی میں بھی شائع کرنے کا عزم رکھتا ہوں۔

۳۔ اس تاریخی سلسلہ کو میں جناب والا کے نام سے منسوب کرنیکی اجازت چاہتا ہوں۔ اسلئے کہ

(۱) جناب والا کا گرامی قدر دودمان دولت آصفیہ کی جلیل الشان خدمات کیلئے ممتاز ہے پھر اسلئے کہ

(۲) جناب والا کی علم نوازی۔ علم دوستی ہی ممتاز شان نہیں رکھتی بلکہ آپ بنفس نفیس ایک اعلیٰ پایہ کے مصنف ہیں پھر اسلئے کہ

(۳) آپ ذات ہمایونی کے ساتھ ایک فطرتی اخلاص و محبت اور وفاداری و جان نثاری کے جذبات رکھتے ہیں اور خود دولت آصفیہ کی ایک زندہ تاریخ ہیں:۔

ان حالات میں

میں حیات عثمانی کا انتساب حضرت شاد کے اسم گرامی سے ایک نیک فال یقین کرتا ہوں جس میں مسرت و شادمانی کا راز مخفی ہے اور آپکی علم نوازی سے اپیل کرتا ہوں کہ مجھے اس ڈیڈیکیشن کی اجازت مرحمت ہو اور میری درخواست کو شرف قبولیت عطا ہو۔

(گر قبول افتد زہے عزو شرف)

کمترین محمد عبدالرزاق ایڈیٹر سالار یبلی [؟]
معرفت مدالمدین [؟] سکندرآباد

سلسلۂ تاریخیہ آصفیہ عثمانیہ

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم آصفجاہ ہفتم (خلد اللہ ملکہ) کا عہد سلطنت اپنی گوناگوں خصوصیا
کے لحاظ سے ممتاز اور تاریخی عہد ہے۔ میں نے اعلیحضرت کے جشن سیمین کی یادگار میں ایک تاری
قایم کرنیکا ارادہ کیا ہے جو خصوصیت سے حیدرآباد کی تاریخ کے متعلق مختلف اوقات میں تالیفا
شایع کریگا۔ اس سلسلہ میں سلاطینِ دکن اور وزرائے دکن اور دیگر مشاہیرِ دکن کے سوانح حیا
خصوصیات زندگی کی اشاعت کا مقصد زیر نظر ہے۔

اگر علم دوست حکومت اور پبلک نے اس سلسلہ کی قدر کی تو میں امید کرتا ہوں کہ یہ ادارہ ا
کام کرنیکے قابل ہو سکیگا۔ فی الحال میں اسکی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ یہ تو محض اطلاع کے رنگ
کیا جاتا ہے۔ حیاتِ عثمانی کی دوسری جلد برکاتِ عثمانی کے نام سے شایع ہوگی جسمیں بندگانعالی کے
عہد حکومت کے برکات کی تفصیل ہوگی اور اسکے ساتھ ہی وزرائے دکن کے سلسلہ کی پہلی جلد کی اشاعت
ہے۔ انسانی عزائم حقیقت میں ایک خیال سے بڑھکر حیثیت نہیں رکھتے جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل رہبر
میں تبدیل نہ کرے۔ اسی لیے میں اسی کے فضل اور رحم کا طلبگار ہوں کہ وہ اس مقصد میں کامیابی کیلئے توفیق عطا

خاکسار

۱۳۴۶ف